سلسلۂ نصابیات جامعۂ عثمانیہ

تاریخ دستور انگلستان

تصنیف

جارج برٹن اڈمس، ایمیریٹس - پروفیسر تاریخ جامعۂ ایل

ترجمہ

مولوی عبدالمجید صاحب صدیقی ایم اے ایل ایل بی (عثمانیہ)
لکچرار کلیۂ جامعۂ عثمانیہ سرکار عالی

۱۳۵۷ھ ۔ ۱۳۴۷ف ۔ ۱۹۳۸ء

دار الطبع جامعۂ عثمانیہ سرکار عالی حیدر آباد دکن

دیباچہ

میں نے اس کتاب کی تیاری میں عام ناظرین اور کالج کے طلبہ کی ضروریات کو پیش نظر رکھنے کی مستقل کوشش کی ہے۔ ان لوگوں کے رنج میں میں بھی شریک ہوں جو ایک وسیع مضمون پر ایک چھوٹی سی کتاب لکھنے بیٹھتے ہیں کیونکہ ان کو بہت سی تفصیلیں ترک کرنا پڑتی ہیں اور عمل انتخاب کی مشکلوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اس کتاب میں تو مجھے اس کا اور بھی افسوس ہوا کیونکہ مجھے ایسی تفصیلیں چھوڑنا پڑیں، جن کو داخل کتاب کرنے پر تاریخ انگلستان کے ماہرین زور دیتے تھے۔ تاہم مجھے اس بات سے اطمینان ہے کہ ارتقائے دستور کو جو مسلسل اور پشت در پشت ہوا ہے حتی الامکان خوب واضح کرنا ہی بڑی چیز تھی جو ہمیشہ پیش نظر رکھی گئی۔ جو تفصیل اس سلسلۂ کلام کے متعلق ہو یا جو امر اس باب میں وضوح پیدا کرے اس کا لینا ضروری ہے اور جو براہ راست سلسلۂ کلام سے متعلق نہ ہو وہ عدم گنجائش کی صورت میں حذف ہو جائے تو بہتر ہے، اور ایسی تفصیل تو قطعی حذف ہونی چاہئے جس کی وجہ سے اصل موضوع میں الجھن پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے مجھے یقین ہے کہ بعض اساتذہ میرے انتخاب کو نہیں مانیں گے مگر انہیں معلوم ہوگا کہ خود معلم کو توسیع بیان کا جو کافی موقع دیا گیا ہے وہ بھی فائدے سے خالی نہیں۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اس کتاب میں وہ تمام مواد موجود ہے جسے تمام اساتذہ متفقہ طور پر ضروری سمجھتے ہیں۔

میرے خیال میں ایک طویل مقدمہ جو موجودہ حکومت انگلستان پر کافی روشنی ڈال سکے اور بھی زیادہ مفید ہوگا کیونکہ اس سے شروع ہی سے طالبعلم کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ اس ڈرامے کا کیا انجام ہونے والا ہے نیز امریکہ اور انگلستان کے دساتیر میں کیا اہم اختلافات ہیں مگر ساتھ ہی ساتھ یہ بہتر ہوگا کہ انگلستان کی سیاسی تاریخ میں طالب علم کا قدم خوب جما ہوا ہو۔

اگر ایسا نہ ہو یعنی اگر طالب علم سیاسی تاریخ سے واقف نہ ہو تو اسے سیاسی تاریخ کی کسی چھوٹی کتاب میں واقعات کا بغور مطالعہ کرنا ضروری ہے۔

مجھے اس بات کا اعتراف کرنا چاہئے کہ میں مطبع جامعۂ ملیہ کا جو میرے "خاکہ تاریخ دستور انگلستان" کے ناشر ہیں خاص طور سے ممنون ہوں کہ انھوں نے کتاب ہذا میں کتاب مذکور کے اجزا کے استعمال کی اجازت دی۔ کتاب مذکور میں ارتقا کے اہم مدارج اور نتائج دکھلائے گئے ہیں اس لئے وہ نظرثانی اور خلاصۂ مضمون کیلئے مفید ثابت ہوگی۔ اس کے علاوہ میں اکثر علما کا اور خاص طور پر پروفیسر اے۔ ال۔ کراس میچیگن اور پروفیسر والس نوٹسٹائن (کارنل) اور پروفیسر آر۔ ال شوئیلر (کولمبیا) نیز سی۔ ایچ ہیسکنس پروفیسر جامعہ ہارورڈ مدیر سلسلۂ تاریخ امریکہ کا میں بہت ممنون ہوں کہ انھوں نے مجھے قیمتی مشورے دئیے ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں پروفیسر اے۔ آف۔ پالرڈ کی کتاب "ارتقائے پارلیمنٹ" سے فائدہ نہ اٹھا سکا کیونکہ یہ اب تک یہاں نہیں پہنچی۔

مقدمہ

اس وقت سے جب کہ نارمنوں کے ڈیوک ولیم کا میدان ہسٹنگز میں خیمہ نصب ہوا اور وہاں سے سکسن ایسے بھگا دیئے گئے کہ پھر کبھی جنبش ہی نہ کر سکے ایک بہت بڑا تاریخی انقلاب شروع ہوا کیونکہ اس ایک روزہ جنگ نے جس بات کا فیصلہ کیا تھا وہ یہی نہیں تھا کہ اس چھوٹی سی جزیرہ قلمرو کا کون حکمراں ہوگا جو اس زمانے میں نیویارک سے کچھ بڑی اور دنیا کے عام معیار ترقی سے بہت گری ہوئی تھی۔ نہ یہ بڑا سوال معرض بحث میں تھا کہ آیا انگلستان تہذیب کے پرانے سرچشموں سے منقطع رہے گا اور اس کے ہمسایہ سکنڈے نیویوی ملکوں کی طرح اس کی تاریخ بھی معاملات عالم کی بڑی رو سے الگ تھلگ رہیگی۔ بلکہ سچ پوچھئے تو اس جنگ کا عظیم الشان فیصلہ یہ تھا کہ دو قوموں کے درمیان ایک ایسا اتحاد ہو جائے جس سے ایک نئی دستوری زندگی نمودار ہو کیونکہ یہ بات تنہا ایک قوم سے ناممکن معلوم ہوتی تھی۔ ابھی ایک پشت بھی نہیں گزری تھی کہ اس زمانے سے جب کہ دونوں قوموں میں ملاپ کی ایک جھلک نمایاں تھی ہم دیکھتے ہیں کہ اس جدید ارتقا کی ایسی حکومت کے آغوش میں داغ بیل پڑ گئی جو قریب قریب کامل مطلق العنانی کے مترادف تھی۔ اس وقت سے آج تک لگاتار یہ ارتقا بڑے نتائج پیدا کرتا اور دنیا پر وسیع اثرات ڈالتا رہا ہے۔ سترھویں صدی میں اس ارتقائی رو کی دو شاخیں ہو گئیں اور ہر شاخ نے ایک علحدہ طرز حکومت کو ترقی دی مگر یہ دونوں اپنی خصوصیتیں۔ اپنی حیات اور قوت ارتقا اپنے اصلی منبع سے اخذ کرتی رہیں۔

ایک نے شاہی عہدہ برقرار رکھا اور دوسرے نے نو آبادی کی نہایت سادہ زندگی میں جمہوری حکومت کی بنیاد ڈالی اور اس طریقے سے دونوں میں علانیہ فرق پڑ گیا۔ لیکن ہم ان کے دستوروں کا تفصیل سے مقابلہ کریں تو ان دونوں شاخوں میں اب جو عمومی حکومت ہے ان کے

عمل درآمد میں بھی ہم کو نمایاں اختلافات ملیں گے یہ پہلو جس سے ہم اچھی طرح سے واقف ہیں اس طرح ظاہر کیا جا سکتا ہے کہ انگلستان میں عاملہ کا انتخاب عوام نہیں کرتے بلکہ بظاہر تو بادشاہ اس کا تقرر کرتا ہے لیکن حقیقت میں اس کا انتخاب اس فریق کے رہنماؤں میں سے ہوتا ہے جس کی قومی مقننہ کے ایوان زیریں میں کثرت ہوتی ہے۔ یہ انتخاب کسی معینہ میعاد کے لئے نہیں ہوتا بلکہ جب تک ایوان زیریں میں اس کی کثرت ہوتی ہے یہ عاملہ برسر خدمت رہتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ حکومت کے عاملانہ اور مقننانہ سر رشتوں میں ایسا گہرا ربط ہے کہ گویا بقول شخصے، وزیر اعظم اور اس کی کابینہ دونوں مل کر تیسرے ایوان کا حکم رکھتے ہیں۔

انگلستان میں عوام اپنے منتخب شدہ، پارلیمنٹی نمایندوں کے توسط سے حکومت پر جو اثر ڈالتے ہیں وہ ریاستہائے متحدہ کے مقابلے میں زیادہ ہوتا ہے اور جو نمایندے دارالعوام میں جمع ہوتے ہیں انھیں مملکت میں اعلےٰ اختیارات حاصل ہیں۔ ایوان بالائی یعنے دارالامراء کے اختیارات بہت محدود ہیں اور جس مسئلے پر دارالعوام اڑ جاتا ہے وہاں اس کو سپر ڈالنا پڑتا ہے۔ یہی بات بلکہ اس سے بھی کچھ بڑھ کر بادشاہ پر صادق آتی ہے۔ بادشاہ کے متعلق یہاں تک خیال کیا جاتا ہے کہ اس کو ہر سیاسی مسئلے کے متعلق وہی رائے رکھنا چاہئے جو برسر حکومت کابینہ کی رائے ہو اور وہ اپنے وزرا کے توسط کے بغیر کوئی رائے ظاہر نہیں کر سکتا۔ نیز دارالعوام مختار اعلےٰ کی حیثیت سے دستور ساز جماعت بھی ہے اور جو بھی دوسرے اقتدارات کسی شعبے کو حاصل ہیں وہ پارلیمنٹ کے کسی نہ کسی قانون سے بندھے ہوئے ہیں گو وہ اقتدارات مملکت کے کل میں سے کسی جزو کے اختیارات اور فرائض کو کلیۃً بدل سکتے ہوں۔ دستور مکتوبی نہیں ہے جو عوام کے براہ راست قانون سے مرتب ہوا ہو اور کسی قسم کی کوئی تحریری سند نہیں ہے جو حکومت کے مختلف سر رشتوں کو الگ الگ کر کے دکھائے اور ان کے عمل، اختیارات اور حدود واضح کرے۔ دستور رواج اور روایتوں کا ایک غیر مکتوب مجموعہ ہے جسکے ارتقا میں کوئی پیش بندی نہیں کی گئی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض قوانین دستوری جامے میں موجود ہیں جو اختیارات کی حد بندی کرتے ہیں کیونکہ بعض وقت تجربے سے ثابت ہوا کہ چند اختیارات پر حد قائم کرنا ضروری ہے۔

اگرچہ ان واقعات سے معلوم ہوا کہ انگلستان میں دارالعوام کے اختیارات بہت ارفع و اعلےٰ ہیں جو امریکانی حکومت کے کسی شعبے کو نہیں دئے گئے مگر عمل درآمد میں ہر امریکانی مقننہ کے مقابلے میں اس ایوان پر عوام کا بلاواسطہ اور قریب ترد باؤ پڑتا ہے چونکہ عوام کی کثرت پر

کابینہ کا انحصار ہے اس لئے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انتخاب میں اراکین کی ذات پیش نظر نہیں ہوتی بلکہ عمل حکمت عملی یا معین مسائل پیش نظر ہوتے ہیں اور اس طریقے سے اس میں مراجعے کی شان پیدا ہو جاتی ہے۔ نیز چونکہ انتخاب کے عین بعد ہی پارلیمنٹ نشست کرتی ہے اس لئے عوام کے تصفیئے کا اس پر یک لخت اثر پڑتا ہے۔ پچھلے پچاس سال کے دوران میں عمومیت کی جو رفتار رہی ہے اس میں اراکین ایوان پر رائے عامہ کا براہ راست اثر ڈالنے کے بہت سے ایسے پرزور طریقے نکل آئے کہ دیکھنے والوں کو یہ خوف ہونے لگا کہ کیا عجب ہے کہ آگے چل کر اراکین کی شان نمائندگی محض معتمدیت میں تبدیل ہو جائے۔

اب ہمارے سامنے بالکل سیدھے سادے الفاظ میں تاریخ دستور انگلستان کا موضوع ہے اس میں یہ دکھانا ہے کہ کس طریقے سے گیارھویں صدی کی مطلق العنان حکومت جس نے تمام اختیارات بادشاہ کی ذات میں جمع کر دیئے تھے اور کوئی ایسی سبیل نہیں چھوڑی تھی کہ بادشاہ کے سوا کوئی اور شخصیت بھی اپنی خواہش ظاہر کر سکتی وہ رفتہ رفتہ موجودہ عمومیت میں تبدیل ہو گئی جس میں بادشاہ کی کوئی آواز نہیں اور عوام کی مصرح رائے کا ہر طرف سکہ چلتا ہے۔ یہ بھی دکھانا ہے کہ کس طریقے سے دو صدی قبل اس عمومی حکومت کے لئے جس کے حامل اور عامل عموم ملک ہوتے ہیں میدان صاف کیا گیا تھا؛ اور پھر کس طریقے سے ارتقائی رَو کی ایسی دو شاخیں ہو گئیں کہ اصول میں تو دونوں کا منتہا ایک رہا مگر فروعی پہلوؤں میں ان دونوں میں بہت سے اختلافات ہو گئے۔ یہ ایک داستان ہے ایسی تحریک کی جس کا نشوونما آہستہ آہستہ ہوا اور یہ رفتہ رفتہ مواد جمع کر کے بالآخر مستحکم ہو گئی؛ نیز یہ ایسے اداروں کا ذکر ہے جن میں حکومت نے پے در پے ارتقائی مدارج طے کر کے ایک خاص صورت اختیار کر لی ہے۔

فہرست مضامین

تاریخ دستور انگلستان (اڈمس)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تاریخ دستور انگلستان

باب ۱

سیکسنی دور

انگریز قوم اور انگریزی زبان کی طرح انگریزی دستور بھی مختلف ماخذوں سے مشتق ہوا ہے۔ جب سے اس ملک کی تاریخ معلوم ہوئی ہے اس کے ابتدائی ہزار سال کے اثنا میں اس علاقہ پر جس پر آج انگلستان کی سلطنت قایم ہے، پلے در پلے کئی قومیں آباد ہوئیں اور انھوں نے اس پورے علاقے یا اس کے وسیع خطوں پر باری باری سے حکومت کی۔ ان میں سے ہر ایک کے متعلق توقع ہو سکتی ہے کہ انھوں نے اپنے پیچھے آیندہ زمانے کے لئے قانون و ادارات کا ایک مستقل ورثہ چھوڑا ہوگا، مگر حقیقت یہ ہے کہ سب نے ایسا نہیں کیا۔ سب سے پہلے کلٹ قوم نے حکومت کی اور اس نے آیندہ انگریز قوم کے خون میں تو خاطر خواہ اضافہ کیا مگر سیاسی اور قانونی ادارے کسی قسم کے اضافے سے خالی رہے۔

رومنوں کے متعلق بھی جہاں تک ان کے صوبہ برطانیہ کے قبضے کا تعلق ہے یہی کہا جا سکتا ہے۔ انگلستان کی تاریخ دستوری پر کبھی نہ کبھی زبردست رومن اثر پڑے ہوں گے مگر یہ اثرات نہ تو وقت واحد میں محسوس ہوئے نہ وہ ایک ماخذ سے آئے۔ اور رومن قبضے کے اختتام کے صدیوں بعد تک ان کا ظہور نہیں ہوا اور ان اداروں میں جن کی بنا سیاسی اور قانونی ہے خود اس قبضے کا کوئی نشان نہیں تھا۔ ابتدائی انگریزی قانون پر جو سب سے مستند مولف ہے اس کا بیان ہے کہ "ہمارے بادشاہوں کے مکتوبہ احکام کی بار بار چھان بین کی گئی اور چھان بین کرنے والے ایسے ماہر لوگ ہیں کہ قانونِ روما کے موہوم سے نقش کو بھی خواہ اس پر کتنا ہی بربریت کا پردہ پڑا ہو دیکھ لیتے ہیں۔ ان لوگوں کو بھی کوئی قابلِ ذکر چیز نہیں ملی۔ ان علماء نے یکے بعد دیگرے یہی فیصلہ کیا کہ یہ احکام خالص جرمن قوانین کی زندہ یادگاریں ہیں۔"

خواہ اس کو رومن قبضے کا اثر سمجھو یا کلیسا کا توسط انگلستان میں رومنوں سے ان کے ٹیوٹانی جانشینوں نے عدالتی فیصلے یا انتقال جائداد کو ضبطِ تحریر میں لانے کے لئے باضابطہ تحریری دستاویزوں اور فرمانوں اور وصیت ناموں کا استعمال سیکھا مگر دستاویز کے ساتھ اصولی قانون پر توجہ نہیں کی۔ رومنوں کے تحریری وصیت ناموں کو تو اختیار کر لیا مگر وصیت ناموں کے قانون سے واقف نہیں ہوئے۔ دورِ مابعد میں تقریباً تمام کام تحریری ہو گیا۔ اس کے بعد ہم قدم قدم پر قانونِ روما کے ممنون ہیں۔ نارمنی فتح کے وقت رومی ادارات اور کچھ قانونِ روما کا نامعلوم سا اثر آ گیا اور جب آگے چل کر بارھویں صدی میں قانون کا علمی مطالعہ شروع ہوا تو اس سے زیادہ گہرا اثر محسوس ہونے لگا۔ قانونی کتابوں کے مصنف اور عدالت کے جج علمی تصورات کی شان میں نئی تعلیم پا چکے تھے اور اسی روشنی میں دیسی قانون کی تشکیل اور تنظیم کرتے تھے۔ مگر براہِ راست استفادہ بھی پہلے سے زیادہ وسعت کے ساتھ شروع ہو گیا۔ چنانچہ قانونِ انگلستان کے بڑے شعبوں میں مثلاً قانونِ ازدواج و وراثت۔ نصفت۔ قانونِ بحر اور قانونِ بین الاقوام پر رومن خیالات کا گہرا اثر پڑا۔ مگر اس قانون میں جو رومن عناصر ہیں وہ انگریزی زبان کے لاطینی عناصر کی طرح رومن فتح اور ان کے قبضۂ برطانیہ سے نہیں بلکہ متعاقب اثرات سے داخل ہوئے ہیں۔

یہ انگلستان کو مغلوب اور آباد کرنے والی تیسری قوم تھی جس سے دورِ مابعد کے قانون اور ادارات پیدا ہوئے۔ مگر اس صورت میں بھی یہ نہیں ہوا کہ وقت واحد میں تمام بنیاد ریختہ ہو گئی۔ ٹیوٹانی فاتحوں کے تین باہم سیلاب ہیں جنھوں نے مشترکہ سرمائے میں اضافہ کیا ہے۔

اینگل اور سیکسن دونوں کی فتح ملا کر ہم پہلا سیلاب شمار کرتے ہیں، دوسرا اسکنڈی نیوی یا ڈینوں کا تھا جو شمال و مشرق میں آدھے سے زیادہ ملک پر مسلط ہوئے۔ ان کا اضافہ قانونی پہلے اضافے کے اس قدر رنگ بھنگ تھا کہ گو اس کے اثرات کا اب تک زبان میں پتا چل سکتا ہے مگر اداروں کی تمام تر تاریخ میں یہ قابل نظر انداز ہے۔ گیارھویں صدی کی نارمنی فتح شمار میں تیسری ہے اور یہ اپنے ساتھ ایک تازہ اور پُر زور ٹیوٹانی اثر لائی مگر اس اثر کا سرچشمہ دوسروں سے بالکل مختلف تھا یعنی یہ اثر فرانک قوم سے آیا تھا جنھوں نے غالیہ فتح کر کے فرانکی رومن شہنشاہی قائم کی تھی۔ اگرچہ اس جدید سرچشمے کی اصل بھی ٹیوٹانی ہے مگر پانچ صدیوں تک فرانکی سلطنت میں جو رومن سیاسی تہذیب رہی اس سے وابستہ ہونے کی وجہ سے اس میں بہت کچھ افراط و تفریط ہو چکی تھی۔ نارمن فتح کی تاریخ تک اصل ٹیوٹانی کیفیات میں اس قدر عظیم الشان تغیر و تبدل ہو چکا تھا کہ مشابہتوں کی طرح اختلافات بھی ہم کو صاف محسوس ہوتے ہیں۔ چنانچہ چند امور کے قطع نظر نارمنوں اور سیکسنوں کے اتحاد کی بنیاد پڑی تو ایک سو سال کے بعد پڑی اور پھر اس کو پختہ اور ناقابلِ امتیاز مجموعہ بننے کے لئے اور سو سال لگے۔

یہ اختلافات ہم کو اس قدر کھٹکتے ہیں کہ سنہ ۱۰۶۶ء کی نارمنی فتح کو ہم یہ سمجھتے ہیں کہ وہ تاریخ انگلستان میں ایک عظیم الشان عہد کو ختم کر کے دوسرے عہد کا آغاز کرتی ہے، اگرچہ تاریخ پڑھنے والے اس کی جو تاویل کرتے ہیں وہ مختلف ہوتی ہے، چنانچہ جس نقطۂ نظر سے وہ اس فتح کو دیکھتے ہیں اسی کے مطابق کسی نہ کسی پہلو پر زور دیتے ہیں۔ جہاں تک تاریخ دستوری کا تعلق ہے فتح سے جو قطعی تغیر ہوا وہ مقامی حکومت کے بالمقابل مرکزی حکومت میں ہوا۔ یہ تغیر اس قدر عظیم الشان تھا کہ ہم بلا مبالغہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ دستور مملکت کے چند اہم رخ ایسے ہیں کہ اگر ان کے اصل کی ٹوہ لگانی ہو تو سیکسنی ادارات میں نہیں بلکہ فرانکی ادارات میں لگانی چاہئے۔ مقامی حکومت کے دائرے میں کوئی بڑا تغیر نہیں ہوا اور بعض صورتوں میں تغیر معلوم بھی نہیں ہوتا۔ مملکت کے چھوٹے بڑے مقامی حلقے اور مقامی عدالتوں کا مجموعۂ قانون بغیر کسی ظاہری تغیر کے جوں کا توں رہا۔ اُدھر بادشاہ اور امرا نے مرکزی حکومت کو ایک نئے سانچے میں ڈھال دیا اور تمام اہم متعلقات نئے مرکزی قانون کے تابع کر دیئے۔

قدیم سیکسنی ادارات اور ان کے ارتقا کے مطالعے میں جو انگلستان میں سیکسنی حکومت کے اثنا میں ہوا علما نے بہت کچھ دماغ سوزی کی مگر اس کے باوجود جس مواد سے ہم اپنے

معلومات اخذ کرتے ہیں وہ اس قدر کم ہیں کہ ہم یقین سے کسی چیز کی تاویل نہیں کرسکتے۔ چنانچہ ہم کو ضروری امور کے متعلق بھی لاعلمی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ حالت یہ ہے کہ ایک عالم ایک نتیجہ مستنبط کرتا ہے جو اس کے نزدیک معقول ہے مگر اس کے پیش کردہ تائیدی دلائل اور اس کا اسلوب بیان دوسروں کو قائل نہیں کرسکتا۔ ضابطہ جات قانونی کی شکل میں ایک مواد ہمارے پاس غیر معمولی مقدار میں موجود ہے مگر ان ضابطوں کے بنانے والوں کی اس سے جو غرض تھی وہ تمام مجموعات کے قلمبند کرنے سے زیادہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ایسے تغیرات کا اندراج کریں اور ایسے نکات کی یادداشت بنائیں جو اس کے بغیر ذہن سے فوراً نکل جاتے۔[۱] چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس مواد کے مطالعے میں ہم کو بہت کچھ قیاس سے کام لینا پڑا ہے تمام قدیم قوموں کی طرح سیکسنوں نے بھی آئندہ طالبعلموں کی ضروریات کا کوئی لحاظ نہیں رکھا بلکہ جو چیز ان کے لئے زیادہ دلچسپ یا ضروری تھی وہی اپنی کتابوں اور دستاویزوں میں قلمبند کرلی۔

جوں جوں ہم فتح نارمنی کے قریب ہوتے جاتے ہیں ہم کو زیادہ اور مکمل مواد ملتا جاتا ہے اور فتح کے وقت سیکسنی سلطنت میں جو ادارات تھے ان کے متعلق اطمینان بخش معلومات حاصل ہوتے جاتے ہیں۔ اس مطالعے کے اغراض کے لئے یہ زیادہ اچھا ہوگا کہ ہم دستور کا اس طرح نقشہ پیش کرنے کی کوشش کریں جس طرح اس زمانے میں موجود تھا اور حتی الامکان اس بات کی تشریح بھی کریں کہ اس دستور کے مختلف رُخ کیسے پیدا ہوئے ورنہ ارتقا کی ایک ایسی مفصل تصویر کھینچنے سے کیا فائدہ جس کا بڑا حصہ غیر یقینی ہو۔

سیکسنی ادارات کے مطالعے میں قدم رکھتے ہوئے ایک ہدایت کا اعادہ کرنا ضروری ہے جو تہذیب قدیم کے ہر مبتدی کو ہمیشہ کی جاتی ہے یعنے جو تصورات کہ زمانۂ مابعد کی تاریخی ترقی اور تجربوں کے نتائج ہیں انھیں زمانۂ قدیم کے تخیل کی طرف منسوب نہ کرنا چاہئیں یہ شوق اس قدر غالب ہوتا ہے کہ ہم یہ فرض کرلیتے ہیں کہ ہمارے اصطلاحات کا وہ لوگ یہی مفہوم لیتے تھے جو ہم لیتے ہیں اور وہی فنی اصطلاحات جن سے ہم اپنے افعال و عادات کو معین کرتے ہیں وہی ان لوگوں کے افعال اور عادات پر منطبق کردیتے ہیں۔ ہماری حکومت کی ابتدائی تاریخ میں جو لفظ ہمیشہ سے مرغوب رہا ہے وہ دستوری ہے اگر ہم اس لفظ کو دوسرے معنوں کے بجائے اس کے لغوی یعنے ایک طریقۂ عمل کے معنوں میں استعمال کریں تو ہمارا یہ استعمال

[۱] اقتباس از سٹبز "مذاشیر منتخبہ" Stubls S C ۶۶/۸۸ -

بالکل صحیح اور حق بجانب ہوگا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس زمانے میں امور سلطنت انجام دینے کے مسلمہ طریقے تو تھے مگر وہ ہمارے طریقوں کی طرح معین نہ تھے۔ لیکن اس لفظ کو صرف اسی مفہوم میں استعمال کرنا ہمارے لئے ناممکن ہے۔ ہم اس کو ایک معینہ طریقۂ کارروائی کے معنوں میں لیتے ہیں جو دانستہ تسلیم کیا گیا ہو اور جس کو سب جانتے ہوں اور اس کی خلاف ورزی از روئے قانون یا رسم و رواج ناممکن ہو اور دستور کے بیدار مغز محافظ اس کی باضابطہ نگرانی کریں اور کھوج لگائیں۔ انگلو سیکسن مملکت میں معین شکلیں یعنے حقوق کا باخبر استعمال اور ذمہ داریوں کی پابندی تو پائی جاتی ہے مگر یہ حکومت کے شعبہ میں نہیں بلکہ عدالتی کارروائی میں پائی جاتی ہے اور یہاں ہم لفظ 'دستوری' کا استعمال پسند نہیں کرتے جہاں تک لفظ حکومت کا تعلق ہے اس کے استعمال میں اور جب استعمال ہو تو اس کی تاویل میں نہایت درجہ کی احتیاط کی ضرورت ہے، ورنہ ہم غلطی سے یہ سمجھ جائینگے کہ حکومت اور سیاسی کارروائی میں ایک حد تک باقاعدگی تھی اور اس پر خوب غور کیا جاتا تھا حالانکہ اس وقت یہ چیز نہ تھی۔ وہ لوگ کام تو کرتے تھے مگر اپنے عمل پر غور نہیں کرتے تھے اور نہ یہ بات ان کے پاس اہم تھی کہ حکومت کے ایک فعل اور دوسرے فعل میں کہاں حدِ فاصل ہے اور ایک طریقۂ کار اور دوسرے طریقۂ کار میں کیا امتیاز ہونا چاہیئے ہمارا اس کے برعکس سمجھنا اپنے آپ کو ایک مغالطہ میں ڈالنا ہے۔

نارمنی فتح کے وقت تمام انگلستان میں ایک ہی سلطنت تھی مگر یہ شیرازہ بندی ایک طولانی اور آہستہ رفتار سے عمل میں آئی۔ چنانچہ خود مختار مستعمرات اور سلطنتیں سمٹ کر ایک سلطنت میں مدغم ہوگئیں۔ اس شیرازہ بندی کے آثار نہ صرف ملک کے جغرافیہ میں بلکہ اس کی حکومت میں صاف نظر آتے رہیں۔ صوبہ جات جن میں سلطنت منقسم تھی وہ اکثر صورتوں میں قدیم مستعمرات یا قبیلہ واری سلطنتوں کے قائم مقام تھے۔ مثال کے لئے سیکسن۔ کنٹ۔ نارفک سرے ایسکس اور سفک موجود ہیں۔ سلطنت کے مختلف حصوں میں مقامی قانون کے فروعات علانیہ مختلف تھے۔ مغرب اور شمال کی قدیم خود مختاری باقی رہ گئی تھی اور جب مرکزی حکومت میں مقامی نیابت کا انتظام ہوا تو یہ خود مختاری تسلیم کرلی گئی۔

پانچویں صدی میں رومن فوجوں کے چلے جانے کے بعد ہی جو ٹیوٹانی قبیلے برطانیہ پر قابض ہوئے وہ شمالی جرمنی کے اضلاع زیرین اور جزیرۂ ڈنمارک سے بحر شمالی کے

کنارے کنارے آئے تھے۔ ان کی سیاسی ہیئت پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ اپنے وطن میں جرمنی کے بہت ہی پست قبائل میں سے تھے۔ ان میں کوئی قبیلہ واری یکجہتی، کوئی بادشاہ اور کوئی مشترک حکومت نہ تھی، بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ چھوٹے ہم رشتہ گروہوں میں بٹے ہوئے تھے اور یہ گروہ کم و بیش ایک دوسرے سے منسلک تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ نویں صدی کے اوائل میں جب یہ لوگ شارلمین کے سامنے سپر ڈالنے پر مجبور ہوئے تو اس وقت بھی ان کی یہی سیاسی حالت تھی۔ نہ ان میں بادشاہ تھا نہ بہ حیثیت مجموعی تمام قبیلے کی کوئی حکومت مرتب ہوئی تھی۔ خواہ سیکسنوں کی فتح کسی طریقے سے عمل میں آئی ہو یہ سیاسی رنگ ایک اعتبار سے ان عظیم نوآبادیات میں نمودار ہوئے بغیر نہیں رہا جو برطانیہ میں قائم ہوئیں۔ کوئی مشترک حکومت پیدا نہیں ہوئی ظاہر ہے کہ ہر جیش یا دوسرے الفاظ میں ہر قدیم گروہ قبیلہ نے اپنی ایک خودمختار نوآبادی بنالی مگر ان نوآبادیات کو جوڑ کر ایک مملکت بنانے کی کوئی کوشش نہیں کی نہ اس اتحاد کی خوبی ان کے ذہن میں آئی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ شروع ہی سے عمل اتحاد کی بنیاد پڑ گئی تھی یعنی ابتدائی نوآبادیات ایک دوسرے کو فتح اور ہضم کرنے لگ گئیں۔ اس کا سلسلہ کئی پشتوں تک چلا یہاں تک کہ سات تاریخی سلطنتیں جو "ہفت شاہی" کے نام سے مشہور ہیں باری باری سے وجود میں آئیں اور آخر کو تمام انگلستان مغربی سیکسنی بادشاہوں کے تحت آگیا۔

اس فتح کا ایک فوری نتیجہ جس کو ہم خود سمجھ سکتے ہیں یہ ہوا کہ رہنمائے جنگ جو ٹاسی ٹوس کے بیان کے مطابق اپنی امارت یا اپنی آزمودہ قابلیتوں کی بناء پر منتخب کیا جاتا تھا بادشاہ بن گیا۔ ان حالات میں جبکہ مفتوحہ علاقے پر قدم جم رہا تھا اور پڑوس میں دشمن قبیلے تھے یعنے جنگ کا ایک غیر منقطع سلسلہ جاری تھا اس خدمت کا مستقل ہونا لازمی تھا۔ ظن غالب یہ ہے کہ یہ خدمت پہلے پہل ایک مستقل سرداری جیش سے کچھ زیادہ ہی ہوگی۔ جب مملکت منظم اور قرار یافتہ ہوگئی تو اس عہدے نے رفتہ رفتہ بیرونی معاملات میں قبیلے کی سیادت حاصل کرکے شاہی حیثیت و فرائض حاصل کئے ہوں گے۔ چاہے اس بات سے سیکسنی نوآبادیات میں منضبط حکومت اور دستوری ترقی کی ابتدا ثابت ہو یا نہ ہو مگر بہر حال ان نوخیز سلطنتوں میں فتح شروع ہونے کے بعد ہی ایک واقعی سیاسی تنظیم پائی جاتی ہے۔ اور اداروں کے رشتے جن کی تحقیق اب ہم شروع کرنے والے ہیں جرمنوں کے ان اداروں سے جڑ جاتے ہیں

جو تاسی توس کے زمانے میں جس طرح وہ بیان کرتا ہے، روما سے وابستہ تھے۔

اگرچہ سیکسنی بادشاہی کی ابتدا کا جو خاکہ پچھلے پارے میں کھینچا گیا ہے قیاسی ہے تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ فتح کی سست رفتار کے دوران میں جو ایک چھوٹی سلطنت کے قیام کا باعث ہوئی اور رومیوں کی جدید ٹیوٹانی آبادکاری کے خلاف جو خوفناک کشمکش کا ایک طویل سلسلہ جاری رہا ان دونوں وجہ سے مسلسل جنگ و جدل جاری رہی یہاں تک کہ اینگلو سکسن تاریخ میں پھیلی ہوئی ہے اس نے بادشاہ کے عہدے کو جو پہلے وجود میں آچکا تھا ترقی دی جس طرح مملکت پھیلتی گئی اسی طرح وہ منضبط بھی ہوتی گئی اس کے مسائل کی کثرت ہوئی اور حکومت کے کل پرزوں میں ترقی ہوئی اور یہ ہوشیاری سے چلائے جانے لگے۔ اس کے علاوہ قانون کا دائرہ وسیع اور پیچیدہ ہو گیا۔ اگر بادشاہی کو آلۂ حکومت کا محور اور کارفرمائے اعلیٰ کی حیثیت میں تمام کارروائیوں کا ذمہ دار سمجھا جائے تو یہ نوشتۂ تاریخی دور میں سیاسی عضویت کی قدرتی شکل ہے۔ جس قدر مملکت منضبط ہوتی اسی قدر اس کے اختیارات بھی ضرور وسیع ہوتے گئے۔

بادشاہی تو خوب طاقتور ہو گئی مگر کسی بادشاہ کا طاقتور یا کمزور ہونا خود بادشاہ کی قابلیت اور قوت ارادہ پر منحصر تھا اس آخری صدی میں جو فتح سے پہلے گزری یکے بعد دیگرے کمزور اور قوی بادشاہ تخت نشین ہوئے تھے اور اس کا سبب یہ نہیں تھا کہ کچھ اختیارات بدلے ہوں بلکہ خود بادشاہوں کی طبیعتیں مختلف تھیں۔ اگر سیکسنی بادشاہی کبھی مطلق العنان ہوگئی اس کے اختیارات کبھی کیرولنجی فرانکی بادشاہی کے درجے کو نہیں پہنچے نہ اس کے زیر حکومت ایسی ذی مرکزیت مملکت تھی جیسے کیرولنجی فرانکی مملکت اپنے عروج کے زمانے میں تھی۔ سیکسنی بادشاہی پر رومی مثال کا کوئی اثر نہیں پڑا اور اگر پڑا بھی تو بہت موہوم سا۔ نہ رومنوں کی سی شہنشاہی کی خواہش پیدا ہوئی نہ اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ اپنی چھوٹی مملکت کے جو یکایک وسیع ہو گئی تھی مسائل حل کرنے کے لئے بیرونی حکومت کی تقلید کی جائے۔ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ بنا کہ فرانکی بادشاہی کے مقابلے میں سیکسنی بادشاہی نے بہت آہستہ اختیارات حاصل کرلئے دونوں کا راستہ قریب قریب ایک ہی تھا۔ چنانچہ جن امور میں ان دونوں کی تاریخیں الگ الگ ہیں ان کی بہت کچھ تفصیل پیش کی جاسکتی ہے۔ لیکن جب گیارھویں صدی میں سیکسنی بادشاہی کا پیمانہ لبریز ہو گیا اس وقت بھی یہ اس معراج ترقی سے کئی مدارج پیچھے تھی جس پر فرانکی بادشاہی نویں صدی میں پہنچ چکی تھی۔ دو طریقے تو بعد کو دکھائے جائیں گے

جن کی وجہ سے بادشاہ کے ہاتھ بندھ گئے"، مگر یہاں ایک بات یہ کہی جا سکتی ہے کہ بادشاہ رواج سے مجبور تھا چنانچہ یہ کہا جاتا ہے کہ "بادشاہ کے اختیارات عام لوگوں کے رواج کے تابع تھے۔ بغیر قانونی کارروائی کے وہ کسی آزاد شخص کی جان و مال کو ہاتھ نہیں لگا سکتا تھا۔ اس طریقے سے ہر ایک آزاد شخص اپنے دوسرے ساتھی کے مقابلے میں اپنا بچاؤ کر سکتا تھا۔ بادشاہ اپنی قوم کی دانستہ مرضی کے بغیر کوئی قانون نہیں بنا سکتا تھا۔ وہ بالعموم اپنے "عقلاد" اور مشیروں کی صلاح سے کام کرتا تھا اور یہ گویا اس کی مجلس خاص تھی"۔ یہ قیود بادشاہ اور قوم کے باہمی تعلق کے تاویلات سے پیدا ہوئے تھے۔ یہ قانون سے نہیں بلکہ عادت اور باہمی مجھوتہ سے وجود میں آئے تھے۔ ممکن ہے کہ ایک زوردار بادشاہ اپنے تحکمانہ طرز عمل سے ان قیود کو پس پشت ڈال دیتا ہوگا۔ برخلاف اس کے ایک کمزور بادشاہ بمشکل اپنی طرف سے کوئی بات بڑھا سکتا تھا۔

انتخابی بادشاہی ۔ ایک مفہوم میں بادشاہی انتخابی تھی۔ مگر اس مفہوم میں نہیں، جو "انتخابی بادشاہی" کے الفاظ سے زمانۂ حال کے کان آشنا ہیں۔ مغربی رومن شہنشاہیت کے زوال کے بعد ٹیوٹانی قبیلوں نے جو بے شمار مملکتیں بنائیں ان کے بعد کے طرز عمل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قدیم جرمن بادشاہ منتخب ہوتا تھا چنانچہ اس کی نشانیاں انگریزی مملکت کی طرح فرانسیسی مملکت میں بھی مدت تک باقی رہیں۔ جرمن سلطنت میں تو یہ اب تک صاف نمایاں ہیں۔ لیکن ان میں سے کسی مملکت میں بھی اس چیز کا وجود نہیں تھا جس کو زمانۂ حال کے دستوری قانون داں انتخابی بادشاہی کی اصطلاح سے یاد کرتے ہیں جو اٹھارھویں صدی کی سلطنت پولستان پر منطبق ہوتی ہے۔ انگلستان کی سیکسنی سلطنت میں تخت ایک خاندان میں موروثی تھا اور اس طریقے سے صرف بعض ہی مواقع پر گریز کیا جاتا تھا۔ مثلاً ایک مرتبہ فتح کی وجہ سے اور ایک مرتبہ فتح کے ڈر سے ایسا ہوا تھا قطعی وراثت کا لحاظ نہ کرتے ہوئے ایک ہی خاندان کے محدود دائرے میں انتخاب اکثر عمل میں لایا گیا۔ پھر انتخاب کے وقت انتخاب کرنے والوں کو یہ احساس نہیں تھا کہ وہ اپنے ایک مسلمہ حق کو استعمال کرتے ہیں، بلکہ یہ سربرآوردہ آدمیوں کی کم و بیش غیر مشخص جماعت کا فیصلہ ہوتا تھا جس کی مخالفت نہیں کر سکتا تھا یا دوسرے الفاظ میں اس جماعت کو قوم پر ایسا قابو حاصل تھا کہ ایک رکنِ خاندان کو دوسرے ارکین کے مقابلے میں کبھی کبھی بلا لحاظِ قابلیت ہی بادشاہ منوا لیتے تھے۔ جب قطعی سلسلۂ وراثت کو بالکل توڑ دیا جائے یا ایک جدید خاندان منتخب کیا جائے تو وہ بڑی حد تک دیدہ و دانستہ فعل سمجھا جا سکتا ہے۔ مگر یہ ایسی مشابہتیں ہیں جو ایک دستوری مملکت میں خواہ وہ دستور کسی شکل کا کیوں نہ ہو پیدا ہو سکتی

ہیں۔ ان مملکتوں میں جو چیز غور طلب ہے وہ عمل انتخاب نہیں ہے بلکہ اس حق کا پہلو ہے جس کی رو سے انتخاب کنندگان ایسے معاملے میں خود کو عامل سمجھتے ہیں۔ بادشاہ کی معزولی کے متعلق بھی جو سکسن تاریخ میں گاہے ماہے پائی جاتی ہے یہی اوصاف مدنظر ہوتے ہیں کیونکہ معزولی تو ایک انتہائی فعل ہے اس لئے اس کا دیدہ و دانستہ ہونا لازمی ہے۔

اوائل میں سکسن کلیسائے بادشاہی کا بہت کچھ ساتھ دیا اور جہاں تک ممکن تھا اس کی ترقی میں بہت کچھ ہاتھ بٹایا یونانی فاتحوں میں رومن عیسائیت کی اس وقت اشاعت ہوئی جب کہ ان کا حقیقی توطن شروع ہوئے ایک صدی سے زیادہ زمانہ گزر چکا تھا انگلستان میں عیسائیت کی ابتدا اور توسیع زیادہ تر بادشاہوں کی سرپرستی سے عمل میں آئی، ادھر کلیسا نے یورپ کی دیگر نوخیز مملکتوں کی طرح جس چیز کی حکمتہ تائید کی وہ اتحاد اور طاقتور مرکزی حکومت ہے۔ خود اپنی تنظیم میں کلیسا تمام سکسن نوآبادیات کو ایک قوم تصور کرنے لگا حالانکہ ان میں بہت کچھ سیاسی تفریقیں موجود تھیں[1]۔ بادشاہ کی رسم تاج پوشی میں کلیسا کا قائد اعظم بڑا حصہ لیتا وہ عہد عتیق کے طریقے پر مقدس تیل سے بادشاہ کی تقدیس کرتا اور بادشاہ سے حلف تاج پوشی لیتا تھا۔ دسویں صدی کے آخر میں یہ حلف قلمبند کیا گیا جو حسب ذیل ہے۔ "تالوث مقدس کا نام لے کر میں اپنی مسیحی رعایا سے تین امور کا حتمی وعدہ کرتا ہوں۔ اول اپنی قلمرو کے تمام کلیسا اور عیسائیوں کو حقیقی امن عطا کروں گا۔ دوم تمام طبقات کو ہر قسم کے ظلم و تعدی سے باز رکھوں گا۔ سوم جملہ فیصل شدہ مقدمات میں رحم و انصاف کا وعدہ اور تاکید کرتا ہوں تاکہ خدائے رحیم عادل اپنے لازوال رحم سے ہم سب کو معاف فرمائے۔" یہ حلف تاج پوشی جو انگریز بادشاہ اٹھاتے تھے فتح کے بعد اسی شکل میں دو سو سال تک جاری رہا[2]۔

مجلس عقلا۔ دینی و دنیوی سربرآوردہ آدمیوں کی ایک مجلس تمام حکومت میں بادشاہ کے ساتھ شریک کار تھی۔ اینگلو سیکسن اس مجلس کو "مجلس عقلا" کہتے تھے یعنے عقلمندوں کا ایک جلسہ، اور سچ تو یہ ہے کہ اسی نام سے اس مجلس کا اصول ترکیب معلوم ہو جاتا ہے۔ اس کی رکنیت کچھ سرکاری نہ تھی نہ اس کی ساخت ایسی تھی کہ ہم اس کو موجودہ مفہوم میں دستوری کہہ سکیں کسی عہدہ دار اور

---

[1] دیکھو گریگوری اول کا خط انگریزی اسقفوں کی مملکتیں سنہ ۶۰۱ء G. H.،

[2] اسٹبز، مناشیر منتخبہ، ۶۹، ۹۴ شیلی "منتخبات" cheyrey, Reabings

کسی فرد کو بھی مجلس کی شرکت کا حق نہ تھا نہ تو یہ نیابتی مجلس تھی نہ اس کے ارکین منتخب ہوتے تھے۔ قریب قریب ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ خود بادشاہ اس امر کا تعیّن کرتا تھا کہ فلاں فلاں لوگ مجلس میں شریک ہوں۔ مگر یہ اغلب ہے کہ بادشاہ کا انتخاب ہمیشہ آزادانہ نہیں ہوتا تھا۔ بڑے عہدہ دار، بڑے اساقفہ، اور ارلوں کی شرکت ضرور تھی اور یہ حذف نہیں ہوسکتے تھے۔ دیگر اشخاص مثلاً عہدہ داران محلات شاہی وغیرہ جو حکومتِ وقت کے اجزا تھے ضرور شریک ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ غالباً ایسے لوگ بھی شریک ہوتے تھے جو خواہ دینی ہوں یا دنیوی ملک میں ذی عزت ہونے کی وجہ سے نظر انداز نہیں کئے جاسکتے تھے اور جن کی تائید ضروری اور ناراضی قابل اجتناب تھی۔ ان سب کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ کے انتخاب سے شرکاء مجلس کا تعین ہوتا تھا ممکن ہے کہ تعین میں کارروائی کی نوعیت اور مقام انعقاد کی سہولت کا لحاظ ہوتا ہو۔ یہ بات بالکل خلاف قیاس ہے کہ مجلس عقلا اپنی کسی کارروائی میں دانستہ قوم کی نیابت کرتی ہو بلکہ یہ اپنا اور اپنے طبقہ کا جس کے ارکین یہاں نشست کرتے تھے فائدہ دیکھتی تھی اور اس وقت اس کے ارکین کے علاوہ قوم کا کوئی شخص ایسا نہ تھا جس کی رائے کچھ اہمیت رکھتی ہو۔ صرف اسی مفہوم میں اس مجلس کی آواز قوم کی آواز سمجھی جاسکتی ہے۔

دیگر قدیم اداروں کی طرح مجلس عقلاء کے افعال و فرائض بھی ممیز نہ تھے۔ یہ مجلس مختلف فرائض انجام دیا کرتی تھی اور اس کی کارروائی سے ان فرائض میں کوئی فرق ظاہر نہیں ہوتا تھا۔ ہم آج کل یہ کہتے ہیں کہ یہ فرائض علٰحدہ علٰحدہ مختلف اداروں کے سپرد ہونے چاہئیں، اس وقت یہی واحد مجلس سلطنت کی اعلیٰ مقننہ اور اعلیٰ عدالیہ تھی۔ مگر ہمیں ان الفاظ کو احتیاط سے استعمال کرنا چاہئے۔ ہم کو یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ ہماری طرح سیکسن بھی ان اصطلاحات کو کچھ مخصوص معنے پہناتے ہوں گے۔ ایک ہی جماعت وقتِ واحد میں مقننہ اور عدالت دونوں ہوسکتی تھی کیونکہ ان الفاظ سے جو مفہوم ظاہر کیا جاتا تھا وہ کچھ معیّن نہیں تھا قانون سازی کے مقابلے میں عدالتی کارروائی کا مفہوم زیادہ واضح تھا۔ سچ پوچھو تو تمام قانون رواجی تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کبھی نیا قانون بھی بنتا تھا مگر ایسا جدید قانون بہت کم ہوتا تھا۔ تمام قانون سازی رائج الوقت قانون کی ترمیم اور تاویل پر مشتمل تھی۔ جب یہی قانون سازی ٹھیری تو اس کا بالطبع نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کی اعلیٰ عدالت کو مرکزی مقننہ بھی ہونا چاہئے کیونکہ عدالتی فیصلہ

اسی رواجی قانون کے انطباق اور تاویل کا نام ہے۔ مجلس عقلا بادشاہ کی مجلس خاص بھی تھی، اور موجودہ مجلس کابینہ کی طرح بادشاہ کو خاص معاملات اور طریق عمل میں صلاح اور مشورہ دیتی تھی۔ مگر اپنے فیصلے میں سوائے اس کے کہ بادشاہ نہ ہو یا کمزور ہو یہ مجلس مطلق العنان نہیں تھی ملک کے حکمراں طبقے کی طرح مجلس عقلا کی رضامندی اور منظوری بادشاہ کے ہر فعل کو لائق عمل بناتی تھی چاہے وہ فعل ایک جدید مجموعۂ قوانین کا اعلان ہو چاہے ایک دوسرے بادشاہ کے ساتھ عہدنامے کی تکمیل اور چاہے زمین کی عطائے سلطانی ہو۔ ملکی معاملات کی طرح مذہبی معاملات بھی مجلس عقلاء کے تابع تھے چنانچہ سیکسن دور میں کلیسا کو پورے معنوں میں قانون سازی اور عدالتی کارروائی کے کامل حقوق حاصل نہیں تھے۔

قدیم جرمنوں کی قبیلہ واری مجلس کے سلسلے میں تاسی توس دو جماعتوں کے اجلاس کا ذکر کرتا ہے۔ ایک چھوٹی مجلس عمائد تھی جو خود اپنے طور پر معمولی معاملات کا فیصلہ کرتی تھی اور اہم تر معاملات کو مرتب کر کے بڑی جمعیت احرار میں پیش کرتی تھی بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عمائدان معاملات کو جمعیتِ کاملہ میں پیش کرتے تھے اور اس مسلک کی تشریح کر دیتے تھے جو ان کے نزدیک لایق عمل تھا۔ مگر تاسی توس کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لوگ ایسی قراردادیں پیش کرتے تھے جس کو وہ خود پہلے سوچ لیتے تھے اور بڑی جمعیت کو صرف یہ حق تھا کہ اس کو منظور کرے یا رد کرے۔ بہرحال دور مابعد کی ٹیوٹانی مملکتوں میں جو قومی جمعیت کے باقیات رہ گئے تھے ان کے حصے میں بھی یا اس سے بھی کم تر کام باقی رہ گیا تھا۔ یہ جمعیت مجلس عمائد کے قراردادوں کو منظور ہی کرتی تھی کبھی مسترد نہیں کرتی تھی، فرانکی مملکت کی طرح سیکسن مملکت میں بھی اس جمعیت کے متعلق موہوم سے آثار ایسے موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض دفعہ فوج کے اجتماع یا رسم تاج پوشی کے وقت عامۃ الناس بلائے گئے تھے لیکن اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ آیا اس مجلس کو ان ہر دو مملکتوں میں قانون سازی کا حق اور فیصلے کا کامل اختیار تھا۔

تمام عمائد کی بڑی مجلس تو موجود تھی لیکن اسی کے ساتھ ساتھ ایک چھوٹی مجلس عدالت پیدا ہوئی اور اس کا تعلق مرکزی حکومت کے معمولی فرائض سے تھا یا زیادہ صحت کے ساتھ کہیں تو یہ عدالت بڑی جمعیت کی عدم موجودگی میں اس کے امور انجام دیتی تھی۔ کیونکہ بڑی جمعیت کے اجلاس گاہے ماہے ہوتے تھے۔ اولاً اس کے ممبر کا ویں بادشاہ

کے خانگی عہدہ دار، ان کا صدر منتظم محلات اور ایسے عمائد شامل تھے جو اتفاق سے بادشاہ کے ہمراہ ہوتے یا ان کو شرکت کا موقع حاصل ہوتا تھا کاروینجی دور میں یہ مجلس اکثر عدالتی امور انجام دینے لگی جو مرکزی عدالت شاہی کے حصے میں آئے۔ نارمن فتح سے قبل اس ادارے کے پائے جانے کے متعلق بالکل موہوم سے نشانات ملتے ہیں جو توضیح بیان کے لئے کافی نہیں ہیں۔ نیز مقامی عدالتہائے شاہی جو معمولی مقامی عدالتوں کی بنیاد پر خاص طور پر قایم ہوئیں اور جن کا قیام اور اجلاس شاہی احکام سے ہوتا تھا وہ بھی محتاج بیان ہیں۔ گو اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ عدالت صوبہ اور مجلس عقلا کے حدود اختیار میں کوئی حد فاصل نہیں تھی۔ کم از کم بعض ایسے مقامات کی مثالیں ملتی ہیں جن کی عدالت صوبہ میں سماعت ہوئی اور یہی بلحاظ اپنی نوعیت کے ان مقدمات سے مختلف نہیں معلوم ہوتے جن کی کسی دوسرے وقت مجلس عقلا میں سماعت ہوئی۔

شیرف (ناظم صوبہ) جس زمانے میں فتح ہوئی ہے اس وقت ایک عہدہ شیرف کا بھی موجود تھا جو مرکزی و مقامی حکومتوں میں ایک ایسا رشتہ قائم کرتا تھا جس میں آگے چلکر بڑی اہمیت ہوگئی۔ اس وقت یقین کے ساتھ نہیں بتایا جاسکتا کہ شیرف کا عہدہ ٹھیک کس طریقے سے پیدا ہوا۔ یہ اغلب ہے کہ یہ عہدہ اپنی ابتدائی شکل میں بادشاہ کے مالی معاملات کی داروغہ گری پر مشتمل ہوگا یعنے ملک کے بڑے یا صرف چھوٹے علاقوں میں جو اراضی صرف خاص اور شاہی مقامی محاصل تھے ان کی دیکھ بھال کرنا اس کا کام تھا سکسن تاریخ کی آخری صدی میں اس عہدے کے متعلق بہت کچھ معلومات ہوتے ہیں کہ جس بنیاد سے اس کا ارتقا ہوا اس کی حکومت میں بہت کم اہمیت تھی اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس کی اہمیت میں برابر اضافہ ہوتا رہا۔ شیرف کے اختیارات بڑھنے کا کچھ تو یہ سبب معلوم ہوتا ہے کہ ایک دوسرے سیکسنی عہدہ دار یعنے الڈرمن کے فرایض جس کی تاریخ ہم بعد کو دیکھیں گے بدل گئے اور اس کے قدیم فرایض کا ایک حصہ شیرف کے تفویض ہوا۔ جوں جوں کثرت آبادی اور امور سلطنت کے لحاظ سے مملکت بڑھی بادشاہ کے غور طلب معاملات کی کثرت ہوی اور وہ بہت پیچیدہ ہو گئے۔ اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ

اس وکیل معاملات شاہی کے وہی فرائض جو چھوٹی مملکت میں مختصر تھے وہ بڑی مملکت میں آکر نگرانی کی شکل میں بہت بڑھ گئے ۔ اگر شروع میں نہیں تو غالباً یہ بات علاقہ مملکت کی توسیع کے ساتھ ہوئی ہوگی کہ شیرف صوبے میں یعنے مملکت کے ایک بڑے حصے میں بادشاہ کا قائم مقام (شائرریو) ہوگیا ۔

اگر یہ شیرف کے عہدے کی تاریخ درست ہے تو اس سے نارمن فتح کے وقت اس کے فرائض کی نوعیت معلوم ہوتی ہے کہ اپنے ضلع میں شاہی محاصل کی دیکھ بھال کرنا شیرف کا درحقیقت اہم اور ذمہ دارانہ فرض تھا جو بعد کو کچھ دنوں تک باقی رہا۔ اس بات کو جانچنا کہ آیا شاہی زمینیں باقاعدہ پٹے پر دیجاتی ہیں اور ان پر خاطرخواہ کاشت کی جاتی ہے یا نہیں یہ شیرف کے فرائض کا ایک جزو تھا ۔ لیکن مقامی عدالتوں کے جرمانوں اور رسوم عدالت کو جو بادشاہ سے متعلق تھے، جمع کرکے داخل کرنا بھی اس کا کام تھا ۔ محاصل صوبہ یا سالانہ لگان جو شیرف اپنے صوبہ کی طرف سے داخل کرتا تھا ان کی مقدار فتح کے بعد چند دنوں تک بہت بڑھی ہوئی تھی ۔ بعض شواہد اس بات کے ظاہر کرنے کے لئے موجود ہیں کہ سیکسن دور میں ان دو مدات کے متعلق جن کا داخل کرنا شیرف کا فرض تھا یکمشت رقم کا تخمینہ قائم کرنے کی کوشش شروع کی گئی تھی لیکن ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ کارروائی کہاں تک آگے بڑھی ۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا شیرف اپنے اہم ترین فرائض کی انجام دہی میں زیادہ تر بادشاہ کی نیابت کرتا تھا یا الڈرمن کی ۔ اگر بادشاہ کی نیابت مان لی جائے تو تغیر کے معنے یہ ہوں گے کہ مقامی اختیارات کی ذمہ داریاں ایسے عہدہ دار کے ہاتھ میں منتقل ہوگئیں جو الڈرمن سے زیادہ بادشاہ کے زیر اقتدار تھا ۔ اس طریقے سے اغلب یہ ہے کہ شیرف اسقف کے ساتھ عدالت صوبہ کا صدر نشین ہوگیا ۔ اس کی حیثیت جج کی نہیں بلکہ ایک صدر نشین یا معدّل کی تھی اور وہ یہاں اور ابتدائی عدالتوں میں مجرموں کو گرفتار کرنے کا ایک حد تک ذمہ دار ہوگیا ساتھ ہی جرائم کی سزا دینا اور اپنے تمام صوبے میں قوانین شاہی احکام کا اعلان کرنا اور اس کا نفاذ کروانا نیز اس طریقے سے مقامی فوجی بھرتی کرنے اور ان کی کمان کرنے کے سلسلے میں شیرف کو الڈرمن کے فوجی فرائض بھی مل گئے ۔

اگرچہ شیرف کے عہدے میں ابھی پوری طور پر ارتقا نہیں ہوا تھا ملک میں

نارمن حکومت کا دور دورہ ہوا اس سے پہلے اس عہدے کی اہمیت صاف نمایاں تھی، چوں کہ شیرف ایسا عہدہ دار تھا جس کا خود بادشاہ تقرر کرتا تھا اور یہ خود بادشاہ کے زیر اقتدار ہوتا تھا نیز اس زمانے تک اس عہدے پر زمانہ وسطیٰ کا کچھ گہرا اثر بھی نہیں پڑا تھا یعنے اس زمانہ کا میلان یہ تھا کہ ایک مقامی عہدہ دار کو ایک فرمانروا میں بدل دیا جائے، اور چوں کہ اس کی خصوصیت بھی عمومی تھی یعنے اس عہدے کے ساتھ مالی، انتظامی، عدالتی اور فوجی فرائض بھی متعلق تھے۔ اس لئے اس زمانے میں جب کہ حکومت سیدھی سادی اور اس کے اعضا الگ الگ نہیں تھے یہ عہدہ ایسا پھیلا کہ مرکزیت کے قیام کا ایک زوردار آلہ بن گیا۔ شیرف اپنے مقامی حلقے کا ایک ممتاز شخص ہوتا تھا جو مقامی اشخاص اور واقعات سے باخبر اور اس زمانے کی بڑی بڑی کارروائیوں کا سرکاری طور سے ذمہ دار ہوتا اور مرکزی حکومت کے تمام اغراض و مقاصد کی دیکھ بھال اس کے تفویض ہوتی تھی مرکزی حکومت اس کو براہ راست احکام دیتی تھی۔ اس کی حالت ایک کڑی کی سی تھی جو مرکزی حکومت کو سلطنت کے ہر مقامی حلقے سے منسلک کرتا تھا۔ اس لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ ادارہ سیکسن مملکت کی طرف سے مملکت نارمن ادارات میں ایک اہم اضافہ تھا۔

سیکسن مرکزی حکومت کے متعلق اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ موجودہ مفہوم کے مطابق کوئی قومی محاصل اس وقت نہیں تھے۔ گیارھویں صدی کے اوائل میں ڈینوں کو رشوت دیکر ملک سے نکالنے کے لئے سب پر ایک اہم محصول لگایا گیا اور یہ زرڈین کے نام سے موسوم ہوا جو بعد کو وقتاً فوقتاً جمع کیا گیا گو اس سے یہ امکان ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ترقی کرکے زمانۂ حال کے قومی محاصل کی صورت اختیار کرے، مگر واقعہ یہ ہے کہ ۱۰۶۶ئہ تک اس شعبے میں کوئی خاطر خواہ ترقی نہیں ہوئی۔ جس طریقے سے مقامی عمائد اپنے گھر کے اخراجات کی پابجائی کرتے تھے اسی طرح مملکت کی پابجائی بھی اراضی صرف خاص کی پیداوار اور رسوم عدالت سے ہوتی تھی۔ اس وقت مملکتی عدالتوں کا ایسا باضابطہ انتظام نہیں تھا کہ ان کا سلسلہ درجہ بدرجہ صدر عدالت تک ہو اور یہ صدر عدالت عدالہائے ابتدائی کی فروگذاشتوں کی اصلاح کا مجاز ہو مرکزی عدالت یعنے مجلس عقلا کسی شخص کے مقدمے

کی سماعت کرنا اس وقت ضروری سمجھتی تھی جب کہ ابتدائی عدالت اس کی سماعت سے انکار کرتی۔ لیکن ایک عدالت سے دوسری عدالت میں موجودہ مفہوم کے مطابق کوئی مرافعہ نہیں ہو سکتا تھا۔ امر منفصلہ کی سماعت ثانی کا کوئی طریقہ رائج نہ تھا۔ عدالتوں کا باضابطہ تدریجی سلسلہ سیکسنی نظام عمل میں بالکل مفقود ہے۔ البتہ ایسی مساوی الاختیار اور متوازی عدالتیں قائم تھیں جو ہمارے لئے ایک معمہ ہیں۔ تقریباً یہی خصوصیت خود مجموعہ قوانین میں بھی پائی جاتی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ کوئی قومی قانون ہی موجود نہیں تھا؛ صرف اس کی بنیاد پڑنے لگی تھی تین بڑی ٹیوٹانی اقوام جو انگلستان میں آباد ہوئیں۔ یعنے سیکسن جنوب میں، مرسیا مغربی وسط میں۔ اور ڈین شمال مشرق میں، ان تینوں کا قبائلی قانون اب تک مختلف تھا۔ اور قانونی اعتبار سے ملک اسی طرح بٹا ہوا تھا جس طرح ان کے سیاسی طاقتوں نے ایک زمانے میں ملک کے کئی حصے کر دئے تھے۔ ان مقامی رواجوں سے بالاتر بادشاہی قانون کی رفتار جس سے قومی قانون کی تشکیل ہوئی بہت سست تھی۔

سیکسنوں نے اپنی قوم کی آئندہ دستور سازی میں جو بہت وسیع اور بہت دیرپا اضافہ کیا ہے وہ خاص طور پر مقامی حکومت کے شعبے میں ہے۔ سیکسنوں کی مقامی حکومت سلطنت کی جزائی تقسیم در تقسیم پر قائم تھی یہ چیز ہمارے لئے خاص طور پر دلچسپ ہے کیونکہ یہ صرف جزوی تغیر کے ساتھ آج تک انگلستان میں پائی جاتی ہے۔ نیز ریاستہائے امریکہ میں اس سے زیادہ قطعیت کے ساتھ اس کی نقل اتاری گئی ہے۔ جزئی مستثنیات کو چھوڑ کر مختصر الفاظ میں تقسیم یہ تھی کہ سلطنت مختلف صوبوں (شائروں) میں بٹی ہوئی تھی جو فتح نارمنی کے بعد کونٹی بھی کہلانے لگے۔ اضلاع تعلقوں (ہنڈریڈ) پر منقسم تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ نام پرانے عددی استعمال سے مشتق ہوا ہے۔ ملک کے دوسرے حصوں میں یعنے شمال اور شمال مشرق میں دوسرے نام مثلاً وے پینٹک (ایک ڈینی نام) استعمال ہوتا تھا۔ اور یہ میز (؟) قصبات پر منقسم تھے۔ اس تمام تقسیم علاقہ جات کی ابتدائی تاریخ تاریک ہے اور اس لئے یہاں اس پر غور کرنا فضول ہے۔ البتہ یہ چیز اہم ہے کہ گیارھویں صدی کے وسط میں ان کی کیا خصوصیت تھی اور حکومت میں ان کو کیا درجہ حاصل تھا۔

صوبہ ۔ اس زمانے میں تمام انگلستان جو بادشاہوں کے زیر اقتدار تھا مختلف صوبوں پر منقسم تھا مگر مختلف اقطاع سلطنت کے صوبوں کے متعلق معلوم ہوتا ہے کہ ان کی کوئی یکساں تاریخ نہیں ہے ۔ شمال کے صوبے بڑے ہیں مگر حالت یہ ہے کہ بہت کم منتظم ہیں گویا یہ ابھی ابھی وجود میں آئے ہیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کی جو موجودہ شکل ہے وہ سنہ ۱۰۶۶ء کے بعد ظہور میں آئی ۔ ویسکس کے صوبے بہت باضابطہ اور منتظم اجزائے مملکت معلوم ہوتے ہیں اور یہ ان قبیلہ واری نو آبادیات کی نمائندگی کرتے ہیں جن سے ابتدائی سلطنت صورت گیر ہوئی ۔ جنوب و مشرق کے صوبے جیسے کنٹ سسکس ایسکس اور دوسروں کے متعلق صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ قدیم سلطنت یا خود مختار مستعمرات کے قائم مقام ہیں مگر یہ مقامی تفریقیں سیکسنی تاریخ کے آخری صدی میں تیزی سے مٹ رہی تھیں ۔ اور ایسی کوئی تفریق باقی نہیں رہی تھی جو نارمنی سلطنت کی مجموعیت میں خلل ڈال سکے ۔

اگر صرف سیکسنی شواہد پر جو ہمیں میسر ہیں ہم اکتفا کریں اور جو کچھ کہ اوپر مقننانہ اور عادلانہ فرائض کے متعلق پڑھ کر آئے ہیں انھیں یاد رکھیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ صوبے کا اصلی فرض عدلیانہ تھا ۔ یہ ایک ایسا صوبہ تھا جس میں ایک اہم عدالت یعنے عدالت صوبہ قائم تھی ۔ مجلس عقلا کے بعد اسی عدالت کا درجہ تھا جس میں مقامی اہم مقدمات فیصل ہوتے تھے ۔ اسی لحاظ سے عدالت صوبہ کی حالت عدالتی مجلس کی سی تھی ۔ لیکن یہ اصطلاح جو ہم نے استعمال کی وہ اس کی ساخت کے اعتبار سے نہیں بلکہ اس کے طریقۂ کارروائی کے اعتبار سے ہے ۔ سیکسنی دور کے کوئی شواہد اس امر کے اثبات کے لئے موجود نہیں ہیں کہ یہ جمعیت جو عدالت بھی تھی وہ کس طریقے سے وجود میں آئی ۔ البتہ ہم قیاس کر سکتے ہیں کہ طریقہ وہی تھا جو نارمنی دور میں پوری طور سے جاری ہو گیا لیکن (بجائے یہاں کے) نارمنی دور میں ہی اس کی صراحت زیادہ برمحل ہو گی کیونکہ اسی وقت سے تاریخ میں اس کو نمایاں درجہ حاصل ہونے لگا ۔ بہرحال ہم جانتے ہیں کہ یہ عدالت اس بڑی جمعیت میں سے پیدا ہوئی جو بعض صورتوں میں قدیم مجلس قبیلہ کی جانشین ہو گی ۔ اس کے شرکا میں اساقفہ الڈرمن یا ارل اور شیرف سربرآوردہ اراکین ہوتے تھے ۔ چونکہ سیکسنی سلطنتوں میں مطلق العنان کلیسائی عدالتیں قائم نہ تھیں

اس لئے دینی اور دنیوی دونوں قوانین کی تاویل اور نفاذ مقامی عدالتوں کا کام تھا، اور اس واقعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جب مذہبی مقدمات پیش ہوتے تھے تو اسقف صوبہ کی عدالت میں شریک ہوتا تھا اور غالباً اس کو یہاں خاص نشست ملتی تھی اور عجب نہیں کہ اس وقت وہ میر مجلس بھی بنتا ہو۔ عدالت کا دائمی میر مجلس بشرط موجودگی الڈرمن ہوتا تھا۔ اگر وہ حاضر نہ ہو تو شیرف اس کی جگہ لیتا تھا جو سیکسنوں کے آخری دور میں الڈرمن کے اکثر نئے فرائض کا خود وارث بن گیا۔ بعض اسناد کا یہ بیان کہ بعض اجلاسوں میں صدارت تہری یا دُہری ہوتی تھی بالکل خلاف قیاس ہے[۱]

ایک اور عہدہ دار یعنی الڈرمن ہمارے سامنے آتا ہے جس کی پچھلی تاریخ نامعلوم ہے۔ مگر عہدے کی حیثیت سے یہ فتح کے بعد باقی نہیں رہا۔ آٹھویں اور گیارھویں صدی کے درمیان اس عہدہ میں بیحد تغیر ہو گیا۔ ہم اس قدر تو لگا سکتے ہیں کہ ابتدائی زمانے میں اس عہدے کو مقامی اکائی کی سیادت حاصل تھی جو مرکزی حکومت کی ضد نہیں تو اس کی مدمقابل ضرور ہوگی۔ ممکن ہے کہ یہ کبھی مرکزی حکومت کی ضد ہوئی ہو لیکن جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا تاریخ سے اس مخالفت کا رنگ مٹتا گیا۔ اور بادشاہ کی روزافزوں طاقت اس عہدے پر مسلط ہوتی گئی۔ اس زمانے میں جب سے تاریخ معلوم ہوتی ہے بادشاہ الڈرمن کا تقرر کرتا تھا، اگرچہ عملی طور پر اکثر موروثی حقوق تسلیم کر لینے پڑتے تھے اور معزول کرنے کا تو بہت ہی کم اختیار تھا۔ شیرف کی بحالی اور برطرفی میں بادشاہ نسبتہً بہت کم مجبور تھا اور اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شیرف کے عہدے کی بنیاد اور تاریخ بالکل جداگانہ ہے۔ الڈرمن صوبے کی آبادی کا قدرتی سرگروہ صوبے کی مجلس کا قدرتی صدر اور صوبے کی فوجی جماعت کا قدرتی سپہ سالار تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ بالعموم الڈرمن مقامی حلقوں کے ان تمام معاملات کی دیکھ بھال کرتا تھا جو براہ راست شاہی حکومت سے وابستہ نہ تھے۔ آخرالذکر معاملات کا تعلق شیرف کے عام دائرہ عمل سے تھا۔ چونکہ الڈرمن مقامی عدالت کا صدر تھا اس لئے یہ بعض تعلقات ملک میں رسوم عدالت اور جرمانوں کی آمدنی کا تہائی حصہ جس کو صوبے کی تہائی پینی کہتے تھے وصول کرتا تھا چنانچہ یہ وصولات جس کے ساتھ بعض کونسلوں میں ان کا خطاب بھی شامل تھا

[۱] سٹبس: "منفردات" ۱۷، پینی (Penu) ۲۱۱، ۲۱۰-

فتح کے بعد پشتوں تک جاری رہے اور اس سے یہ معلوم ہوتا رہا کبھی ارل ایک عہدہ دار کا نام تھا۔ مگر آخری یکسنی صدی میں ایک عظیم الشان تغیر پیدا ہونے لگا یعنے الڈرمن کی پچھلی بات غائب ہوگئی اور اس میں کچھ نئی بات آنے لگی۔ خصوصیت جو بدلی تو اس کے ساتھ ساتھ نام بھی بدل گیا۔ الڈرمن کو ارل کہنے لگے۔ اس تغیر کا باعث ایک طرح سے ڈینوں کا انگلستان پر تسلط معلوم ہوتا ہے۔ ڈینوں سے یہ جدید نام پیدا ہوا۔ اڈورڈ دی کنفیسر کے زمانے کا ارل مقامی آبادی کا نمایندہ تو بہت کم رہ گیا تھا بلکہ اس کی جگہ ایک یا دو یا کئی صوبوں کے مجموعے کا حاکم صوبہ دار یا نائب بن گیا تھا۔ ارل کے فرائض بالکل موہوم تھے۔ اس کے رتبے کے لحاظ سے اس کے اختیارات زیادہ ہو گئے۔ یہ جو کچھ تغیر ہوا وہ گویا اس گریز کی ابتدا تھی جو یکسنی الڈرمن کی نام‌ہنی ارل کی طرف عمل میں آئی اور اس گریز کے بعد اس کے اختیارات عہدہ سے نہیں بلکہ رتبہ۔ شان اور دولت کے ساتھ بڑھے۔ جیسے جیسے یہ تغیر ہوتا گیا الڈرمن کے پہلے فرائض شیرف کے ہاتھ میں آتے گئے اور ہم دیکھتے ہیں کہ شیرف نہ صرف فوجی جماعت کی سپہ سالاری کرنے لگا بلکہ باقاعدہ عدالت صوبہ کا میر مجلس ہوگیا۔

عدالت صوبہ۔ عدالت صوبہ کا میر مجلس جج نہیں تھا بلکہ اس کی حالت صرف صدر نشین اور معدل کی سی تھی۔ فیصلہ خود مجلس کرتی تھی یا اس کے ارکان کی ایک خاص تعداد کرتی تھی جس کو ایک ذیلی جماعت کہنا چاہئے اس جماعت کو مجلس یہ کام دیتی تھی چونکہ یہ عدالت اس طریقے سے فیصلہ کرتی تھی۔ اس لئے میں اس کو جمعیت عدالت کے نام سے موسوم کرتا ہوں۔ مگر مجلس کا فیصلہ قطعی نہیں تھا۔ تمام قدیم ٹیوٹانی عدالتوں۔ اور ان عدالتوں میں جو براہ راست ان سے مشتق ہوئے تھے۔ میر مجلس کو عدالت کے تمام افعال پر پورا حق استرداد حاصل تھا۔ اور کسی قانونی نزاع کا فیصلہ اس وقت تک قانونی طور پر مصدقہ نہیں ہوتا تھا جب تک میر مجلس اس کو منظور نہ کرے۔ اور اس کے فیصلۂ عدالت ہونیکا اعلان نہ کرے۔ ایسے فیصلوں کے بعض اعلان جو ہم کو شلوں اور تاریخی رودادوں میں ملتے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ میر مجلس کے مطلق العنان فیصلے ہیں جن میں عدالت کی رائے نہیں بلکہ میر مجلس کی مجرد رائے کا اعلان ہوا ہے۔ گرہم پورے طور پر یقین

نہیں کرسکتے کہ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا تھا۔ کیونکہ عدالتی کارروائیوں کی مفصل رو داد اور تصریحات جو ہمارے پاس موجود ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا ہونا کبھی ممکن نہیں۔ یہ بھی نہیں معلوم کہ مجلس کس طریقے سے فیصلہ کرتی تھی۔ ایک طرح سے دیکھو تو کثرت رائے دیکھی جاتی تھی چنانچہ اسی قسم کی عدالتوں کے طریقہ عمل کے متعلق بعد کو جو سراغ ملتے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مجلس میں آزادانہ بحث ہوتی تھی۔ اور میر مجلس کو کم از کم اتنا موقع تھا کہ فیصلہ ہونے سے پہلے اس پر بہت کچھ اثر ڈال سکتا تھا۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ سربرآوردہ ارکان بھی اپنا فیصلہ کن اثر ڈالتے تھے۔ فیصلے تو بالعموم کمیٹی کے مثل ایک جماعت کرتی تھی۔ مگر یہ فیصلے سرکاری نہیں ہوتے تھے۔ ایک دفعہ فیصلہ ہونے کے بعد کوئی مرافعہ ممکن نہیں تھا۔ البتہ فریقین پر ہرجے کی نالش ہوسکتی تھی۔ اور اگر کارروائی کے دوران میں فریقین نے حلف لیا ہو تو ان پر دروغ حلفی کا مقدمہ دائر ہوسکتا تھا۔

عدالت تعلقہ (ہنڈریڈ) عدالت تعلقہ قریب قریب عدالت صوبہ کے مماثل تھی صرف فرق اس قدر تھا کہ یہ حصہ صوبے کی عدالت تھی[۱]۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ اس کی تشکیل بھی اسی طریقے سے ہوئی جو اس کا طریقہ تھا۔ نیز یہ شاید قدیم قبائلی مجلس کی قائم مقام تھی اور اس کا میر مجلس صاحب تعلقہ یا تعلقے کا الڈرمن تھا۔ بعض امور کے لئے شیرف صدارت کرتا تھا۔ یہ بھی عدالتی مجلس تھی اور اسی طریقے سے اس کی کارروائی بھی عمل میں آتی تھی۔ زیادہ غور طلب بات یہ ہے کہ جہاں تک اس کی عدالتی کارروائی کا تعلق ہے اپنے حدود اختیار میں یہ عدالت صوبہ کے ساتھ ہم ردیف تھی۔ ایک ہی مجموعۂ قوانین کی تاویل اور نفاذ کراتی تھی۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو مقدمہ ایک عدالت میں دائر ہوسکتا تھا وہی دوسری عدالت میں بھی دائر ہوسکتا تھا۔ یہ بات فریقین کی اور خصوصاً مدعی کی خواہش پر نیز مقدمے کی اہمیت پر منحصر تھی کہ فلاں مقدمہ فلاں عدالت میں رجوع ہونا چاہئے۔ خفیف معاملے اور نیچ طبقوں کے مقدمے عدالت صوبہ میں دائر نہیں ہوسکتے تھے۔ دونوں عدالتوں کا مقابلہ کیا جائے تو عدالت صوبہ رجوع مقدمات کے لئے زیادہ استعمال کی جاتی تھی۔ یہی عدالت جملہ عام تجارتی اور فوجداری اغراض کے لئے مناسب اور موزون بھی جاتی تھی۔

---

[۱] اسٹبز حسب بالا، ۱۰۸-۴۸۔

عدالت صوبہ کو مرکزی حکومت کبھی کبھی انتظامی اغراض کے لئے استعمال کرتی تھی۔ ہم کو چند ایسے مراسلے ملتے ہیں جو بادشاہ نے اس عدالت کے عہدہ داروں کے نام لکھے تھے اور ان کے توسط سے عدالت کو مخاطب کرنا مقصود تھا۔ اگر سیکسنی سلطنت اور کچھ دن قائم رہتی تو غالباً آگے چل کر اس قسم کے معاملات میں مجلس صوبہ کا عمل دخل ترقی پا جاتا۔ مقامی امن قائم رکھنے۔ جرائم کی سزا دینے۔ اور افراد کو قابو میں رکھنے کا کام اکثر و بیشتر عدالت صوبہ سے لیا جاتا تھا۔ جہاں تک امور کوتوالی عام حکومت کے فرائض میں شامل تھے اس عدالت کو علانیہ انگلستان کی عدالت کوتوالی سمجھنا چاہئیے۔ دسویں صدی کے وسط کے قریب شاہ اڈگر کے عہدِ حکومت میں چوروں کے تعاقب اور گرفتاری کے لئے ایک مشہور قانون بنا جس کے لئے عدالت متعلقہ کو ذمہ دار قرار دیا گیا۔ اور اس طریقے سے اس کی شکل وہ ہو گئی جو فرنگی انتظامات میں بہت پہلے ہی غرض کے لئے قائم تھی۔ اڈگر کی قانون سازی سے یہ بھی قرار پایا کہ ہر شخص کا ایک ضامن (borth) یعنی ایک ایسا معتبر آدمی ہو جو ملت ہو نا چاہئیے جو اس شخص کو قانونی خلاف ورزی کی علت میں انصاف کے لئے پیش کرے یا خود اس شخص کی سزا کا ذمہ دار ہو ملزم کے فرار ہونے کی صورت میں خود ضامن سزا پائے۔ تقریباً اسی زمانے میں تھنگ (tithing) کے موجود ہونے کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ یہ ایک ایسا ادارہ تھا جو غالباً وائل میں تعلقہ کے بہ نسبت قصبے سے زیادہ متعلق تھا۔ اس ادارے میں بالعموم دس یا بارہ ہزار آدمیوں کی ایک تعداد مجموعی طور پر صاحب تھنگ سمجھی جاتی تھی اور یہ سب مل کر مجرمین کی گرفتاری کے ذمہ دار ہوتے تھے۔ یہ دو ادارے نارمنی دور میں طریق فرنک پلیج (frank pledge) کی بنیاد بن گئے۔

شاہی امن ۔ شاہی امن ایک ایسا ادارہ ہے جس کو ہم سیکسنی قانون و عہد داری کے کسی بیان میں نظر انداز نہیں کر سکتے کیونکہ ہمارے علم میں یہ تمام جرمن قوموں میں پایا جاتا ہے۔ مزید برآں دور مابعد کے ارتقاء قانون میں اس کی بہت اہمیت ہے۔ ایک مضرت یا فعل قبیح باعث نقض امن سمجھا جاتا تھا۔ ایک معمولی مضرت تو قومی یا صوبہ یا شیرف کے امن کا نقض سمجھی جاتی تھی۔ لیکن جو مضرت بادشاہ یا شاہی املاک کے خلاف۔ یا بادشاہ کے قریب سرزد ہوتی تھی وہ باعث نقض امن شاہی متصور

ہوتی تھی۔ اور بھاری بھر کم جرمانوں سے اس کی سزا دی جاتی تھی۔ اس شاہی امن کی حفاظت کا اختیار کسی مقامی حلقے کو بھی عطا کیا جاتا تھا اور تعلقے یا صوبے میں شیرف اس کا اعلان کرتا تھا۔ چنانچہ یہ اضافہ قومی امن کے علاوہ ہوتا تھا۔ اور اس مین زائد سزائیں دی جاتی تھیں۔ اس قسم کی خاص حفاظت کا حق بادشاہ اپنی زبانی یا تحریری حکم افراد۔ مقامات رہزنی یا میلوں کے خاص موقعوں کے لئے دے سکتا تھا۔ شاہی نقض امن کی سزا دینا خاص بادشاہ کے اختیار میں تھا۔ یعنے اس کا شمار ان مقدمات میں نہیں تھا جو بہ حیثیت ناظم صوبہ شیرف کے تفویض تھے۔ اس کے خاص جرمانے تھے جو خود بادشاہ لیتا تھا۔

دیہہ ۔ دیہہ ایک چھوٹا علاقہ ہے جس میں تعلقے اور صوبے کے مقابلے میں بالکل ابتدائی اور قدیم ترین ادارہ ہونے کے آثار موجود ہیں۔ دیہہ بالعموم تعلقے کی ایک شاخ ہے لیکن یہ کوئی کلیہ نہیں۔ کیوں کہ اس وقت بعض ایسے دیہات موجود تھے جو ایک سے زیادہ تعلقوں کے اجزا تھے اور بعض کسی تعلقے کے اجزا نہیں تھے۔ لیکن مقامی حکومت اور عدل گستری کے تدریجی سلسلے کا لحاظ کرتے یہ کچھ غلط نہیں ہے کہ دیہہ تعلقے کی ایک شاخ تھی۔ دیہہ کی آبادی تعلقے کی آبادی سے کم اور اس کا درجہ بھی گھٹیا تھا اور اس کے فرائض کو توالی بھی محدود تھے۔ اکثر و غالب صورتوں میں دیہہ از روئے قاعدہ و واقعہ تعلقہ کا جزو ترکیبی تھا اور نارمنوں اور غالباً سیکسنوں کے زمانے میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تنظیم تعلقہ کی ایک اکائی تھا۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ قدیم سیکسنی آبادکاروں میں دیہی آبادی موجود تھی جیسا غالباً تھی تو دور مابعد کے دیہہ انھیں کے قائم مقام ہوں گے۔ اور یہ انگلستان میں دیہات یا ڈرف (dorf) کے نمایندے ہیں جن کے آثار کہیں کہیں بر اعظم میں پائے جاتے ہیں اور اسی تعلق کے ساتھ پائے جاتے ہیں جو انگلستان میں دیہہ کا تعلقے کے ساتھ تھا۔ علماء اس بات پر متفق نہیں ہیں کہ دیہہ میں ایک چھوٹی قومی عدالت بھی موجود تھی۔ مگر شواہد تو دونوں طرح اس کی تائید پر مائل ہیں۔ ایک استقرائی استدلال ہے کہ امور ملت کی باہمی تنظیم ضروری تھی۔ دوسرے واقعہ ہے کہ بعد کو مینر کی جاگیری عدالت یا جو کام ہونے لگا اس کی یہی خصوصیت ہے۔ فتح کے بعد

کے ایام میں دیہہ گویا مینر میں مدغم ہو گیا اور مینر کی عدالتِ جاگیری دیہاتی عدالت کے فرائض انجام دینے لگی۔ یہ فرائض ان معاملات سے متعلق تھے کہ جن کی مملکت میں فی الجملہ بہت کم اہمیت تھی۔ معاملات یہ تھے کاشت کا انتظام۔ غلے کی حفاظت۔ اندرون قصبہ حدودِ اراضی کے متعلق نزاعات اور حقوق کا تصفیہ۔ خفیف مضرتوں اور فوجداری خلاف ورزیوں کا تدارک۔ بڑے مقدمات دیہاتی عدالت میں نہیں بلکہ براہِ راست تعلقے میں رجوع کئے جاتے تھے۔

دیہی اور جاگیری عدالتوں کا انضمام۔ یہ مملکت کی باضابطہ دیہی تقسیمیں جن کا مطلب حدود اختیار کوتوالی اور عمال سرکاری کی نگرانی تھا فتح کے وقت تک خانگی اداروں کے پیدا ہونے کی وجہ سے بہت کچھ ٹوٹ پھوٹ گئیں سیکسنوں کے وسطی اور آخری دور کی یہ نمایاں خصوصیت ہو گئی تھی کہ خانگی جاگیریں پیدا ہو گئیں اور رسم جوار کا عام رواج ہو گیا جس سے غرباء اپنی حفاظت کی خاطر ذی اقتدار لوگوں کے ساتھ ماتحتانہ تعلق پیدا کرنے لگے۔ اس کے علاوہ ماتحتانہ زمینداری کی ایسی مختلف شکلیں پیدا ہوئیں جو اس وقت تک تاریکی کے پردے میں پڑی ہوئی ہیں۔ ان جاگیروں کے ساتھ جو اکثر رقبے میں ایک۔ یا دو۔ یا کئی دیہات۔ یا کبھی تعلقے کے برابر تھیں مقامی اختیارات اور فرائض کوتوالی شامل ہو گئے اور جس طریقے سے یہ شامل ہوئے وہ بھی سادہ اور معمولی ہے۔ یعنے جس امیر کے ماتحت کئی زرعی غلام تھے اس کا قدرتی فرض تھا کہ ان غلاموں کے باہمی نزاعات کے حقوق کا فیصلہ کرے اور ان خلاف ورزیوں کی سزا دے جو باہم مضرت رساں اور نقص امن کے باعث ہوں (کیونکہ مملکت اس معاملے کی طرف توجہ نہیں کرتی تھی) جس وقت جاگیر و دیہہ کا علاقہ ایک ہو گیا دیہہ کی اصلی عدالت جاگیری عدالت میں ضم ہو گئی اور دونوں عدالتیں ایک ہو گئیں کیونکہ قدرتی طور پر اس کا احساس ہوا ہو گا کہ ایک ہی طبقہ اور ایک ہی قسم کارروائی کے لئے دو عدالتیں رکھنا فضول ہے۔ اور جب جاگیر تعلقہ پر پھیل گئی اس وقت غالباً اسی طریقے سے بلا منظوری عدالتوں کا ادغام عمل میں آیا ہو گا۔ مگر یہاں مملکت کا مفاد اس قدر آسانی سے نظر انداز نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ یہاں بادشاہ کا عمل اکثر ظاہر ہوتا ہے۔ اکثر مثالیں ایسی ہیں کہ بادشاہ نے

باضابطہ قانون سے تعلقہ یا جزء تعلقہ کے حدود اختیار چند خانگی ہاتھوں میں دیدئے اور اس طریقے سے ایک واقعہ کو جو قانون کے دائرے سے باہر عمل میں آیا تھا قانونی طور پر تسلیم کر لیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مقامی حکومتوں کی باضابطہ تنظیم میں خانگی جاگیروں اور خانگی حدود و اختیارات نے اپنا گھر کر لیا اور نظام تعلقہ اور شاہی عطائے آزادی کے لئے جو فتح کے بعد مضبوط ہو گئے ایک زبردست بنیاد کا کام دیا۔

عدالتی کارروائی۔ ان تمام عدالتوں میں خانگی ہو کہ سرکاری، طریقۂ کارروائی جس سے مقدمات کی سماعت ہوتی تھی ایک ہی تھا۔ اگرچہ یہ طریقے ہمکو دقیانوسی اور بھدے معلوم ہوتے ہیں مگر اس زمانے کی عام قوت فیصلہ کا یہی مقتضا تھا۔ اس سے ایک بے ڈھنگا سا انصاف حاصل ہوتا تھا یہ طریقۂ کارروائی ان مقامی عدالتوں میں فتح کے بعد دو سو سال تک جاری رہا اور کئی صدیوں آگے تک یہ لائق عمل رہا۔ سیکسنی عدالتوں کا درجہ قدیم اور جدید عدالتی کارروائیوں کے بیچ میں پڑتا ہے۔ قدیم جب کہ خانگی انتقام ہوتا تھا یعنے ایک شخص اپنے دیگر ساتھیوں کی مدد سے اپنا آپ انصاف حاصل کر لیتا تھا، اور جدید جب کہ مملکت خانگی عمل کو خارج کر کے تمام کارروائی خود عمل میں لاتی ہے، سیکسنی دور میں ایک شخص خود بہت کچھ کر لیتا تھا جس کا وہ آج مجاز نہیں ہوتا یعنے وہ اپنے فریق ثانی کو خود عدالت میں طلب کرتا تھا، تاریخ پیشی معین کرتا تھا اور بعض صورتوں میں وہ عدالت کے فیصلے کی خود تعمیل کرواتا تھا۔ لیکن کارروائی کا ایک بڑا حصہ مملکت کے ہاتھ میں آگیا تھا اور بقیہ حصے کے لئے مملکت شخص مذکور کی تائید کرتی تھی۔ جو کام کرنے کا وہ شخص مجاز تھا ان کو معین و جاری کرتی تھی۔

ان قدیم مقدموں میں حلف کو بہت اہمیت تھی۔ حصول انصاف کا ایک ذریعہ سمجھ کر حلف کی بناء پر جو فیصلہ صادر کیا جاتا تھا اس کے متعلق دو امور کا مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ اوّل کہ یہ عدالتیں چھوٹی چھوٹی آبادیوں کی عدالتیں تھیں۔ ان عدالتوں کے اراکین باہم ہمسایہ ہوتے تھے۔ ہر شخص کا چال چلن سب کو اچھی طرح معلوم تھا اور ان لوگوں کے معاملات سیدھے سادے نیز ایک دوسرے کو بخوبی معلوم ہوتے تھے۔ دوم یہ کہ ظہور معجزات پر دلی اعتقاد تھا۔ حلف لینا گویا خدائے تعالیٰ

کو گواہ بناتا تھا اور دروغ حلفی کے متعلق یقین تھا کہ اس کی اسی وقت یا بعد کو سخت سزا ہوتی ہے۔ اس قسم کے بہت سے قصے زباں زد تھے اور ان پر یقین کیا جاتا تھا کہ جھوٹی قسم کھانے والوں پر کس طرح خدا کا غضب نازل ہوتا ہے۔ اس وقت ایسا کون ساسخت جان یا پاپی ہوگا جو اپنے جاننے والوں کے سامنے دانستہ جھوٹی قسم کھائے اور اس کے لڑکھڑانے۔ ہچکچانے اور رنگ فق ہونے سے یہ بھید نہ کھل جائے کہ وہ جان بوجھ کر بلا سول لے رہا ہے۔ جب کوئی ایسی علامت ظاہر ہوتی تھی یا حلف کا جملہ منہ سے برابر ادا نہ ہوتا تھا تو ایسی صورت میں وہ شخص مقدمہ ہار جاتا تھا۔

فریقین کے حاضر عدالت ہونے کے بعد پہلی کاروائی یہ ہوتی تھی کہ مدعی پہلے حلف لے کر اپنا دعوائے پیش کرتا تھا۔ بعض اوقات اس کی تائید کے لئے اور لوگ بھی اس کے ساتھ ہوتے تھے جو اس کے فریق (Secta) کہلاتے تھے۔ پھر مدعیٰ علیہ اپنی صفائی میں بالشرط ارکان حلف لے کر مدعی کے پیش کردہ واقعات کی تردید کرتا تھا۔ اس کے بعد عدالت اپنا فیصلہ صادر کرتی کہ دونوں میں سے فلاں فریق کو ثبوت پیش کرنا چاہئے۔ یہ عدالت کا ابتدائی فیصلہ ہوتا تھا اور اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ دونوں میں سے کونسا فریق بظاہر حق بجانب ہے۔ اکثر یہ ہوتا کہ جب مدعیٰ علیہ اپنی صفائی میں حلف لینے میں کامیاب ہوگیا تو ہمیشہ بار ثبوت اسی پر عائد کیا گیا کیوں کہ قدرتی طور پر اسی کے ساتھ ایک حسن ظن پیدا ہو جاتا تھا۔ لیکن خاص مقدمات میں جو کہ ہے ماہے ہوتے تھے ثبوت کا بار مدعی پر ڈالا جاتا تھا۔ ثبوت دوسرے اجلاس عدالت میں پیش ہوتا تھا۔ بعض وقت ثبوت کے لئے گواہ پیش ہوتے جو اپنے آسامی کے بیان دعوے کے متعلق اپنے دیکھنے یا سننے کی قسم کھاتے تھے۔ بالعموم ثبوت کے لئے اس شخص سے جو پہلے حلف لے چکتا دوبارہ لیا جاتا لیکن جس وقت اس کے ساتھ اور موئدین حلف بھی ہوتے تھے جو اپنے فریق کے دعویٰ کی سچائی کے متعلق نہیں بلکہ اس بات کی قسم کھاتے تھے کہ اس کا حلف صحیح ہے۔ موئدین حلف کی تعداد جو ایک شخص کو پیش کرنے پڑتے تھے رواج سے معین تھی اور فریقین کی حیثیت کے مطابق گھٹتی بڑھتی تھی۔ گر عدالت اس بات کی مجاز تھی کہ کسی مقدمے میں موئدین کی تعداد معین کرے اور اس بات کا فیصلہ کرے

کہ یہ لوگ مجموعی آبادی میں سے نہیں بلکہ خود عدالت کی مرتبہ فہرست اسماء میں سے پیش کئے جائیں۔ تعداد مطلوبہ کے پیش کرنے پر مقدمے کی جیت ہو جاتی تھی اس کارروائی کی ظاہری کارسم میں جو غایت مضمر ہے اس کا سمجھنا کچھ دشوار نہیں ہے۔ طلب ثبوت سے عدالت یہ چاہتی تھی کہ مقدمۂ زیر بحث کے متعلق عامۃ الناس کی رائے معلوم ہو جائے اور موئدین حلف کے فراہم کرنے کا جو طریقہ تھا اس سے عدالت کے فیصلے کو ایک خاص شکل میں خوب کس دینا مقصود تھا موید حلف کسی مقدمے کی بابت جو رائے ظاہر کرتا اس کے متعلق کم از کم یہ تصور تھا کہ اس پر بڑی بھاری ذمہ داری ہے کیونکہ ایک شخص گو مدعی علیہ کے موافق ایک عام فیصلے کو ماننے کے لئے آمادہ ہو سکتا ہے لیکن موید حلف کی حیثیت سے ایک معین حلف اٹھانے کے لئے کبھی راضی نہیں ہو سکتا۔ تقریباً ہمیشہ یہی ہوا کہ جس فریق پر بار ثبوت عائد کیا گیا اس کو موئدین کی مطلوبہ تعداد دستیاب ہو گئی۔ جوں جوں آبادی بڑھتی گئی اور معاملات زیادہ پیچیدہ ہوتے گئے مجلس مقامی کے معلومات اس قابل نہیں رہے کہ دروغ حلفی کے سد باب کے لئے کوئی واقعی قید و بند لگا سکے۔ چنانچہ اس عمل درآمد کے آخری دور میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ طریق ثبوت کے ساتھ بہت سی بدعنوانیاں لاحق ہو گئی ہوں گی۔

فوجداری مقدمہ کی شکل بالکل دیوانی مقدمے کی طرح تھی یعنے فریق متضرر یا اس کے ورثاء اور ملزم کی نزاع کے لئے ایک ہی کارروائی تھی۔ مگر فوجداری مقدمے میں ثبوت کی ایک اور شکل یعنے آزمائش غیبی سے بھی اکثر بدلی جاتی تھی جو دیوانی مقدمے میں بھی ممکن تھی۔ آزمائش غیبی کا نظریہ تھا کہ جب عدالت اپنے فیصلے میں مذبذب ہو یا کسی مقدمے میں جو ملزم کے صریحاً خلاف ہو کر باوجود ثبوت کے ہنوز مشتبہ ہو تو ایسی صورت میں یہ آزمائش گویا آسمانی فیصلے کے لئے ایک آئینی اور مذہبی درخواست ہوتی تھی۔ بالعموم دونوں اقسام مقدمات میں تائید حلف کی کارروائی اختیار کئے بغیر فریق کو یک لخت آزمائش کے لئے اپنے آپ کو پیش کرنا پڑتا تھا۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ عملی طور پر تائید حلف کی کارروائی کی تکمیل ممکن نہیں تھی۔ مگر فرانکوں میں یقینی طور پر اور اگر ہم بعد کے ثبوت پر اعتماد کریں تو اغلب یہ ہے کہ سیکسنوں میں بھی یہ طریقہ رائج تھا کہ جو شخص موئدین

حلف کی مطلوبہ تعداد فراہم نہیں کر سکتا تھا اس کو بذریعۂ آزمائش غیبی اپنے مقدمے کو ثابت کرنے کا ایک اور موقع دیا جاتا تھا۔ جب ملزم کے خلاف جرائم کی ایک لمبی فہرست ہوتی وہ قانوناً تائید حلف کی کارروائی کا مستحق نہیں ہوتا تھا بلکہ اس کو یک لخت آزمائش کا حکم ہوتا تھا۔ اس کا باعث درحقیقت عامۃ الناس کا عام فیصلہ تھا جس کی ایک مثال امریکی طریق انتقام خانگی" (lynch law) سے ظاہر ہے کہ جو ملزم سنگین جرم کا مرتکب ہو وہ اغلباً مجرم ہے اس لئے تائید حلف کی کارروائی کے لئے اس کا درخواست کرنا بے فائدہ ہے۔ اپنے روزمرہ کے معاملات میں سیکسن دو قسم کی آزمائشیں استعمال کرتے تھے اور دونوں کے ساتھ رعب دار مذہبی رسوم ادا ہوتے تھے۔ ایک پانی کی آزمائش تھی جس میں یہ ہوتا تھا کہ ایک شخص کے ہاتھ پیر باندھ دیئے جاتے اور وہ کسی حوض میں ڈالدیا جاتا تھا۔ اگر وہ ایسا ڈوبتا کہ آنکھوں سے اوجھل ہو جاتا تو وہ بے گناہ ثابت ہوتا تھا۔ دوسرے گرم لوہے کی آزمائش تھی۔ سلاخ کا وزن پہلے سے طے شدہ ہوتا تھا ملزم کو یہ سلاخ ایک معین فاصلے پر لے جانی پڑتی تھی چند روز کے بعد آبلہ دیکھا جاتا تھا اور اس کی نوعیت پر اس کے جرم کا ثبوت کا انحصار ہوتا تھا۔ تیرھویں صدی کے اوائل میں یہ آزمائش متروک ہو گئی۔ لیکن دوسرے پرانے طریقے دیوانی سے زیادہ فوجداری سماعتوں میں عرصے تک جاری رہے اور ان کی جگہ جدید طریقے رائج ہوئے۔

سزائے موت گاہے ماہے دی جاتی تھی اور وہ بھی سیکسنوں کے دور مابعد میں اور سزائے قید تو اور بھی شاذ و نادر ہی ہوتی تھی۔ لیکن بالعموم شخص متضرر کے پسماندوں کو ہرجہ ادا کرنے سے جرائم سے براءت ہو سکتی تھی اسے بوٹ (bot) کہتے تھے اس کے ساتھ سلطنت کو بھی نقض امن کی پاداش میں جرمانہ ادا کرنا پڑتا تھا اور یہ وائٹ (wite) کہلاتا تھا۔ ہر آزاد شخص کے لئے زر دیت کی مقدار معین تھی یعنے از روئے قانون ملک میں جو اس کا رتبہ تھا اس کے مطابق اس کی حیثیت بشکل زر معین تھی چنانچہ اس کے قتل ہو جانے کی صورت میں مجرم کو یہ زر تاوان ادا کرنا پڑتا تھا۔ اس کے علاوہ بعض اوقات مرتبہ بجود اس کے افعال قبیح کی پاداش میں یعنے خود اس کی براءت کے لئے جرمانے کا

تعین اسی سے ہوتا تھا۔ دیگر افعال قبیح کے لئے بھی معین رقموں کی ادائی ہوتی تھی اور یہ رقمیں فعل قبیح کی نوعیت اور فریق متضرر یا ضرر رساں کے مرتبے کے مطابق معین ہوتی تھیں۔ اور یہ ملک کے مختلف حصوں میں مختلف تھیں۔ بعض مقدمات میں جو مجرم اپنے الزام کی جواب دہی سے انکار کرتا اس کے خارج از قانون ہونے کا اعلان کیا جاتا اور اسی حالت میں وہ جہاں ملتا مار ڈالا جاتا تھا یا قدیم طریقہ انتقام خون کا نشانہ بنتا تھا۔ جب سلطنت ابتدائی بستیوں کے مجموعے سے آگے بڑھ گئی تو یہ فوجداری سزائیں تائید حلف کے طریقے کی طرح ناموزوں ثابت ہوئیں اور نارمن فتح کے بعد تو بالکل غائب ہی ہو گئیں۔

برو۔ خانگی حدود اختیارات کے ساتھ جاگیریں تو پیدا ہو چکی تھیں ان کے علاوہ سیکسنوں کے مقامی تنظیم کے سلسلے میں ایک اور مقامی نئی چیز داخل ہو گئی اور وہ برو یا تجارتی مفہوم میں ایک دیہہ ہے۔ انگریزی برو جو ایک جداگانہ عضویت اور ایک علیحدہ آبادی کا مرکز ہے اس کے شروعات زمانے سے معرض بحث میں ہیں اور آئندہ بھی اس کے متعلق کسی قطعی فیصلے کی امید نہیں۔ یہ اغلب ہے کہ بطور آبادی کے مرکز کے برو ایک نہیں بلکہ کئی طرح سے قائم ہوئے ہوں گے۔ کہیں ایک قلعہ بند جگہ ہو گی جو حفاظت کی ضامن تھی۔ کہیں تجارتی شاہراہوں کا مرکز ہو گا۔ اور کہیں یہ ضرورت ہو گی کہ کسی مقبول عام درگاہ کے زائرین کی ضرورتیں مہیا کی جائیں۔ ان چیزوں نے لوگوں ایک جگہ قیام کرنے کی طرف مائل کیا لیکن آخری نتیجہ دیکھو تو بستی اور اس کے دستور کی نوعیت کی صورت میں ایک ہی ہے۔ ابتدا کے مسئلے کی بہ نسبت تاریخی نقطۂ نظر سے یہ بات زیادہ اہم ہے کہ یہ مقامی حکومت کے عام ڈھچر سے علیحدہ نہیں ہوا بلکہ سیکسن مقامی تنظیم کے دیگر اجزا کے ساتھ برو کو بھی بہت جلد ایک خود اختیاری جز بننے کا موقع مل گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نارمن فتح کے پہلے ہی سے برو کو مملکت کے ساتھ ترقی کرنے کے لئے ایک راستہ مل گیا۔ غالباً اکثر صورتوں میں برو ابتداءً علاقے کے مفہوم میں دیہہ یا جزو دیہہ ہو گا اور معلوم یہ ہوتا ہے کہ اسی دیہہ کی حیثیت میں حسب قاعدہ اس کی تنظیم عمل میں آئی ہو گی اور اس کو مقامی حکومت خود اختیاری

مل ہو گئی۔ بعض صورتوں میں وسعت اور اہمیت کی وجہ سے اور بعض میں ہمسایہ علاقے کے ساتھ تاریخی تعلق کے باعث (اور لندن کی صورت میں تو یہ دونوں باتیں تھیں) برو کی تنظیم دیہہ کی جگہ تعلقے کی سی ہو گئی۔ لیکن دونوں صورتوں میں عملی نتیجہ ایک ہی نکلا یعنی ایک ایسا مقامی سوراج مل گیا جو بجائے الگ تھلگ رہنے کے تعلقے یا صوبے کے وسیع دائرہ حکومت میں دیگر ہم جنس اجزاء کے ساتھ خود بخود منسلک ہو گیا۔ بڑے قصبوں کے حدود کے اندر ایک طرف محلے (Wards) تھے جن کو ایک حد تک مقامی سوراج حاصل تھا اور اس کا تعلق پورے بلدیہ سے وہی تھا جو دیہات کا تعلقے سے ہے۔ دوسری طرف ہمسایہ امرا کے زیر نگین حلقوں (Soken) میں یعنے بلدیے کے ان حصوں میں جو امرا سے متعلق تھے اور جہاں ان کے ماتحت لوگ متمکن تھے خانگی حدود اختیارات بھی دکھائی دیتے ہیں اور ان پر امرا وہی اختیارات استعمال کرتے تھے جو اپنی جاگیروں پر کرتے تھے۔ اگرچہ سیکسنی تاریخ کے آخری دور میں شہری جد و جہد یا خاطر خواہ ترقی نظر آتی ہے مگر قومی زندگی میں بلدیے کی وہ اضافی اہمیت کبھی نصیب نہیں ہوئی جیسے انگریز تاریخی زمانے کے اول میں ہوئی۔ یہ وہ اہمیت ہے جو ان بے شمار منشورات قصبات کی شکل میں جن کا زیادہ تعلق رچرڈ اور جان کے عہد ہائے حکومت سے ہے ظاہر ہوتی ہے۔

معاشرے کے چار طبقے انگلستان کی آبادی اس کے علاقوں کی طرح صاف تدریجی طبقوں میں بٹی ہوئی تھی۔ مگر ہم کو یہاں ایک مشکل کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہ یہ کہ علاقوں کی تقسیم کے برخلاف سلطنت کے مختلف حصوں کی آبادی میں بہت کم باضابطگی تھی۔ عام خصوصیات کا لحاظ کیا جائے اور معمولی اختلاف حالات اور اصطلاحات نظر انداز کئے جائیں تو سیکسن مملکت میں آبادی کے چار بالکل الگ الگ طبقے تھے یعنے امراء۔ آزاد۔ نیم آزاد اور غلام لیکن یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ گو یہ چار طبقے نوعی معنی میں بین طور پر ایک دوسرے سے الگ تھے لیکن اگر ہم افراد کو پیش نظر رکھیں تو یہ حق۔ امتیاز۔ اور حیثیت کے درمیانی کثیر مراتب کی بنا پر ایک دوسرے سے

مربوط تھے۔ اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سیکسنوں کے زمانے میں معاشرہ ایک سیال حالت میں تھا یعنے معاشری طبقے زمینداری قیود سے معرا تھے اور ایک شخص اپنی حد سے اوپر اور نیچے خاندانی تعلق پیدا کر سکتا تھا اور یہ بالعموم ہوتا بھی تھا۔ چنانچہ حقیقتِ اراضی کی بناء پر تعلقے کی جو ذمہ داریاں تھیں ان کے بےشمار مراتبِ خدمت گزاری کی صورت میں خاندانوں کی یہ سیال حالت دکھائی دیتی تھی۔

اُمراء۔ تمام سیکسنی مملکتوں میں طبقۂ امراء نہایت درجہ معین تھا۔ اگر ہم سیکسنی تاریخ کے تمام دور کو اپنے سامنے رکھیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ امارت کا یہ رتبہ صاف طور پر دو ماخذوں سے حاصل ہوتا تھا۔ ایک پیدائش۔ دوسرے بادشاہ کی خدمت چونکہ دیگر مملکتوں کے بہ نسبت کینٹ کے متعلق اطمینان بخش ثبوت موجود ہے اس لئے یہ بات اغلب ہے کہ سب ٹیوٹانی مستعمرین اپنے ساتھ انگلستان میں ایک ایسی پیدائشی امارت لائے جس کی ابتدائی تاریخ کا سلسلہ قبیلے کی قدیم تاریخ سے مل جاتا ہے۔ جس طریقے سے جدید حالات کی وجہ سے ایسی بادشاہی قائم ہوئی جس کا پہلے وجود نہ تھا اور مملکت اور عوام پر اس کا زبردست نتیجہ نکلا اسی طریقے سے ایک شخص کو بادشاہ کے قرب اور شاہی ملازمت کے اعزاز سے ایک ایسا رتبہ اور امتیاز حاصل ہو جاتا جو عام آزاد شخص کے بہ نسبت قوانین میں اعلیٰ زرِ دیت کی شکل میں صاف ظاہر ہونے لگا۔ کیا عجب ہے کہ شروع ہی سے بادشاہ کے مقربین میں نئے لوگوں کے علاوہ اکثر ایسے لوگ شامل ہو گئے ہوں جو پرانے امیر تھے اور یہ دونوں قدیم و جدید ایک ہی طبقے میں ایسے گھل مل گئے کہ وہ اب سوائے ان خاندانوں کے جن کا وجود ایک دو پشتوں کا ہے ان کی اصل کا پتہ لگانا ممکن نہیں۔ یہی نوع امارت ہے جو ہمیں نارمنی فتح کے وقت دکھائی دیتی ہے۔

سیکسن امارت خدمت کو گیسیتھ اور تھین کی دو اصطلاحوں سے ظاہر کرتے تھے۔ گیسیتھ قدیم اصطلاح ہے کہ اور اس سے وہ طبقہ مراد ہے جس کی نوعیت بالکل فوجی تھی اور یہ بادشاہ کے ساتھ نبرد آزما ہمنشینی (Comitatus)

کے شخصی رشتے سے منسلک تھا جس کا ناصی ٹوسن اپنی جرمانیہ کے تیرھویں اور چودھویں باب میں ذکر کرتا ہے۔ ملک میں آباد ہونے کے بعد ہی ان لوگوں کو بادشاہ کی طرف سے عطیات اراضی مل گئے اور اس طرح یہ صاحب اراضی امارت بن گئی مگر ساتھ ہی اس پر فوجی خدمت کی خاص قید عائد رہی۔ یہ جگہ جس میں بادشاہ کی ذاتی خدمت یعنی نبرد آزمائی ہمنشینی اور دربار کے دیگر فرائض شامل تھے (اور ان میں سے بعض غالباً گیستھ کے تفویض نہیں ہوئے ہوں گے انھیں نے لے لی اور یہ تھین مرورِ زمانہ کے ساتھ اسی طرح تغیرات کے چکر میں آئے گو یہ تغیر بہت آہستہ اور تاریخ کے دورِ مابعد میں ہوا چنانچہ اس لفظ کا استعمال فتح کے بعد بھی باقی رہا گو یہ ملک کے مختلف اقطاع میں بے شمار معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

سیکسن امیر کو چند ایسے امتیازات حاصل تھے جو اس کو عام آزاد شخص سے ممتاز کرتے تھے۔ اس کا زردیت چھ گنا زیادہ تھا' عدالت میں اس کے حلف کی چھ گنی اہمیت تھی' ٹیتھنگ کی شرکت سے یہ مستثنے تھا اور وہ اپنے زیردست کے نیک چال چلن اور اس کی عدالت کی حاضری کی خود اپنی ذات پر ذمہ داری لے سکتا تھا۔ ان آزاد شخصوں پر بھی جو جاگیری زمینوں سے وابستہ تھے امیر کو اختیارات حاصل تھے۔ کلیسا اور مملکت کے اعلےٰ عہدوں کا یہی طبقہ اہل سمجھا جاتا تھا گو از روئے قانون یہ لازمی نہیں سمجھنا چاہئے جیسا کہ ہر موقع پر ہوتا ہے خاندانی امارت عہدوں کے پر کرنے میں بھی غیر معمولی اعزاز کی حامل تھی۔ اگرچہ امارت کے ساتھ مجلس عقلا کی رکنیت کا کوئی حق شامل نہیں تھا مگر بادشاہ طبقۂ حکام کے علاوہ امرا میں سے ان لوگوں کو طلب کرتا تھا جو اس سے پہلے کے کسی جلسے میں شریک ہوئے تھے۔ اگرچہ امرا کا طبقہ باضابطہ اور معین تھا مگر بالعموم سیکسنی مملکت میں حکومت کے علے الرغم اس کی کوئی مطلق العنان حیثیت نہیں تھی۔ اور یہ کبھی ایسا طبقہ نہیں بنا کہ اس میں پہونچنے کے لئے تحت سے ترقی کرنے والے خاندانوں کے لئے کوئی راستہ نہ ہو۔

احرار ۔ قدیم سیکسنی معاشرے کے متعلق جو معلومات ہیں ان سے ہمارے دل میں جو خیال پیدا کرتے ہیں ان پر بھروسہ کیا جائے تو معاشرے کا زیادہ تر حصہ

ان آزاد اشخاص پر مشتمل ہوگا۔ امرا سے امتیاز پیدا کرنے کے لئے جو بعد کو خصوصاً زمانہ جاگیرداری میں "احرار بلند مرتبت" (hiber homo) سمجھے جانے لگے ہم ان کو اکثر "عام احرار" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ یہ ایسا طبقہ تھا جو دو طبقوں کے بیچ میں تھا، اوپر امرا اور نیچے کلی یا جزوی غیر آزاد لوگ۔ طبقۂ امرا کی طرح یہ بھی مختلف ناموں سے مثلاً (Ceorl Villaanus. Sokeman) سے موسوم ہوتے تھے جن کے معنوں کو ملک کے مختلف اقطاع اور مختلف اوقات میں ایک نیا رنگ چڑھایا گیا۔ تاریخ کے قدیم دور میں اس طبقے کی ملک میں کثیر تعداد تھی اور یہ رعایائے ملک کا بڑا حصہ تھا اور یہ ایک نوعی طبقہ تھا جس سے دیگر طبقوں کی حیثیت اور قانونی قدر کا زر دیت اور حلف کی شکل میں اندازہ لگایا جاتا تھا۔ اس طبقے کے اراکین کے متعلق ہم جانتے ہیں کہ یہ لوگ مواضعات میں بودوباش کرتے تھے اور وہاں سے اپنی اراضی پر جو آس پاس کے میدانوں میں بکھری ہوئی تھیں کھیت باڑی کرنے کے لئے باہر جاتے تھے۔ ان میں بعض مواضعات ایسے تھے جو ۱۰۶۶ء تک آزاد تھے اور اپنے معاملات کو اپنی دیہی مجلس (Tun. mote) میں خود طے کر لیتے تھے۔ لیکن اکثر مواضعات کسی نہ کسی رئیس کے زیر حکومت آگئے اور اس کے ماتحت ہوگئے۔ بالعموم کامل حر کی جو امیر نہیں سمجھا جاتا تھا مقبوضہ زمین ایک ہائیڈ (hide) یعنے اوسطاً ۱۲۰ ایکڑ ہوتی تھی اور اس کے ساتھ مویشی اور آلات تھے جو اس قدر زمین کے لوازم تھے۔ لیکن احرار کی مقبوضہ اراضی کی مقدار بہت کچھ تغیر پذیر تھی اور یہ بات مسلمہ تھی کہ ایک عام حر جو پانچ ہائیڈ زمین کا مالک ہو وہ امراء کے طبقے میں داخل ہو سکتا ہے۔ احرار از روئے قانون تھنگ میں داخل کئے جاتے تھے۔ عدالت ضلع اور تعلقے کی مقامی حکومت کے باضابطہ انصرام اور مملکت کی فوج کا انحصار پر دارمدار تھا۔ اگرچہ یہ لوگ اس نظام زراعت کی تنظیم میں جو مینر کے نام سے سیکسنی دور میں قائم ہو رہی تھی کثیر تعداد میں شامل ہو رہے تھے مگر یہ نظام صرف معاشی خصوصیت رکھتا تھا اور اکثر و بیشتر مثالوں میں اس نے احرار کی قانونی حیثیت پر کوئی ضرب نہیں لگائی۔ تاہم اگر تمام سیکسنی زمانے کو ایک ساتھ

لیا جائے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ بحیثیت مجموعی معاشی۔ معاشرتی۔ اور سیاسی اعتبار سے اس طبقے کی اہمیت کم ہوتی جا رہی تھی اور یہ طبقہ آہستہ آہستہ نابود ہو رہا تھا۔ قدیم قوانین میں اس کی جو تصویر کھینچی گئی ہے اس کا مقابلہ کرتے ہوئے نارمنی فتح کے وقت کی مملکت میں اس کی بہت کم اہمیت دکھائی دیتی ہے۔ تاہم طبقے کی حیثیت میں یہ بالکل معدوم نہیں تھا اور کتاب بند وبست کے زمانے تک بھی یہ علانیہ باقی رہا اور اگر زیادہ تعداد میں نہیں تو معدودے چند افراد تھے۔ اس طبقہ کے قبضے میں رہ گئی تھیں جو کسی رئیس اعلیٰ کے دست نگر نہیں ہوئیں۔

غلام زرعی غلام جب ہم ان لوگوں کی طرف توجہ کرتے ہیں جو پورے طور پر آزاد نہیں تھے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ ذرا زیادہ دشوار ہے اور یہاں حقوق اور مراتب کے لئے شمار مدارج ہیں[1]۔ جب ہم نیچے سے چل کر پہلے غلام کو لیتے ہیں تو اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ سیکسنوں میں اس طبقے کی اصطلاحی تعریف یہ تھی کہ اس کے کوئی حقوق نہیں بلکہ وہ اشیاء اور مویشی کا حکم رکھتے ہیں اور جاندار ذخیرے کا ایک جز ہوتے ہیں جن کو ان کا آقا فروخت کر سکتا ہے۔ یہ بیرونی بردہ فروشی اور غلاموں کی برآمد کا سلسلہ فتح کے کچھ عرصے بعد مسدود ہوا لیکن سیکسن دور میں خانگی غلاموں کی بھرتی بند نہیں ہوئی۔ جو وہ سیکسن قبیلوں کی باہمی جنگوں میں گرفتاریاں اور معاشی افلاس نے اس طبقے کو بڑھایا تھا۔ دوسری طرف یہ صاف ظاہر ہے کہ ادارۂ غلامی کی مزاولت کے خلاف عام رجحان نے جو یہاں عمل کیا اس کی رفتار براعظم کے مقابلے میں بہت سست تھی۔ کلیسا کی تعلیم تھی کہ غلام آزاد کرنا ثواب کا کام ہے اور اس بات پر زور دیا جاتا تھا کہ غلام کی اکتسابی جائداد اور اس کے خاندان کی قانونی حیثیت کے متعلق اس کا حق تسلیم کر لینا چاہئے۔ لیکن دوسرے مقامات کی طرح انگلستان میں غالباً کچھ معاشی اسباب تھے جن کے باعث غلامی کی سختی سے مخالفت ہونے لگی۔ مالک نے دیکھا کہ غلام کا زیادہ مطلب صرف یہ ہے کہ اس کو ایک جھونپڑا اور ایک قطعۂ زمین دیدیا جائے جہاں وہ اپنے آقا کے مفروضہ کام کرنے کے بعد بچے کھچے وقت اپنے لئے کاشت کرے

[1] شیبنی حسب بالا ۱۹ - ۲۳ ، اسٹبز حسب بالا ۸۹

شروع شروع میں تو واقعاً اور زمانۂ وسطیٰ کے اختتام تک نظریئے کے طور پر، غلام کی حاصل کی ہوئی زمین، مکان، اور مویشی اس کی ملک نہیں بلکہ اس کے آقا کی ملک سمجھی جاتی تھی۔ لیکن سچ تو یہ ہے کہ انسدادِ غلامی کے سلسلے میں یہ پہلا قدم تھا، یعنے غلام ایک زرعی غلام کی صورت میں متبدل ہو گیا کیونکہ اس کو مستقل طور پر ایک مکان اور قطعۂ زمین پر متمکن ہونے کی اجازت مل گئی۔ مالک اور دوسرے لوگ ان چیزوں کو قطعی اسی کی ملک سمجھنے لگے۔ یہ چیزیں غلام کی اولاد کو منتقل ہونے لگیں۔ اور بہت جلد عدالتہائے مینر نے اس بات کو تسلیم کر لیا کہ جب تک رئیس جاگیر دار کے مقابلے میں وہ خدمتیں انجام پاتی رہیں جو از روئے رواج شرط قبضۂ زمین قرار پانے لگی تھیں یہ اشیاء ضبط نہیں کی جا سکتیں، اور بہت دن نہیں گزرے کہ جس طرح عدالتِ صوبہ و تعلقہ اراضی معافی کے ورثا کے باہمی نزاعات کا فیصلہ کرتی تھی اسی طرح عدالتِ مینر بھی ان ماتحتانہ مقبوضاتِ اراضی کی وراثت کے متعلق ورثا کے باہمی نزاعات کو اپنی طرف رجوع کرنے لگی، اور انتقال و تسلیم جائداد کے حق کی تصدیق عدالت کی تحریروں سے لازمی ہو گئی۔ اپنے محدود حلقے میں یہ رواج گویا قانون بن گیا یعنے قانونِ رواجی اور قانونِ مینر ہو گیا اور اس قانون کے تحت مرورِ زمانے کے ساتھ غلام کو ایسے حقوق مل گئے جن کی وہ خود حفاظت کرنے کا اہل تھا۔ دوسرے الفاظ میں غلام ایک زرعی غلام بن گیا۔

زرعی غلام ۔ زرعی غلام اور معمولی غلام میں اصطلاحی فرق یہ ہے کہ زرعی غلام کو ایک کامل حُر کے جملہ حقوق تو نہیں مگر چند حقوق ضرور حاصل تھے۔ زمانۂ وسطیٰ کی زرعی غلامی ایک بیچ کا درجہ ہے جہاں سے زمانۂ قدیم کی غلامانہ خدمت گزاری دورِ جدید کی آزادانہ خدمت گزاری میں مبدل ہو گئی۔ دوسرے الفاظ میں یہ ایک انقلابی منزل ہے جس کی بہ حیثیت مجموعی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ مختلف اوقات اور مختلف مقامات میں اس وقت غلام اور کامل حر کے درمیان ہر ایسی درمیانی شکل موجود تھی جس کا تعین ہو سکتا ہے واقعہ یہ ہے کہ وقتِ واحد اور ایک ہی مینر میں حق اور معاشی مفاد کے بہت سے مدارج ملے جلے موجود تھے۔ تاریخی دور کی کامل شہادتوں کے

حاصل ہونے تک انگلستان کے اس نیم آزاد طبقے کے متعلق اس سے زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں اور نہ اس سے زیادہ کہا جا سکتا ہے قانون عامہ میں زرعی غلام کے ساتھ ایک حد تک انسان کا سا سلوک کیا جاتا تھا۔ اس کو ایک مختصر زرویت حاصل تھا۔ مالک کے جسمانی تشدد اور بدسلوکی کا دروازہ بند تھا۔ اس کا حقِ ازدواج تسلیم کر لیا گیا تھا، اور عدالت فوجداری کے سامنے اس کی ذمہ داری براہ راست یا بہ وساطتِ آقا مسلم تھی لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ان لوگوں میں جو پہلے کاملاً حر تھے پے در پے معاشی زوال آنے کی وجہ سے تمام سکسنی دور میں زرعی غلاموں کے طبقے میں برابر اضافہ ہوتا رہا ان لوگوں کے ساتھ نہ صرف چند حقوق وابستہ تھے جو برابر محفوظ رہے بلکہ ان کے زوال سے ان دونوں طبقوں کا درمیانی فرق مٹ گیا جو نیچے سے ترقی کر رہے تھے اور وہ جو برابر آزاد رہے۔

زمینداری کے اقسام۔ سیکسنوں میں زمینداری کی اشکال میں اتنا تنوع نہیں تھا جتنا ان کی تقسیم رجال میں تھا گو یہ شکلیں قریب قریب شخصی مدارج کے ساتھ ساتھ چلتی تھیں۔ قبضۂ اراضی کی دو بڑی شاخیں تھیں، آزاد و غیر آزاد۔ لیکن اس دوران میں ان قبضہ جات اور شخصی مراتب میں اکثر تغیرات ہوتے رہے ہیں۔ خواہ وہ سیکسن ہوں یا فرانک، ایک نہیں، کئی جرمن قبائل کے معاشی اور قانونی ادارات میں ایسی علامتیں موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ رومن صوبوں میں آباد ہونے کے وقت ان لوگوں کو زراعتی زینے پر ترقی کئے ہوئے کچھ زیادہ پشتیں نہیں گزری تھیں۔ ان دیہاتوں کے ساتھ ساتھ جو کسی رئیس کی جاگیر میں شامل تھے اور اس کے تابع تھے ایسے آزاد دیہات بھی موجود تھے جن میں قومی مشترکہ ملک اور اور متحدہ سیاستہ کاری پائی جاتی تھی۔ کم از کم انگلستان میں تو ایسے قومی دیہات نارمنی فتح کے بعد تک قائم رہے ہیں۔ ان میں جو زراعتی تنظیم موجود تھی وہ آئندہ نظام میز کی عمارت کے لئے ایک بہت ہی مناسب بنیاد ثابت ہوئی ہر گاؤں کی مزروعہ زمین دو یا تین بڑے بڑے کھیتوں میں بٹی ہوئی تھی۔ اور ہر کھیت پر ہر سال ایک ہی طریقے سے کاشت ہوتی تھی۔ انفرادی کاشت

کے لئے ان کھیتوں کے قطعے کر دئے گئے تھے اور گاؤں کا ہر خاندان ان قطعوں کے ایک معین مجموعے پر قابض تھا۔ خاندان کے مقبوضات مقابلۃً چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تمام کھیت میں پھیلے ہوئے تھے۔ اور ان کا تصرف اور استفادہ اس مشترکہ کھیت کے مشترکہ قواعد کے تابع تھا جس میں یہ ٹکڑے واقع تھے اور ان کی توریث اور انتقال دیہہ کے رواج کا پابند تھا۔ مزروعہ زمین کے علاوہ دیہات میں وسیع شاملاتی چراگاہیں اور جنگل تھے جو اس زمانے میں لوگوں کے لئے بیحد کارآمد تھے۔ ان چیزوں میں ہر باشندہ کا حق اس کی مزروعہ زمین کی مقدار کے تناسب سے مقرر تھا۔

اب ایک شخص خود سمجھ سکتا ہے کہ پُرآشوب زمانے میں اس گروہ کا ایک امیر مقتدر کی پناہ میں چلے جانے کے لئے مجبور ہونا کیا دشوار تھا اور نیز جوں جوں زمانہ گزرتا گیا ان رقوم اور خدمتوں کے متعلق جو اس حفاظت کے عوض میں عطا ہوتی تھیں یہ خیال پیدا ہونے لگا کہ وہ شرائط قبضۂ اراضی کے لوازم ہیں، چنانچہ جو زمین اصل میں آزاد تھی وہ رفتہ رفتہ تابع اور غلامانہ بن گئی۔ یہ بات بھی یقینی معلوم ہوتی ہے کہ انگلستان کے چند اقطاع میں مثلاً مغرب اور غالباً دیگر مقامات میں، ایسی آبادیاں بن گئیں جو شروع ہی سے ایک رئیس کے تابع اور غیر آزاد کاشتکاروں کا مجموعہ تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان آبادیوں کی طرف برابر عرصے تک میلان جاری رہا اور اگر اس میں کوئی رکاوٹ پیدا ہوئی تو ڈینوں کے جدید ٹیوٹانی آبادکاری کی وجہ سے شمال میں ہوئی اور اس کے ذریعے سے گویا ابتدائی حالات لوٹ آئے نتیجہ یہ ہوا کہ جس وقت نارمن حکمراں بنے جاگیرداری کا ہر طرف سکہ رواں ہوگیا تھا۔ آزاد دیہہ ایک غیر معمولی شاذ و نادر بات ہوگئی لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ خواہ وہ جاگیر خواہ قانونی ملت یا ایک زراعتی تنظیم سمجھا جائے اس قدر پختگی کے ساتھ مکمل اور ملک پر اس قدر غالب نہیں ہوا جس قدر فتح کے بعد ہوا۔

اگر حکومت کی طرح ہم اوپر سے نظر ڈالیں بالشرطیکہ اس وقت کی حکومت اس موضوع کو عام قانون عامّہ کا جزو سمجھتی ہو) تو انگلستان کی قبضۂ اراضی دو میں سے کسی ایک حق کی بناء پر قائم تھا۔ یا وہ قبائلی زمین ہوگی یا سندی۔ قبائلی زمین کا

قبضہ کسی تحریری سند یا ضابطہ شہادت کی بنا پر نہیں بلکہ بستی کے قانونِ رواج یعنے قبائلی قانون یا قبائلی حق کی بنا پر تھا۔ اس قبضے کی شہادت صرف لوگوں کا حافظہ اور علم تھا اور اس کے حق کے متعلق جو نزاعات پیدا ہوتے تھے وہ صوبے اور تعلقے کی مقامی "عدالتہائے ملت" میں طے ہوتے تھے۔ اگرچہ یہ ایک صاحب خاندان کی مقررہ ملک سمجھے جانے لگے تھے مگر اس کے باوجود ان میں ابتدائی قومی ملک کی شان باقی رہ گئی تھی۔ ان زمینوں کا ترکہ بذریعۂ وصیت نامہ نہیں ہوسکتا تھا بلکہ اس کی توریث رواج کے مطابق عمل میں آتی تھی اور یہ اراضی متعلقۂ قبیلہ کی منظوری کے بغیر منتقل نہیں ہوسکتی تھی علاوہ اس زمین کے جو ایسی ہو، جس کو کسی نے اپنی زندگی میں اکتساب کیا ہو یا اس کا موروثی حصہ ہو، ایسے اضافے کا تصفیہ ایک شخص اپنی خواہش کے مطابق کرسکتا تھا۔

اس کے برخلاف سندی زمین اسے کہتے تھے جس کا قبضہ ایک تحریری حق یعنے دستاویزِ اراضی یا فرمان کی بناء پر تھا اس کو قابض اپنی خواہش کے مطابق نہ منتقل کرسکتا تھا نہ بذریعۂ وصیت اپنے ورثا کو ترکہ کرسکتا تھا۔ ایسی زمین پر بادشاہ کی عطا سے اور مجلس عقلا کی منظوری سے قبضہ ہوتا تھا اور فرمان شاہی میں اس کا اندراج ہوتا تھا۔ مجلس عقلا کی منظوری اسی نوع کی تھی جیسے قبائلی زمین کے انتقال میں مقامی ملت کی منظوری۔ اس قسم کی عطا سے بے شمار جائدادیں اراضی کلیساؤں اور خانقاہوں کو اکثر اور امرا کو بعض اوقات دی گئیں۔ ان زمینوں کے دئے جانے کے وقت انھیں سوائے "واجباتِ ثلاثہ" (Trinoda Necessitas) کے اکثر ملکی ذمہ داریوں سے آزاد کردیا گیا زمیندار کو مقامی جاگیردارانہ اقتدار اور اختیارات دئے گئے۔ ہمارے پاس اس بات کا بھی ثبوت ہے کہ بعض مرتبہ قابض اراضی کو ایسی زمین بھی دی گئی جو قبائلی زمین کے طور پر خود اسی کی تھی، مگر اس عطا کی غرض یہ تھی کہ وہ زمین کے منتقل کرنے اور وصیت کرنے کا مختار ہوجائے۔ قابض کے لاولد فوت ہوجانے کی صورت میں ایسی مقبوضہ زمین بادشاہ کو واپس مل جاتی تھی۔ سندی زمین کے متعلق صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ شکل قبائلی زمین کے مقابلے میں بہت بعد کو پیدا ہوئی جس کو سیکسنوں نے اپنے ابتدائی آبادکاری کے بعد اسی طرح سیکھا تھا جس طرح

تحریری سند کے لئے منشور کا طریقہ سیکھا۔

ان دونوں قسموں میں کسی زمین پر جو شخص قابض ہوتا تھا وہ ایک محدود میعاد کے لئے دوسرے شخص کو منتقل کر سکتا تھا اور انتقال ایک دستاویز کے ذریعہ ہوتا کہ کن مقررہ شرائط کے مطابق قبضہ رکھا جائے اور کس وقت معطی کو واپس کی جائے۔ قبضہ کی میعاد اکثر تین پشت ہوتی تھی یعنے یکے بعد دیگرے تین آدمی قابض رہتے تھے ایسی زمین کو زمین مستعارہ (Laen land) کہتے تھے۔ اس کا تعلق چونکہ مملکت اور قبیلے سے تھا اس لئے یہ ایک طرح کا قرضہ تھا اور ملک کی شکل میں مبدل نہیں ہو سکتا تھا۔ معطی ہر حالت میں مالک تھا۔ چنانچہ سکسنی نظم ونسق میں زمین کے ساتھ جو فرائض وابستہ تھے ان کے متعلق قابض جدید مملکت کے سامنے نہیں بلکہ صرف معطی کے سامنے ذمہ دار تھا کیونکہ اس حالت میں مملکت معطی کو ہی ذمہ دار مالک سمجھتی تھی۔ چونکہ منجملہ ان فرائض کے ایک فوجی خدمت بھی تھی اس لئے جدید انتظام نے ایسا تعلق پیدا کر دیا جو بظاہر عطیۂ خدمت فوجی کے مماثل ہو گیا۔ بلکہ بعض اوقات تو یہ تعلق جاگیری ہی سمجھا جانے لگا۔ لیکن مماثلت بہت بعید ہے اور بہت کچھ کھینچ تان کا نتیجہ ہے کیونکہ سکسن معطی لہٗ کا قبضہ کسی خدمت کے لئے نہیں تھا بلکہ صرف وہ ذمہ داریاں اس پر عائد ہو جاتی تھیں جو پہلے سے زمین سے متعلق ہوتی تھیں اور اس جدید تعلق سے چاہے قبائلی زمین ہو یا سندی اس میں اور دیگر زمینوں میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا تھا۔ یہ صورت بالکل ایسی تھی جیسے زمانہ جاگیری میں جاگیری پٹہ داری کا حال تھا جس میں متاجر زمین کے متعلقہ فرائض (Forinsec Service) یعنی ان فرائض کا ذمہ دار تھا جو اس کے قریب ترزمیں کے اوپر اور اس کے علاوہ بادشاہ کو واجب الادا تھے۔ لیکن اس طریقے سے وہ جاگیری متاجر نہیں بن جاتا تھا۔

نظام جاگیری۔ اس بات پر غور کرنے کے لئے کہ آیا انگلستان میں نارمن فتح سے پہلے نظام جاگیری کا وجود تھا یا نہیں اس بات کا تعین کرنا چاہئے کہ لفظ جاگیری کن معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ معمولی استعمال میں تو یہ اصطلاح بالعموم غیر معین اور مبہم معنوں میں استعمال ہوتی ہے جس میں تمام قسم کے حکومانہ تعلقات خواہ معاشی ہوں یا سیاسی شامل کر لئے جاتے تھے اور اس کا خیال نہیں کیا جاتا تھا کہ

واقعی ان کی نوعیت کیا ہوگی اگر ہم اس لفظ کو اسی مفہوم میں استعمال کریں تو اس میں کوئی شک نہیں کہ چند کیفیات کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے جاگیری کہے جا سکتے ہیں، لیکن اداراتی کا ایک طالب علم اس مبہم اور عام مفہوم سے مطمئن نہیں ہو سکتا ایسے طالب علم کو تو اختلافات دیکھنے چاہئیں اور اداروں کی مقررہ خصوصیت معین کرنی چاہئیے ورنہ اس کا علم بیکار ہوگا اور بہت سی چیزوں کے سمجھنے میں دقت ہوگی۔ سب سے پہلے لفظ "نظام" کا استعمال غور طلب ہے اگر اس لفظ کے ساتھ "باقاعدہ" کا مفہوم شامل کیا جائے تو یہ استعمال غلط ہوگا کیونکہ جاگیریت کی فروعات میں نہ صرف مختلف ممالک بلکہ ایک ہی ملک کے مختلف اقطاع میں بہت کچھ تنوع پایا جاتا ہے جاگیریت نے صرف اس قدر کام کیا کہ جو تعلقات اس سے وابستہ تھے ان کو اول سے لے کر آخر تک باہم منسلک کر کے ایک عضویاتی مجموعہ کی شکل بنا دیا اور آج کل مفہوم میں ہم اسے "نظام" کہہ سکتے ہیں۔

سیاسی جاگیریت۔ یہ دیکھنے کے لئے کہ جاگیریت میں تعلقات اور اغراض کے دو مختلف النوع مجموعے تھے مغربی یورپ کی جاگیریت کا ایک تھوڑا سا مطالعہ کافی ہے کہ گیارھویں اور بارھویں صدی میں اس کی کیا حالت تھی۔ ایک طرف ہم کو ایسی جاگیریت ملتی ہے جس میں روسائے جاگیردار و خوانین مبارزین و وابستگان دربار و قلعے اور شہر ملیں ہوتی تھیں۔ اس خاص جاگیریت کا اصل مقصد کچھ فردیت ہی نہیں تھا۔ بلکہ اس فردیت کے کمال پر پہنچنے تک تو اس جاگیریت کا خاتمہ ہی ہو چکا تھا کہ اس کا اصل کام یہ تھا کہ اس زمانے میں جب کہ خیالات کی عدم مطابقت اور ذرائع رسل و رسائل کے فقدان کی وجہ سے ایک وسیع مملکت میں مجموعی حکومت کا قیام ناممکن تھا یہ معاشرے میں ایک حد تک سیاسی عضویت پیدا کر دے جاگیریت کا یہ پہلو خاص تر سیاسی تھا۔ اپنی جاگیر کی طرف سے جو خدمتیں ایک ماتحت اپنے رئیس کے لئے بجا لاتا تھا وہ سب سیاسی ہوتی تھیں۔ ان خدمتوں کے ذریعے سے فوج جمع کی جاتی اور عدالت، مجلس شورہ اور مقننہ ترتیب دی جاتی تھیں چونکہ مدافعت اس زمانے میں بڑی ضروری چیز تھی اس لئے اس نوع جاگیریت کی شان نمایاں طور پر فوجی تھی لیکن اس کا کام صرف یہی نہیں تھا کہ مدافعت کا سامان کرے۔ ہر ایک بیرن حکومت کا ایک مستعد کارندہ بھی تھا جس سے حکومت کے تمام کام لئے جاتے تھے۔ حکام نظم و نسق اور جس وقت مرکزی حکومت کی از سر نو تشکیل ہوتی ہے تو عادل اور

بڑے عہدہ دارانِ شاہی اسی طبقے سے مقرر کئے جانے لگے ۔ اس زمانے میں جب کہ مرکزی حکومت کا وجود صرف برائے نام تھا جاگیریت نے بڑی خدمت کی۔ صرف بیرنوں ہی کے وجود سے امن قائم تھا اور قانون کا نفاذ ہوتا تھا اور ان لوگوں کی وفاشعاری زینہ بہ زینہ یعنی ہر ماتحت کی اس کے رئیس کے ساتھ اور رئیس اعلیٰ کی بادشاہ کے ساتھ ایک ایسا سلسلہ تھا جس نے آنے والے بہترین زمانے کے لئے مملکت کا ایک تصور اور مملکت کا ایک آئینی وجود زندہ چھوڑ دیا ۔ جاگیریت کی یہ قسم رومن اداروں کے وجود سے اس وقت پیدا ہوئی جب کہ شہنشاہیت کا شیرازہ بکھر رہا تھا ۔ اس کی ترقی بہت آہستہ اور تدریجی ہوئی اور نویں صدی کے اختتام کے قریب ہم کہہ سکتے ہیں کہ درحقیقت اس وقت جاگیریت نظام سیاسی کے جامے میں صورت گیر ہوئی اور یہ بالکلیہ پختہ ہوئی تو دسویں صدی میں جاکر ہوئی۔ مغربی یورپ کے بڑے جاگیری دور گیارھویں اور بارھویں صدی کے زمانے میں تھے۔ تیرھویں صدی میں یہ جلد جلد زائل ہونے لگی اور چودھویں صدی میں تو اس کا بالکل خاتمہ ہوگیا۔ آیندہ زمانے کے لئے جو اس نے معاشرتی ورثہ چھوڑا ہے وہ دورِ جدید کا نظام نسلیت ہے

دوسری طرف یہ ہوا کہ جس زمانے میں یہ سیاسی عضویت معاشرے پر مسلط ہونے لگی تھی اس کے قیام کے لئے زراعتی عضویت کی ایسی پختہ بنیاد ڈل گئی جو خود بھی کی طرح اسی زمانے میں اور انہیں اسباب کے زیر اثر گو نئے اور جداگانہ عناصر اور ادارات میں سے مشتق ہوئی تھی ۔ یہ جاگیر کی عضویت تھی جس کا اوپر ذکر آچکا ہے کہ اس کو دیہی آبادی اور اس کی اراضی پر قائم ہونے کے لئے کوئی دقت نہ تھی اور آگے چل کر اس پر اس سے زیادہ تفصیل سے بحث ہوگی ۔ اس عضویت کے بہت سے ظاہری رخ بظاہر سیاسی جاگیریت کے بہت کچھ لگ بھگ نظر آتے ہیں یعنی اس نے بھی کثیر محکومانہ حقوقِ اراضی پیدا کئے اور رئیس کے ماتحت بہت سے اشخاص پیدا کر دئے اور ایک رئیس کے خانگی اختیارات کو غیر آزاد مستاجروں پر جاری کیا اور کبھی کبھی چند آزاد افراد بھی ان اختیارات کے تحت آگئے ۔ لیکن دونوں کے ذاتی خصوصیات اور اغراض کو دیکھو تو بالکل مختلف تھے ۔ اس زمانے میں سرمائے کو لگانے کی کوئی خاص شکل ممکن تھی تو صرف زراعت تھی اور کاروبار کی تقریباً یہی ایک

شکل باقی رہ گئی تھی، چنانچہ زمانہ جاگیرداری میں اگر معاشرہ زندہ تھا تو صرف کاشتکاروں کے دم سے تھا۔ بیرن کو اپنی جاگیر کی طرف سے سیاسی خدمتوں کی شکل میں مملکت کو گویا ایک لگان ادا کرنا پڑتا تھا۔ وہ اپنے جاگیری مینروں کے معاشی محاصل سے آمدنی حاصل کر کے یہ خدمتیں بجا لاتا اور اپنے رتبے کو قائم رکھتا تھا۔ اسی طریقے سے بادشاہ قائد مملکت کی حیثیت سے اپنی خاص آمدنی اپنے جاگیری مینروں سے وصول کرتا تھا۔

دورِ مابعد کی رومن شہنشاہیت کے دیگر اداروں کے ساتھ جو ایک دوسرے سے تمبائن تھے جاگیریت کی یہ دونوں شقیں بھی نہ صرف اپنی اصل میں مختلف تھیں بلکہ جب تک یہ دونوں ساتھ ساتھ موجود رہیں ان کے اداروں اور قانون میں بھی بین فرق رہا۔ زمانۂ جاگیری میں بھی یہ کبھی خلط ملط نہیں ہونے۔ اس زمانے میں فوجی اور معاشی عطیات اراضی یعنے امیرانہ عطیات اور محکومانہ مقبوضات ایک دوسرے سے بالکل الگ رہے۔ ایک قطعۂ زمین پر وقت واحد میں دو مختلف اشخاص دونوں قسم کی حقیتوں کے ساتھ قابض رہتے تھے۔ مینر ایک فوجی جاگیر تھا جس پر بیرن منجانب پادشاہ قابض ہوتا تھا اور یہ ان خدمتوں کے لئے تھی جو بیرن کو بہ حیثیت ایک نائٹ کے اپنی طرف سے ادا کرنی پڑتی تھیں ساتھ ہی اسی مینر کے ایک بڑے حصہ پر محکوم اور آزاد مستاجرین قابض تھے۔ یہ اپنے عطیاتِ اراضی کے عوض میں محنت کرتے تھے اور اس محنت سے پرگنے کی کاشت ہوتی اور آمدنی حاصل ہوتی تھی۔ لیکن دونوں عطیاتِ اراضی میں علانیہ فرق تھا۔ دونوں اپنے الگ الگ قواعد و قانون کے پابند تھے جن کا نفاذ ان کی جدا گانہ عدالتوں میں ہوتا تھا۔ جس طرح جاگیریت کی یہ دونوں شقیں اپنی اصل میں مختلف تھیں اور اپنی تاریخ کے ایک بڑے دور میں الگ الگ رہیں اسی طرح ان کا آخری انجام بھی بالکل مختلف ہی ہوا۔ سیاسی جاگیریت تو تیرھویں صدی کے وسط سے غائب ہونے لگی تھی کیونکہ مملکت کو امورِ سلطنت کے انصرام کے اس سے بہتر طریقے معلوم ہونے لگے تھے اور چودھویں صدی تک تو اس کا نام و نشان نہیں رہا۔ برخلاف اس کے زراعتی انتظام کے اچھے طریقے بہت دیر میں معلوم ہوئے اس لئے یہ نظام مینر مع اپنے قانون اور عدالت کے مزید دو سو سال تک جاری رہا یہاں تک کہ سترھویں صدی میں چند امر کافی

نوآبادیوں میں بھی اس کی نقل اتاری گئی۔ چنانچہ اس وقت ہمارے پاس مستعمراتی عدالت
مینر کے مطبوعہ کاغذات موجود ہیں۔

نظام مینر۔ انگلستان کے سیکسن دور میں زمین کی کاشت اور غلامانہ کاشتکاری کے انتظامات جن کا اوپر ذکر آگیا ہے معاشی جاگیریت کے بالکل مشابہ تھے اسلئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ نظام جاگیری کی یہ شق نارمن فتح سے پہلے انگلستان میں جاگزیں ہوگئی تھی۔ وہ حالات جو تمام رومن شہنشاہیت میں اس کی ترقی کے موافق ثابت ہوئے نیز وہ ادارے جن سے یہ شق پیدا ہوئی ہے برطانیہ میں بھی موجود تھے۔ غالباً یہ صحیح ہے کہ مینر اپنے مکمل دستور کے ساتھ عام طور پر نہیں پایا جاتا تھا اور اس نام کا تو یقینی پتہ نہیں تھا۔ لیکن اس نظام کا جس قدر حصہ بھی موجود تھا اس کو مکمل نظام سے تمیز کرنا ذرا مشکل ہی ہے۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اس تنظیم مینر کی تکمیل میں صرف تھوڑی سی کسر باقی تھی اور درحقیقت کسی اداراتی تغیر کی ضرورت نہ تھی۔ مینر والے خانگی اختیارات پوری طور پر ترقی پا چکے تھے اور ان سے مقامی عمومی عدالتوں کے حدود و اختیارات اس قدر مغلوب ہوگئے تھے یا ان سے ملحق ہوگئے تھے کہ نارمنوں کو ان کے متعلق اپنی طرف سے کچھ کرنا نہیں تھا کہ ان کی ترقی مسدود کی جائے۔

برخلاف اس کے انگلستان میں سیاسی جاگیریت کا وجود نہیں تھا۔ دوسرے الفاظ میں یہ نہیں تھا کہ شہریوں کے عام فرائض یعنے ان کی فوجی عدالتی اور زمینداری خدمتیں ان خانگی ذمہ داریوں میں مبتدل ہوگئی ہوں جن کا ایک شہری دوسرے شخص کے مقابلے میں پابند ہو اور اس کی عطیہ زمین کی طرف سے اپنے شخصی تعلق کی بنا پر ذمہ داریاں پوری کرتا ہو۔ البتہ اس کے ابتدائی اور متفرق اجزا پائے جاتے ہیں جن سے جاگیریت کا شاید نشو و نما ہوا ہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاہی ندما کا ذاتی تعلق جس کا اوپر ذکر آچکا ہے سیکسن مملکت میں بہت دیر تک قایم رہا اور یہ لوگ حسب قاعدہ ایسی زمینوں پر قابض تھے جن کے ساتھ چند خاص ذمہ داریاں وابستہ تھیں یعنے پادشاہ کی خدمت کریں اور اس کے وفادار رہیں۔ جوار ذات اور جوار اراضی کے طریق میں خاطر خواہ ترقی ہوچکی تھی اور اس طریقے سے بہت سے آزاد لوگ اور آزاد اراضی غلامانہ تعلق میں آگئے تھے۔ بعض صورتوں میں یہ لوگ اپنے رئیس کے مقابلے میں ایسا

حلف لیتے تھے جو قریب قریب حلف وابستگان کے لگ بھگ ہوتی تھی۔ یہ تعلق بعض دفعہ "وابستگی" (Vassalage) کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا اس پر کچھ اعتراض بھی نہیں ہوسکتا، کیونکہ ہمعصر فرنگی سلطنت میں قریب قریب اسی قسم کے تعلقات کے لئے جو یہاں کی طرح ابھی ناقص تھے بالکل یہی اصطلاح استعمال ہوتی تھی۔ لیکن اس اصطلاح سے اس ادارے کا مفہوم نہیں لینا چاہئے جو بعد کو پیدا ہوا۔ سیاسی جاگیریت پیدا ہوئی تو صرف دو چیزوں کے ملنے سے ہوئی۔ ایک ذاتی وابستگی دوسرے مشروط الخدمت جاگیر۔ جس وقت ایک وابستہ کو وابستہ سمجھکر جاگیر دی گئی اور جاگیر دینے کی وجہ سے وہ فوجی اور دیگر خدمتوں کا ذمہ دار سمجھا گیا تو اس وقت سمجھنا چاہئے کہ مغربی یورپ کا نظام جاگیری عالم وجود میں آگیا۔ اگرچہ یہ بعید از قیاس ہے مگر ایک شخص یہ خیال کرسکتا ہے کہ سیکسن انگلستان میں اس مرکب نتیجہ کا صرف ایک جزو ترکیبی ترقی پاچکا تھا مگر اس بات کا ثبوت نہیں کہ آیا اس زمانے میں اس کے دونوں اجزائے ترکیبی باہم مل گئے تھے۔ لیکن ایسی جاگیر جو وابستگان کے انعام کے طور پر تصور کی جائے اور جس کے ساتھ ایسی خاص وفاداری، خدمت گزاری مشروط ہو جو قبضۂ زمین کی حیثیت قرار پائے نارمنی فتح ہی کے ساتھ انگلستان میں آئی۔

امور مملکت کے انصرام کے لئے جو ذرائع اور ضابطے سیکسن حکومت کو حاصل تھے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خصوص میں یہ حکومت اس قبیلہ واری مملکت سے کچھ زیادہ بہتر نہیں تھی جو ابتدائی توطن کے بعد پہلے پہل انگلستان میں پیدا ہوئی۔ یہ بات تک تصور تھا کہ فوجی خدمت مع مصارف ضروری ہر آزاد رکن ملت پر واجب ہے اور اس کی عدم تعمیل پر ایک بڑا جرمانہ مقرر تھا جو "جرمانۂ فوجی خدمت" (Fyrd wite) کہلاتا تھا لیکن، واقعاً آزاد اشخاص کے اراضی پر قابض ہوجانے اور مملکت کے وسیع ہونے سے تقریباً اسی قسم کے مسائل پیدا ہوگئے تھے جیسے اس سے بڑی فرنگی سلطنت کے کیرولنجی حکمرانوں کے لئے دشواری سے خالی نہ ثابت ہوتے تھے اور تقریباً اسی طریقے سے ان کو حل کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ چونکہ جاگیری علاقہ جات کے پھیلنے سے بہت سے آزاد لوگ محکومانہ تعلق میں داخل ہوگئے تھے اور زمانۂ گرما کی مہمات کا ان لوگوں پر جو اب بالکل زراعت پیشہ ہوگئے تھے خاطر خواہ بار پڑنے لگا تھا اس لئے آزادوں کی

فوجی بھرتی اب بہت کم قابلِ اعتماد تھی اور اس کی تعمیل بھی مشکل سے خالی نہ تھی۔ بعد کے سیکسن دور میں میلان اس طرف ہو گیا تھا کہ خدمت گزاریوں کا تمام بار زمین پر ڈالا جائے اور مالک زمین کو اس کی جائداد کے تناسب سے ایک خاص خدمت کا ذمہ دار ٹھیرایا جائے یا تمام اراکینِ ملت کو ایک معین رقم کا اس طرح ذمہ دار بنایا جائے کہ سب مل کر اپنے سپاہیوں کے مشترکہ مصارف کا بار اٹھائیں۔ لیکن ان تدابیر کو یہاں ایسا عملی جامہ نہیں پہنایا گیا جیسا فرانکی مملکت کے قبل جاگیری زمانے میں کیا گیا تھا۔ اور تا زمانۂ فتح نارمن یہ مسئلہ کہ خاطر خواہ فوجی خدمت کس طرح حاصل کی جائے کبھی حل نہیں ہوا۔

محاصل عامہ۔ محاصل عامہ کے شعبے میں مملکت کی کل اور بھی ناقص تھی موجودہ مفہوم کے مطابق اس وقت کوئی باضابطہ محاصل نہیں تھے۔ محصول ڈین جو بظاہر اجزائے محاصل کے بہت لگ بھگ ہے دسویں صدی کے آخر میں عائد کیا گیا تھا۔ اس کا اوپر ذکر ہوا ہے کہ اس کی غرض یہ تھی کہ ڈینی حملہ آوروں کا منہ بھر کر ملک سے باہر کر دیا جائے۔ اڈورڈ تائب کے عہدِ حکومت کو چھوڑ کر گیارھویں صدی میں یہ عمل اکثر وقفے دیکر جاری رہا اور اس کی شرح فی ہائیڈ زمین دو شلنگ تھی۔ لیکن فتح کے بعد تک اس میں باضابطہ سالانہ محصولِ جاریہ کی شان نہیں پیدا ہوئی۔ صرفِ خاص کی آمدنی جو دیوانی آمدنی سے ہنوز ممیز نہیں تھی اس کا ایک بڑا حصہ دو ذرائع سے جمع ہوتا تھا۔ ایک مداخل اراضی صرفِ خاص۔ دوسرے صوبے پرگنے اور بلدیوں کی مقامی عدالتوں کے جرمانے اور ضبطیوں سے جو رقوم حاصل ہوتی تھیں ان میں بادشاہ کا ایک خاص حصہ تھا۔ یہ تو ہم ثابت نہیں کر سکتے کہ محاصل کے یہ دو ذرائع سنہ ۱۰۶۶ء سے پہلے یکجا ہو کر شیرف کی تحصیلِ جمع بندی میں داخل ہو گئے تھے لیکن کم از کم اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ جمع بندی کے اس طریق میں بہت کچھ ترقی ہو چکی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ یکجائی مقامی حلقوں میں اور غالباً بعض اوقات اضلاع میں عمل آئی تھی اور جمع بندی کا کام مقامی منتظمین یعنے غالباً شیرفوں کے سپرد تھا۔ قانونی عدالتوں کے جرمانوں کے علاوہ جو بعد کو شیرف کی تحصیل میں داخل ہو گئے تھے چند فوجداری جرائم بھی تھے جو بعد کو "استغاثہ جات تاج" (Pleas of the crown) کہلانے لگے۔ ان کے جرمانے بادشاہ کے لئے مخصوص تھے اور شیرف کو ان کا علیحدہ حساب دینا پڑتا تھا۔ ان جرائم میں سے کم از کم تین ایسے

ہیں جو قدیم سیکسن زمانے سے چلے آتے ہیں یعنی نقض امن شاہی۔ مداخلت بیجا بہ خانہ اور مداخلت بہ انصاف مثلاً ایک خارج از قانون کو پناہ دینا۔ ممکن ہے کہ دیگر جرائم بھی اس فہرست میں شامل ہوں جن کا تعلق سب جگہ نہیں تو کم از کم سلطنت کے چند حصول سے ہو ان جرائم کے تمام جرمانے بالکلیہ بادشاہ کو واجب الادا تھے اور ان میں بھاری بھر کم جرمانے اور کامل ضبطیاں بھی شامل تھیں۔

ان کے علاوہ دیگر ذرائع آمدنی ایسے بہت نہیں تھے جن کے متعلق ہم یقین کے ساتھ یہ کہہ سکیں کہ یہ سیکسن بادشاہوں کو حاصل تھے اور جو تھے بھی وہ اکثر کلیساؤں کو عطا کئے اور لوگوں کو مرحمت کئے گئے تھے۔ ان میں مختلف قسم کے محاصل راہداری تھے جو بلدیات۔ بازارات اور بندرگاہوں میں لئے جاتے تھے۔ منافع ٹکسال تھا جو اس زمانے میں مقابلۃً بہت ترقی یافتہ نہیں تھا۔ تباہ شدہ جہاز تھے جن پر زمانہ وسطیٰ میں حق حاصل تھا۔ اور وہ فیس تھی جو خاص شاہی حفاظت مختلف حقوق اور امتیازات کے عطا کے وقت لی جاتی تھی۔ چند مصارف کی سلطنت کو بچت بھی تھی کیونکہ یہ اہل ملک کی خدمات اور صرفے سے پورے ہو جاتے تھے۔ ان میں سے مشہور واجبات ثلاثہ (Trimoda Necessitas) ہیں یہ ایک زمین کا محصول تھا کہ قابض اراضی پر پلوں کی مرمت۔ قلعوں کی حفاظت۔ و مدافعت۔ اور جنگ میں شریک ہونے کی ذمہ داری تھی۔ اس وقت خزانے کا کوئی مستقل انتظام یعنی شیرف کی جمع بندی وصول کرنے اور اس کے حسابات کی تنقیح کرنے کا کوئی طریقہ رائج نہیں ہوا تھا۔ لیکن ایک رسمی خزانہ داری ضرور تھی جو غالباً بعد کی کیفیت کی بنیاد ثابت ہوئی۔ خزانے کے چند اصول بھی استعمال کئے جاتے تھے مثلاً سکوں کی قدر فلزاتی کا تعین کیا گیا تھا جس کو تبییض (Blanching) کہتے ہیں۔

جس وقت سیکسن سلطنت کا خاتمہ ہو گیا مرکزی حکومت کے آئندہ ارتقا کا منظر کچھ امید افزا نہیں تھا۔ ارل جو مقامی نائب حکومت تھا اس کی طاقت شاہی اقتدار کے علی الرغم بحیثیتی سے برابر بڑھ رہی تھی۔ ارلیات کا ایک بڑا حصہ سمٹ کر گاڈون اور لیوفرک کے رقیب خاندانوں کے ہاتھ میں آگیا تھا اور اڈورڈ تائب کی پچیس [۲۵] سال کی حکومت کے اثناء میں قوم کو یہ سبق مل گیا تھا کہ بادشاہ کو بہت کمزور سمجھنا چاہئے۔ مقامی اور خاندانی رقابتیں دونوں یکساں اپنا اثر دکھا رہی تھیں اور ولیم فاتح نے

جو مضبوط حکومت قایم کی تو اس نے دستور کی اطمینان بخش اور تیز ترقی کے لئے راستہ صاف کر دیا۔

BIBLIOGRAPHICAL NOTE:—H. M. Chadwick, *Anglo-Saxon Institutions*. 1905. L. M. Larson, *The King's Household before the Norman Conquest*. 1904. F. *Liberman, Die Gesetze der Angelsachsen*, 3 Bde, 1898-1916; *The National Assembly in the Anglo-Saxon Period* 1913. F. W. Maitland, *Domesday Book and Beyond*, 1897; *Township and Borough* 1898. W. A. Morris, *The Office of Sheriff in the Anglo-Saxon Period*. E. H. R. XXXi 20, 1916. F. Seebohm, *The Village Community*, 1890. Sir, P Vinogradoff, *Villainage in England*, 1892; *The Growth of the Manor*, 1911.

باب ۲

نارمنی فتح

سنہ ۱۰۶۶ء میں ولیم اول کا فوجی غلبہ جس کو ہم نارمنی فتح کے نام سے موسوم کرتے ہیں اس قدر عظیم الشان تھا کہ اس کے بعد تمام ملک اس کے قبضے میں آگیا۔ اگرچہ فتح کے بعد فرانسیسی بولنے والوں کی ایک کثیر تعداد یہاں آکر آباد ہوگئی تھی لیکن مفتوحہ ملک پر قابو رکھنے کے لئے کسی وسیع آبادکاری کی ضرورت نہ تھی اور نہ کوئی ایسی آبادکاری عمل میں آئی۔ چونکہ جنگ ہیسٹنگز کے چند ہفتوں کے اندر ولیم کو اہل لندن اور سربرآوردگان قوم نے اپنا بادشاہ تسلیم کرلیا تھا اور چند مقامی اور متفرق مزاحمتوں کے سوا جو بعد کو ہوئیں کوئی متحدہ مزاحمت بھی پیش نہیں آئی تھی اس لئے ظاہر ہے کہ ولیم حکومت ملک میں جو تغیر چاہتا کرسکتا تھا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ کوئی تبدیلی چاہتا ہی نہیں تھا۔ بلکہ اس کی یہ دانستہ خواہش تھی کہ کوئی تبدیلی ہی نہ ہو یا جہاں تک ہوسکے بہت کم تبدیلیاں ہوں۔ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ جو کچھ بڑے بڑے تغیرات ملک میں واقع ہوئے وہ کچھ اس کے دانستہ ارادے سے نہیں ہوئے بلکہ وہ ایسے ہوئے کہ ان کا ہونا ناگزیر تھا۔ بات یہ ہے کہ اجزائے حکومت کے جو گنے چنے طریقے ولیم کو معلوم تھے ان کے ساتھ ان تغیرات کا پیدا ہونا ایک اتفاقی امر تھا۔ یہ بات بھی غالباً صحیح ہے کہ اس زمانے میں یہ تغیرات ولیم اور دوسروں کے نزدیک

اس قدر انقلابی اور گہرے نہیں تھے جس قدر اب ہم کو معلوم ہوتے ہیں۔ چونکہ اداراتی انتظام کی بہت سی فروعات ایسی تھیں جو انگلستان اور نارمنڈی دونوں ملکوں میں یکساں تھیں اس لئے کسی تغیر کی ضرورت نہ تھی۔ چند اہم صورتوں میں تغیرات ضروری تھے چنانچہ ان کے گہرے اثرات ہم کو صاف دکھائی دیتے ہیں مگر سچ تو یہ ہے کہ جو میلان ان تغیرات کے باعث ہوئے ہیں وہ مدت سے اپنا کام کر رہے تھے اور سیکسن مملکت کو ایسے اداراتی نتائج کے قریب کھینچ لے جا رہے تھے جن کے مشکل نتائج اس کے پہلے نارمنڈی میں پیدا ہو چکے تھے۔ نارمن فتح نے صرف اس ترقی کو یکدم آگے بڑھا دیا اور اس کا جو نتیجہ نکلا وہ بالکل وہی تھا جو خود بخود اپنے وقت پر پیدا ہو جاتا۔ ملکیت اراضی کو چھوڑ کر جس قدر تغیرات ہوئے ہیں وہ اس قدر خفیف ہیں کہ معاصرین کا ان پر کافی غور نہ کرنا اور قلمبند کرنے کے قابل نہ سمجھنا کچھ اچنبھے کی بات نہیں ہے۔

ولیم اول کے عہد کی دستوری تاریخ خود بخود دو حصوں میں منقسم ہو جاتی ہے۔ ایک وہ تغیرات ہیں جو فتح کے سبب سے وجود میں آئے دوسرے وہ ادارات ہیں جو تقریباً اپنی حالت پر قائم رہے۔ اگر مبالغہ نہ ہو تو ان دو حصوں کی عام وضاحت اس طرح ہو سکتی ہے کہ عام یا مرکزی حکومت تو متغیر ہوئی لیکن مقامی ادارات پر صرف ایک ہلکا اثر پڑا۔ مگر جب ہم اس مضمون پر روشنی ڈالتے ہیں تو ان دونوں حصوں کے درمیان ایک بیّن خطِ فاصل کھینچنا ناممکن معلوم ہوتا ہے کیونکہ مرکزی حکومت کا بہت کچھ حصہ ایسا بھی ہے جو نہیں بدلا برخلاف اس کے مقامی حکومت کے شعبے میں اہم تبدیلیاں کی گئیں جن پر اس موضوع کے سلسلے میں غور کیا جائیگا۔ عام وضاحت کا لحاظ کرتے ہوئے یہ تقسیم کچھ غلط نہیں ہے اور ہمارے مواد کی ترتیب کے لئے بھی بہت مفید ہے حقیقت یہ کہ مرکزی یا قومی حکومت نارمن ہو گئی اور مقامی حکومت عرصے تک سیکسن رہی۔

مرکزی حکومت کی تبدیلیاں ۔ مرکزی حکومت ملک کے شعبے میں دو تغیرات ایسے ہیں جن کا پلّہ بہ لحاظ اہمیت سب میں بھاری ہے۔ ایک یہ کہ سیکسن شاہی کی جگہ ایک زبردست شاہی اقتدار قائم کیا گیا اور دوسرے سیاسی جاگیریت قائم کی گئی۔ ان دونوں میں سے کسی کی نوعیت معمولی نہیں ہے یعنے ان کا صرف مفہوم اتنا محدود نہیں ہے جو ان اصطلاحوں کی تنگ تاویل سے ظاہر ہوتا ہے بلکہ ان کی نوعی

شامل تھی یعنے ان کے ساتھ ساتھ بہت سے ذیلی یا باہم پیوستہ تغیرات شامل تھے۔ یہ بات بھی صحیح ہے کہ تغیرات کے ان دونوں مجموعوں کو ہم ایک دوسرے سے بالکل جدا نہیں کر سکتے بلکہ اپنی اصلی حالت میں ان کا کم و بیش چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ہم ان پر جو الگ الگ بحث کرتے ہیں تو صرف اپنی سہولت کے لئے کرتے ہیں۔

اس وقت اور آگے چل کر جب ہم ایسے ادارات کو پیش نظر رکھکر جانچنے لگیں جو اپنے میں نوعی خصوصیت رکھتے ہیں تو ہمیں ایک غلط فہمی سے بچنا ضروری ہے۔ کسی ادارے کی ماہیت یا اس ادارے کے اصولی اور عملی تغیر کو بغیر اصطلاحی الفاظ کے ظاہر کرنا بعض وقت بہت مشکل ہو جاتا ہے اور اصطلاحوں سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ ان اداروں کے متعلق ہم جو خیال ظاہر کرتے ہیں ان کے معاصر بھی وہی خیال ظاہر کرتے تھے، مگر یہ خیال اکثر غلط ہوتا ہے۔ مثلاً نارمن شاہی کو لو جس مواد سے ہم اس کی تمام تاریخ پڑھتے ہیں۔ اس کی نظری اور عملی ماہیت کے متعلق ہم ایک تصور قائم کر لیتے ہیں جو اس زمانے کے لوگوں کے ذہن میں بالکل نہ تھا۔ ہمارا مطمح نظر ہوتا ہے، ان کا کوئی مطمح نظر نہیں تھا۔ تیرھویں صدی کے وسط سے پہلے انگلستان کے ارباب حل و عقد نے اپنی حکومت کی نوعیت کے متعلق کوئی نظریہ نہیں بنایا تھا۔ اگرچہ یہ بات ان افراد کے لئے جو اپنے زمانے کی گویا تاریخ بنا رہے تھے نہ صرف ناممکن بلکہ ناقابل فہم تھی، تاہم کسی ادارے یا کسی تاریخی تغیر کے اظہار میں جو الفاظ ہم استعمال کرتے ہیں اور جس غرض سے استعمال کرتے ہیں کہ اس کی ماہیت خوب واضح ہو جائے وہ بھی تاریخی صراحت کے طور پر کبھی غلط نہیں ہو سکتے۔

بادشاہ کی مطلق العنانی۔ طاقت کا لحاظ کیا جائے تو سکسن بادشاہی بہت طاقتور تھی اور جب تک کنیوٹ نے حکومت کی ہے یہ بات بالکل صحیح تھی لیکن صورت حال یہ ہے کہ فتح سے ایک پشت پہلے سے یہ کمزور ہاتھوں میں ہو کر گزر رہی اور ان اربابات کے پیچھے چھپ گئی جو آخری سکسن دور میں پیدا ہوئے تھے۔ عملی اور اداراتی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ انگلستان میں اب تک مستحکم اور دیرپا مرکزی حکومت کی کوئی روایت قائم نہیں ہوئی تھی جو نارمن حکمرانوں کو حاصل تھی نہ کوئی ایسی معین اداراتی عضویت کا وجود تھا جو ایک طاقتور حکومت کو عمل میں لانے کے لئے ضروری ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان دونوں لحاظ سے سنہ ۱۰۶۶ء کی

نارمن حکومت ۱۲۱۶ء کی جان کی حکومت سے گری ہوئی تھی لیکن اڈورڈ تائب کی حکومت سے بہت بڑھی ہوئی تھی جو اول الذکر سنہ میں قائم تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جوں جوں زمانہ گزرتا گیا دوراندیش اور لایق بادشاہوں کو اسی سیکسنی بنیاد پر طاقتور شاہی قائم کرنا نہایت آسان ہو گیا۔ درحقیقت بات یہ ہوئی کہ نارمن شاہی مع اپنی روایتوں اور عملدرآمد کے ایک ہی جنبش میں سیکسنی شاہی کی پوری طور پر قائمقام ہوگئی سیکسنی شاہی بالکل غائب ہوگئی اور نارمن شاہی نے اس کی جگہ لے لی اور انگلستان میں بھی وہ اسی طرح غالب ہوگئی جس طرح نارمنڈی میں تھی۔

نارمن شاہی کو حکومت میں جو اقتدار اور درجہ حاصل تھا اس کا باعث یہ نہیں تھا کہ اس زمانے کے لوگ کسی نصب العین کو اپنے سامنے رکھتے تھے کہ پادشاہی ایسی ہونی چاہئے یا مملکت اور اس کے دستور کا کوئی نظری تصور ان کے مدنظر تھا۔ اگلی صدی میں البتہ ایسے نصب العین کہ پادشاہی ایسی ہونی چاہئے انگریزی ادارات کی تاریخ میں ضرور اثر ڈالنے لگے تھے لیکن فتح کے سبب سے مرکزی حکومت کی نوعیت میں جو تغیرات ہوئے ہیں ان میں ایسے نصب العین کا نام و نشان نہیں پایا جاتا۔ صرف بات اس قدر تھی کہ نارمنڈی کے رئیس نے اپنی حکومت انگلستان میں منتقل کر دی اور اس کے ساتھ ایسے ادارات اور طریقۂ کار لائے جو اس کے نزدیک ضروری تھے۔ انگلستان میں ڈیوک اس وجہ سے بالکلیہ مقتدر ہو گیا کہ نارمنڈی میں وہ اسی طرح مقتدر تھا اور ہمیشہ مقتدر رہ چکا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ اس چیز کے متعلق نہ اس نے کبھی سوچا تھا نہ دوسروں نے بلکہ قدرتی طور پر یہی ہونا چاہئے تھا۔ کسی احساس اور اعتراض کے بغیر سب کچھ تبدیلی ہوگئی جو درحقیقت اپنے نتائج میں انقلابی تھی۔

یہ آئندہ بتایا جائیگا کہ شاہی مطلق العنانی کے قیام کے لئے کس قدر مواد اور کون سی دستوری سہولتیں بہم پہنچی تھیں لیکن سردست یہ بات جتانا ضروری ہے کہ وہ کلیتہً ایک مطلق العنان حکومت تھی۔ نارمن مملکت کی ساخت اور آلات میں کوئی ایسی باقاعدہ دستوری سبیل نہیں رکھی گئی تھی جس کے ذریعے سے کوئی مشیت پادشاہ کے خلاف کام کر سکتی یا کم از کم اپنے کو ظاہر کر سکتی۔ قانون جاگیری نے بیشک ایسی سبیل رکھی تھی جس پر بعد کو غور کیا جائے گا مگر وہ ایسی نہیں تھی جس کو ہم دستوری کہہ سکیں۔ اس کو

عمل میں لانے کے ذرائع تو صرف بغاوت اور خانہ جنگی تھے۔ چنانچہ زمانۂ حال کی دستوری حکومت کے راستے میں جو پہلا قدم اٹھایا گیا وہ یہ تھا کہ منشورِ اعظم میں ایک ایسا طریقہ ایجاد کرنے کی کوشش کی گئی جس سے بادشاہ کے خلاف بغیر خانہ جنگی کے مشیت کا اظہار ہو سکے۔ اور یہ فتح کے ڈیڑھ سو سال کے بعد ہوا۔ اس زمانے میں بادشاہ کی ذات بالکل اسی طرح سے گویا مملکت بنی ہوئی تھی جس طرح فرانس کے لوئی چہاردہم کے عہد میں سلطنت کے عہدہ دار مثلاً صدرِ اعظم، مہتمم خزانہ اور شیرف بادشاہ کے خادم تھے۔ مقامی حکومت سے بالاتر جس قدر مملکت کے کل ویرزے تھے سب اسی کے تھے اور ان کل و پرزوں کو متحرک کرنے والی طاقت محض بادشاہ کی مرضی تھی۔ جب بادشاہ قوی ہوتا اور زور سے حکومت کرتا تو مملکت کا انتظام درست رہتا تھا اور جب وہ کمزور اور مستلون ہوتا تو تمام انتظام درہم برہم ہو جاتا تھا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مملکت کا تمام رقبہ ایک بیرن کے مینر کی طرح بادشاہ کی جاگیر اور اراضی خاص کے مترادف تھا اور اس کی مالگزاری بادشاہ کی خانگی آمدنی تھی۔ انصاف اس کی عطا تھی اور یہ حق اسی کو حاصل تھا کہ سب سے اپنا انصاف منوائے۔ قانون کی خلاف ورزی خود بادشاہ کی ذاتی مضرت تھی۔ عدالتیں اور عادل سب اس کے آلۂ کار تھے۔ مجلس عظمیٰ جو قومی مجلس سمجھی جاتی تھی وہ خود بادشاہ کا کام کرنے کے لئے تھی قوم کا کام نہیں اس مجلس کو عرضداشت پیش کرنے کے سوا کسی آغاز تحریک کا حق حاصل نہیں تھا۔ اس مجلس کی قراردادیں خود بادشاہ کی قراردادیں ہوتی تھیں اور جب تک بادشاہ منظور نہ کرے وہ غیر مصدقہ ہوتی تھیں۔ اور یہ وہ چیز ہے جو موجودہ مملکت میں اقتدارِ اعلیٰ کے امتناع مطلق سے تعبیر کی جائیگی۔ غرض بادشاہ اس بات کا مدعی تھا کہ مملکت اور مملکت کے متعلقات اور اس کے تمام افعال اسی کے ہیں۔ یہ ہے انگلستان کی اس زمانے کی واقعی حالت جو مغربی یورپ کے کسی مقام کی تاریخ میں مشکل سے ملے گی۔

شاہی اقتدار کے خاص اسباب۔ لیکن یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ بادشاہ کے یہ انتہائی اختیارات محض اس کے زعم سے قائم تھے بلکہ اس کو بعض زبردست سہولتیں بھی حاصل تھیں جو اس کے اقتدار کے لئے زبردست بنیاد کا کام دیتی تھیں۔ پہلی بات جو سب سے زیادہ اہم تھی وہ بادشاہ کی فوجی طاقت تھی جو بادشاہ کے ہر مخالف اجتماع سے برتر تھی۔ یہ فوجی برتری دو چیزوں پر قائم تھی۔ ایک بادشاہ کی عظیم الشان ذرائع

ہنوز باقی تھی اور یہ بادشاہ کی طاقت کا ایک جداگانہ سرچشمہ بنی ہوئی تھی۔ اور یہ فوج ردیف اس زمانے میں یورپ کی دیگر جاگیری مملکتوں کی فوج کے مقابلے میں زیادہ زوردار تھی ہنری اوّل کے ابتدائے عہد میں اور ۱۱۷۳ء میں جو بیرنوں کی زبردست شورشیں ہوئیں تھیں اس وقت اس فوج ردیف نے بادشاہ کی اہم خدمت انجام دی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ بادشاہ کی عظیم الشان آمدنی اور عظیم الشان فوجی طاقت اس کے اقتدار کے دو زبردست اسباب تھے لیکن ان کے علاوہ دوسری اور چیزیں بھی تھیں جو بادشاہ کا اقتدار بڑھاتی تھیں۔ یہ بات خاص طور پر اہم تھی کہ جاگیریت جس طرح نارمنڈی میں اس کا عملدرآمد تھا اور جس طرح وہ انگلستان میں منتقل کر دی گئی تھی بیرنوں کے لئے ایک رکاوٹ تھی کہ کوئی بیرن خواہ اس کی بیرنی کتنی بڑی کیوں نہ ہو اس کو ایک خودمختار ریاست نہیں بنا سکتا تھا۔ برخلاف اس کے براعظم میں جہاں ایسی بیرنیاں قائم ہوئیں حالات ایسے ہوئے کہ بیرنوں نے بلاوقت تمام ضلع میں حکومت کے انتظامی فرائض خود اپنے ہاتھ میں کر لئے اور مقامی عدالتوں کی جو مرکزی عدالت کے ماتحت تھی اس کو توڑ دیا۔ یوں نظری اعتبار سے ممکن ہے کہ کچھ ماتحتی ہو مگر حقیقت حال میں نظم و نسق اور معدلت میں بادشاہ سے بے نیاز ہو جانا حقیقی خودمختاری کے مترادف تھی۔ انگلستان میں ایسی مطلق العنانی ممکن نہ تھی۔ شیرف جو مقامی انتظامی عہدہ دار تھا اس پر بادشاہ ہمیشہ اچھی خاص گرفت رکھتا تھا۔ اگرچہ یہ صحیح ہے کہ خانقاہوں اور خانگی روسا کو عدالتی اختیارات کے بہت سے عطایا حاصل تھے اور بعض مرتبہ ان عطایا میں مجرمین کا قصاص بھی شامل تھا لیکن ان "آزادیوں" کے باعث مرکزی معدلت گستری میں کوئی مداخلت نہیں ہوتی تھی۔ اگر کوئی مداخلت ہوتی تھی تو وہ مقامی عدالت میں ہوتی تھی۔ اور سچ تو یہ ہے کہ نارمنی دور میں سرے سے اس بات کا احساس ہی نہیں تھا کہ ایسی کوئی مداخلت ہوئی بھی ہے۔ مقامی معدلت گستری پر شاہی عدالت کے ذریعے جو شاہی قیاوت عمل میں آتی تھی وہ پہلے کے بہ نسبت اس وقت بہت گہری اور موثر ہو گئی تھی نیز ایک رئیس کو حصول "آزادی" سے اور مملکت کو اس کی عطا سے جو فائدے اور نقصان ہوتے تھے وہ محض مالی تھے یعنے عدالت کے فائدے ایک خانگی شخص کے ہاتھ منتقل ہو گئے تھے۔ مگر کوئی بیرن خواہ وہ کتنا ہی ذی اقتدار کیوں نہ ہو شاہی انصاف کی ذمہ داری سے بچا ہوا نہیں تھا اور اس کے اسامی کو یہ حق حاصل تھا کہ خود عدالت

بیرنی کی بیجا دست درازیوں کے خلاف شاہی حمایت کے لئے مرافعہ کرے۔ انگریز بیرن کو پادشاہ کے خلاف کوئی قلعہ رکھنے کا اختیار نہیں تھا۔ قلعے سب بادشاہ کے تھے اور بیرن پادشاہ کی طرف سے صرف اس کے قلعہ دار تھے۔ صرف بغاوت ہی کی حالت میں ایک بیرن حکمران وقت کے خلاف قلعے میں قدم جما سکتا تھا۔

ان کے علاوہ پادشاہ کو چند اخلاقی فائدے بھی حاصل تھے جو مادی تو نہیں تھے مگر حقیقت سے دور بھی نہیں تھے۔ رسم تاجپوشی کی تدہین پادشاہ کو "مقدس" بناتی تھی۔ اس زمانے کے خیالات کے مطابق اس رسم سے پادشاہ کو ایک خاص قسم کا "حق منجانب اللہ" حاصل ہوتا تھا اور اس طریقے سے بغاوت ایک حد تک کفر کا حکم رکھتی تھی۔ اس کے علاوہ نارمنوں کا یہ دستور قدیم فرانکی مملکت سے چلا آ رہا تھا کہ ہر ذیلی اسامی اپنے رئیس کی وفاشعاری کی قسم کھاتے ہوئے پادشاہ کی وفاشعاری کا پہلو باقی رکھتا تھا اور کبھی کبھی پادشاہ تمام زمینداروں سے براہ راست اپنی حلف وفاداری لیتا تھا۔ اگرچہ کھلی بغاوت کے وقت تمام تحتانی اسامیوں کو بہ حیثیت طبقے کے یہ حلف پادشاہ کی وفاداری پر مجبور نہیں کرسکتا تھا تاہم اس سے ایک باقاعدہ شورش کھڑی کرنے میں بہت سی دقتوں کا سامنا ہوتا ہوگا اور اکیلے شخص کے لئے بغاوت کرنا تو ناممکن ہو جاتا ہوگا۔ انگلستان کا نارمن پادشاہ ہر اعتبار سے مملکت کا جزو اعظم تھا اور طاقت میں اس زمانے کے یورپ کے تمام حکمرانوں سے بڑھا ہوا تھا۔ اس کا اقتدار اس قدر حاوی تھا کہ بلاطی ارلیات (Palatine earldoms) بھی کبھی سیاسی مطلق العنانی کے دعوے نہیں کرسکیں حالانکہ وہ خاصی اور بڑی اور خاطر خواہ مربوط ریاستیں تھیں جن کو انتظامی اور عدالتی اختیارات حاصل تھے اور جہاں شاہی شقوں کو دخل نہیں تھا۔

نارمن ارل۔ سیکسنی دور میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ ارل اور شیرف ایسے دو عہدہ دار تھے جو صوبوں میں مرکزی طریق حکومت ونظم ونسق کی نیابت کرتے تھے۔ اپنے وطن میں حکومت کر کے نارمن اس قابل ہوگئے تھے کہ ان دونوں عہدوں کو اچھی طرح سمجھنے اور ان کو جاری رکھیں۔ نارمن ڈیوک کے کونٹ اور ابتدائی سیکسن الڈرمن میں بین فرق تھا۔ کونٹ زیادہ تر جاگیردار تھے عہدہ دار نہ تھے۔ ڈین فتح کے بعد جو کایا پلٹ ہوئی تو دور مابعد کے سیکسن ارل نارمن طرز کے قریب تو ہوگئے لیکن پھر بھی کلیتہً اس کے مطابق نہیں ہوسکے۔

نارمن فتح نے تو اور بھی وسیع تغیرات کر دیئے سیکسن نام "ارل" تو باقی رہ گیا لیکن اس نام کے سوا پرانے ادارے کی کوئی اور بات باقی نہیں رہی۔ ۱۰۶۶ء کے بعد ارل کسی معنے میں عہدہ دار نہیں رہا۔ اگرچہ اس کا خطاب ابتک ایک صوبے Shire سے حاصل تھا جو اب کونٹی کہلانے لگا تھا اور اب تک اس کو بعض صورتوں میں صوبے کی عدالتی آمدنی یعنے ثلث بھی وصول ہوتی تھی مگر سوائے بلاطنی ارلیات کے صوبے کی حکومت سے اس کو کوئی سروکار نہیں رہا تھا۔ اس کا نام محض ایک خطاب ہو کر رہ گیا تھا جس سے امارت کا ایک درجہ معلوم ہوتا تھا، اور اگر کسی خاص صورت میں اس خطاب کے ساتھ کوئی اور چیز شامل ہو جاتی تھی تو خاص عطیئے سے اس کا اظہار ہوتا تھا۔ اس قسم کے عطایا سے عدالت اور انتظامات کے شاہی حقوق اور اختیارات بلاطنی ارلیات کو خصوصاً چسٹر کو ویلز کی سرحد پر اور ڈرہم کو جو اسکاچستان کی سرحد پر اسقف کے قبضے میں تھی دیئے گئے تھے۔ عام ضابطہ سے یہ ایک طرح کا انحراف تھا اور انگلستان میں سرحدوں کی پرآشوب حالت کا لحاظ کرتے فوجی اغراض کے لئے ان کی ضرورت تھی۔ تاہم عام الفاظ میں ارل یہ سرکاری ادارے کی حیثیت سے فتح کے بعد باقی نہیں رہا۔

نارمن شیرف۔ نارمن لوگ سیکسن شیرف کے عہدے کو ارل کے عہدے سے بہتر سمجھ سکتے تھے۔ مغربی فرانکی مملکت سے ان کو vicecomes "نائب کونٹ" کا ایک عہدہ ہاتھ آیا تھا۔ یہ عہدہ دار کونٹ کے تمام علاقے یا اس کے مقامی حصے میں کونٹ کی نیابت کرتا تھا۔ کونٹ نارمنڈی کا علاقہ اتنا بڑا تھا کہ اس کو مجبوراً مختلف اضلاع میں اکثر نائب مقرر کرنا پڑتے تھے۔ یہاں یہ لوگ کونٹ کے مفاد کی دیکھ بھال کرتے اور وہ مالی فرائض انجام دیتے تھے جو قریب قریب سیکسن شیرف کو انجام دینا ہوتا تھا۔ نارمنی فتح کے وقت انگریزی عہدہ نارمن عہدے سے زیادہ پختہ اور اپنی نوعیت میں زیادہ مستقل تھا اور ظاہر ہے کہ اسی عہدے سے اس ترقی کا راستہ معلوم ہو گیا جو آگے چل کر ان دونوں عہدوں نے حاصل کی اور ہم کہہ سکتے ہیں۔ یہ ترقی اس عہدے کی سیکسن تاریخ کا لازمی تتمہ تھی۔

چونکہ شیرف صوبے میں بادشاہ کا نائب تھا جو بادشاہ کے اختیارات چلاتا اور اس کے مفاد کی دیکھ بھال کرتا تھا اس لئے جوں جوں بادشاہ کا عہدہ بڑھتا گیا شیرف کا عہدہ بھی بڑھتا گیا۔ دوسری طرف شیرف کے مقامی اختیارات سے مرکزی حکومت کو

متائید ہوتی تھی اور اس میں زور پیدا ہوتا تھا کیونکہ شیرف سیکسن زمانے کی طرح نارمن دور میں بھی مرکزیت کا زبردست آلۂ کار تھا۔ بالعموم صوبے کا بڑا بیرن یہاں کا اور بعض وقت آس پاس کے کئی صوبوں کا شیرف مقرر کیا جاتا تھا اور اس تقرر میں گاہے ماہے موروثی حق کا لحاظ کیا جاتا تھا۔ مگر انگلستان میں کبھی ایسا خطرہ نہیں پیدا ہوا جو بعد کی کارولنجی مملکت میں کونٹوں کی طرف سے پیش آیا تھا کہ ایک روز یہ خدمت خاندانی جائداد میں مبدل ہو جائے گی اور خود مختار ریاست کا مرکز بن جائے گی۔ نارمن ملوکیت بے انتہا طاقتور تھی اور اس میں اتنا زور تھا کہ شیرف کو اپنی عہدہ داری کی حد سے آگے بڑھنے نہیں دیتی تھی اور سخت ذمہ دارانہ حالت میں رکھتی تھی۔ اس کے علاوہ شیرف کو ان مالی سخت گیریوں سے بھی روکا جاتا تھا جو شیرف صوبے کے چھوٹے چھوٹے لوگوں پر کرتا تھا اور ایسے کرنے کے اس کو مواقع حاصل نہ تھے۔ ولیم اول کے عہد میں نہیں تو اس کے بعد ہی شیرف اپنے صوبے کی ایک مقررہ رقم بادشاہ کے خزانے میں داخل کرنے لگا، اور یہ رقم حکومت کے سالانہ مداخل کے طور پر معین کر دی گئی تھی۔ یہ رقم جو شیرف کے مداخل کہلاتی تھی۔ ایک قسم کا لگان Ferm تھی۔ اس کی تکمیل دو ابواب سے ہوتی تھی۔ ایک صوبے کے پرگنہ جات صرفخاص کی آمدنی دوسرے مقامی عدالتی کارروائیوں کی وصولات۔ مقررہ مداخل جمع کرانے کے بعد جو فاضلات رہ جاتے تھے وہ شیرف کا معاوضہ ہوتے تھے۔ لیکن کبھی کوئی صوبہ ایسے لوگوں کے تفویض نہیں کیا گیا کہ وہ سب سے زیادہ رقم داخل کرنے کے لئے تیار تھے۔

صوبہ اور ہنڈرڈ کی مقامی انصاف رسانی سے تو شیرف کا تعلق تھا ہی جو سیکسن دور کی طرح اس وقت بھی برابر قائم رہا مگر اس کے علاوہ مقامی شاہی انصاف رسانی سے بھی جو نارمنوں کی آمد کے ساتھ رائج ہوئی تھی شیرف کا گہرا تعلق ہو گیا۔ مرکزی عدالت Curia Regis کو اضلاع میں پھیلانے کی غرض سے جو مقامی شاہی عدالتیں ولیم نے اکثر قائم کیں ان کے اجلاس کے لئے بادشاہ کے تحریری شقّے سے اراکین مقرر ہوتے تھے جن میں شیرف کو اکثر میر مجلس یا منجملہ دوسرے اراکین کے ایک رکن مقرر کیا جاتا تھا۔ ان عدالتوں میں جو جرمانے عائد ہوتے تھے ان کو شیرف اپنے زائد مداخل کے طور پر جمع کرتا تھا۔ ان شاہی اور مقدمات تاج Pleas of the Crown کی جس پر بعد کو غور کیا جائیگا جوں جوں اہمیت بڑھتی گئی شیرف کے عہدے میں بھی اس اہمیت کا اضافہ ہوتا گیا۔ اگرچہ شاہی انصاف رسانی کے

ان جدید انتظامات سے پہلے بہل شیرف کے اختیارات بڑھ تو گئے گر آخر میں یہی انتظامات دوسرے اسباب کے ساتھ اس کے اختیارات کی بیخ کنی کے باعث ہوئے۔ شیرف کا شاندار زمانہ فتح سے لے کر تیرھویں صدی کے اوائل تک رہا اور یہ وہ زمانہ تھا جب وہ مرکزی حکومت کا جزو لاینفک بنا ہوا تھا۔ تقریباً اس تمام دور میں شیرف ایک ایسا آلۂ کار تھا جس کی مدد سے حکومت سلطنت کی مقامی اکائیوں میں اپنے فرائض انجام دیتی تھی اور کماحقہ مرکزیت پیدا کرتی تھی۔ شیرف حسب ذیل امور کے لئے مرکزی حکومت کے سامنے تنہا ذمہ دار تھا مقامی مالی معاملات میں مرکزی حکومت کے اغراض۔ قیام امن۔ انصاف رسانی۔ اور فوجی خدمت کی فراہمی جو مملکت کا حق تھا۔ اس کے اختیارات اور اس کی اہمیت اس وقت زائل ہونے لگی (اور وہ بھی سرعت کے ساتھ) جب تیرھویں صدی میں مملکت کو ان امور کے انصرام کے دوسرے بہتر طریقے دستیاب ہوگئے اور آخر کو شیرف صرف عدالتوں کا عاملانہ عہدہ دار ہوکر رہ گیا۔

کلیسا۔ طاقتور پادشاہی کے وجود میں آنے سے کلیسا میں جس قدر فوری تغیر ہوا ہے اس قدر انگلستان کی ملکی جدوجہد کے کسی شعبے میں نہیں ہوا۔ یہ تغیر دو مخالف سمتوں سے عمل میں آیا یعنے کلیسا وقت واحد میں خودمختار بھی ہوا اور پابند بھی۔ فتح سے پہلے ولیم نارمن کلیسا پر اس قدر حاوی تھا کہ سیکسن دور میں کسی وقت مرکزی حکومت کو یہ بات نصیب نہ تھی۔ یہ تسلط اس نے پورے کا پورا انگلستان کی طرف منتقل کردیا اور کلیسا کی سیادت اپنے قبضے میں لے لی جو اگرچہ بعد کو وقتاً فوقتاً کمزور ہوتی گئی اور بعض وقت تو بہت ہی ضعیف ہوگئی تھی لیکن یہ کبھی بالکل ہاتھ سے نہیں گئی۔ مورخ ایڈمر Eadmer ولیم کے بعد کے بیس سال کی بابت لکھتے ہوئے کہتا ہے کہ پادشاہ کا منشا یہ تھا کہ کلیسائے انگلستان پر اپنے اختیارات قائم کرے جو نامنڈی میں اس کو اور اس کے آباؤ اجداد کو حاصل تھے اور یہ مورخ تین قاعدے بتاتا ہے جو ولیم کے عہد میں مملکت اور کلیسا کے باہمی تعلقات کو معین کرنے کے لئے جاری کئے گئے تھے جن پر واقع میں عرصے تک عملدرآمد رہا اور قانون ملک کے اس شعبے میں یہ بنیادی حیثیت رکھتے تھے۔ وہ یہ تھے کہ بغیر پادشاہ کی رضامندی کے کسی پوپ کو انگلستان میں تسلیم نہ کیا جائے اور جب تک پہلے پادشاہ کو نہ دکھایا جائے اس وقت تک پوپ کا کوئی مراسلہ ملک میں نہ لیا جائے۔

بغیر بادشاہ کی منظوری کے انگریزی کونسلوں کی کوئی قانون سازی مصدقہ نہیں ہے اور اگر بیرن وعہدہ دارانِ سرکاری کو بغرض سماعت کلیسائی عدالتوں میں طلب کرنا ہو، ان کو خارج از ملت کرنا ہو اور ان کو سخت مذہبی سزائیں دینا ہو تو پہلے بادشاہ کی منظوری ضروری ہے۔ اگرچہ اس طریقے سے ملکی حکومت کا کلیسا پر پہلے سے زیادہ تسلط قائم کیا گیا لیکن ساتھ ہی کلیسا کی مرکزی تنظیم کو بہت کچھ ترقی بھی دی گئی۔ عمال مذہب کے اخلاق اور معلومات کا معیار بلند کیا گیا اور اس مذہبی اصلاح کی ترویج کے لئے جو خانقاہ کلیونی (فرانس) کے ساتھ وابستہ تھی، جس کا اب تک کوئی احساس نہ تھا، بانتہ صاف کیا گیا۔ لوکی پاپائیت کے ساتھ جو اس زمانے میں مرکزیت قائم کر کے قیصریت کی شکل اختیار کر رہی تھی انگریزی کلیسا کے خاطر خواہ روابط قائم کئے گئے۔ اگرچہ بعد کو یہی تغیرات انگلستان میں کلیسا اور مملکت کے درمیان سخت کشمکش کا باعث ہوئے لیکن پہلے پہل ان تغیرات نے جو اثر ڈالا گیا وہ اچھا تھا۔

ایک اور واقعہ ہے جس میں اداراتی اہمیت تھی کلیسا کو عظیم الشان مطلق العنانی حاصل ہوئی۔ ایک اعلان کے ذریعے سے جو غالباً اس کے اوائل عہد میں نافذ کیا گیا تھا ولیم نے ایک قانون کا اعلان کیا جو بادشاہ اور مجلس عظمیٰ کی قرارداد ہونے کی وجہ سے قانون موضوعہ کی شان رکھتا تھا۔ یہ اس بات کا اعلان تھا کہ ملکی اور مذہبی عدالتیں جدا کر دی گئی ہیں۔ آیندہ کسی اسقف کو مذہبی مقدمات کی سماعت کے لئے عدالت ہنڈریڈ میں آنے کی ضرورت نہ تھی بلکہ جہاں وہ چاہتا مذہبی قانون کے مطابق عدالت قائم کر سکتا تھا۔ اب دنیوی لوگوں کو مذہبی فیصلوں کے صدور میں شرکت کرنے کی ضرورت نہ تھی، البتہ سرکاری عہدہ دار بشرط ضرورت ان فیصلوں کی تعمیل کروانے میں مدد دے سکتے تھے۔ اس ذریعے سے صرف یہی نہیں ہوا کہ انگریزی کلیسائی عدالت کو آزادانہ اختیارات مل گئے بلکہ ملک پر مذہبی قانون کا پورا اثر پڑنے لگا جو اس زمانے میں ایک عظیم الشان فنی مجموعہ کی صورت میں ڈھل رہا تھا۔ نیز اس کے ساتھ مرکزی مجلس کلیسا کو دنیوی دست اندازی سے بہت کچھ آزاد کر دیا گیا اور اس کو بہت کچھ قانون سازی کی آزادی دی گئی، اگرچہ یہ قانون سازی ہنوز بادشاہ کے اختیارات منظوری کے تابع تھی۔

نظام جاگیری۔ جاگیریت کے رواج سے دستور کے عام اسلوب اور تاویل میں جو تغیرات ہوئے وہ پہلے باب میں مختصر طور پر بیان کر دیئے گئے ہیں۔ تاہم جاگیریت اور اس کا کام موجودہ دماغوں کے لئے سمجھنا اس قدر مشکل ہے اور اس کی ترویج کے اس قدر عظیم الشان نتائج ہیں کہ اس کا کسی قدر دہرانا فائدے سے خالی نہیں ہے۔
نظام جاگیری کے کام کو سمجھنے کے لئے سیاسی اور معاشی جاگیریت کے باہمی فرق کو خوب ذہن نشین کرنا ضروری ہے مگر یہ چیز آسانی سے ذہن نشین نہیں ہوتی۔ انگلستان کے لئے صرف سیاسی جاگیریت نئی چیز تھی اور تاریخ دستوری میں ناظرین جاگیریت کے متعلق یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ خاص طور پر ایک معاشرتی تنظیم تھی یا ملک کے امرا کو عطایا اور اعزاز دینے کا ایک طریقۂ کار تھا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اجرائے حکومت کا ایک ذریعہ تھا۔ معاشی جاگیریت تو خود انگلستان میں موجود تھی اور بہت ترقی یافتہ حالت میں تھی لیکن فتح کا اثر یہ ہوا کہ غالباً یہ جغرافی نقطۂ نظر سے سلطنت کے تمام طول و عرض میں پھیل گئی اور یہ معیّن اور پختہ ہو گئی۔

ہم کو اس قضیئے سے شروع کرنا چاہیئے کہ جاگیری دور میں ایک ہی قطعۂ زمین پر دو مختلف اشخاص دو مختلف حیثیت اراضی کی بنا پر قابض تھے اور دو مختلف نظام قانون کے تابع تھے۔ جاگیریت کے یہ دونوں پہلو ایک ہی قطعۂ زمین کی اکائی پر قائم تھے۔ معاشی پہلو سے تو یہ منیر کہلاتا تھا اور سیاسی پہلو سے مبارزی جاگیر منیر کی حیثیت میں سلطنت کی زراعتی تنظیم کا ایک جز تھا اور اس کا مقصد معاشی تھا یعنے یہ ایک ذریعۂ آمدنی سمجھا جاتا تھا۔ اس کا مزروعہ رقبہ دو حصوں میں منقسم تھا ایک جاگیردار کی منیر۔ دوسرے عطیات ارضی یعنے آزاد اور غیر آزاد ساکنان منیر کے مقبوضات منیر کے آسامی جاگیردار کی دی ہوئی اراضی پر قابض تھے اور یہ قبضہ مختلف قسم کی خدمات اور ہر بابی ادائیوں کے لئے مشروط تھا۔ گیارھویں صدی میں محض رقمی ادائیاں نسبتہً بیکار ہو گئیں ہر بابی ادائیاں رئیس جاگیردار کے لئے خاص اہمیت رکھتی تھیں اور جسمانی محنت زمین کی کاشت میں لگائی جاتی جس سے اس کی آمدنی کا بڑا حصہ حاصل ہوتا تھا۔

اس زمانے میں آزاد اور غیر آزاد اسامیوں کی خدمات میں خاص فرق یہ تھا کہ

اوّل الذکر خدمات مقدار میں معین تھیں اور جاگیردار کی خواہش سے گھٹ بڑھ نہیں سکتی تھیں۔ یوں تو آزاد اور محکوم دونوں کا یکساں فرض تھا کہ عدالت مینر یا عدالت جاگیر میں جہاں سے رئیس جاگیردار کو خاطر خواہ آمدنی ہوتی تھی حاضر ہو کر عدالت کو ترتیب دیں۔ مگر اس عدالت کو سوائے اس جرائم فوجداری کی معمولی سماعت کے جو دیہہ میں ہوتے تھے کسی اور امر سرکاری سے تعلق نہ تھا۔ اور مینر کی تمام عضویت اور جملہ خدمات جو جاگیردار کے لئے انجام دی جاتی تھیں ایک معاشی مقصد پر مبنی تھیں یعنے جاگیردار اس غرض سے آمدنی مہیا کرتا تھا تاکہ وہ اس آمدنی سے اپنے بالادست رئیس کے موعودہ واجبات پورا کر سکے اور موجودالوقت معاشرے میں اپنا اعزاز قائم رکھ سکے۔ یہ مینر جو بالغرض آمدنی ایک رئیس کے قبضہ و تصرف میں ہوتا تھا جاگیری مینر کہلاتا تھا (domain manor) لیکن لفظ جاگیر "domain" کا یہ استعمال اس کے دوسرے معنی یعنے زمین سیر کا لحاظ کرتے جو اندرون پرگنہ ہوتی تھی کسی قدر مختلف ہے۔ یہ معاشی استعمال تھا تاکہ دونوں قسم کے مینر ایک دوسرے سے ممیز ہو جائیں۔ ایک وہ جو آمدنی کے لئے تھے دوسرے وہ جو جاگیری خدمات کی شرائط پر وابستگان کو دیئے جاتے تھے۔ جاگیریت کے تدریجی سلسلے میں تمام درجے والوں کو لازمی طور پر جاگیری مینر حاصل تھے۔ یہ سلسلہ ایک تحتانی مبارز سے شروع ہو کر بیرنوں کے تمام تدریجی طبقوں میں سے ہو کر بادشاہ تک جاتا تھا۔ تحتانی مبارز کا مینر اندرون جاگیر مختصر ہوتا تھا۔ فوقانی بیرنوں کے تصرف میں درجہ بدرجہ ایسے مینر تھے جو ان کا اعزاز قائم رکھنے کے لئے کافی تھے اور بادشاہ کے مینر ان تمام مینروں سے بھی بڑھے ہوئے تھے جو ایک مالدار سے مالدار بیرن کے تصرف میں ہوتے تھے۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ بادشاہ کو اپنی آمدنی میں سے مملکت کے بعض مصارف پورے کرنے پڑتے تھے۔

اصل میں اگر غور کیا جائے تو معاشی نظام جاگیریت ان ہی جاگیری مینروں کا نام تھا جن میں معاشی مشروط الخدمت قبضۂ اراضی کا طریقہ اور رواجی قانون نافذ تھے جن پر اس قبضے کی بنیاد قائم تھی۔ سیاسی نظام جاگیری بھی اس کی مانند اور اسی زمانے کا ایک دوسرا انتظام تھا۔ اس میں گو مینر ہی تھے لیکن ان کی خدمات علیحدہ تھیں جو اپنے خاص قانون کی پابند تھیں۔ اس نظام تدریجی کا سرگروہ بھی بادشاہ ہی تھا اور اس حیثیت میں

پادشاہ تمام اراضی سلطنت کا مالک تھا یا قانون دانوں کے ٹھیٹ منطقی استدلال کے مطابق وہ اس کی سلطنت خدا کی عطا کردہ تھی۔ تمام زمیندار ہر حالت میں اس کے اسامی تھے۔ یہ لوگ یا تو پادشاہ کے اسامیان اعلیٰ تھے یا درمیانی رئیس تھے جو پادشاہ اور اسامیوں کے بیچ میں پڑتے تھے۔ تمام اراضی سلطنت میں سے جن کا شمار رفتہ رفتہ مینروں میں ہونے لگا تھا پادشاہ نے چند مینروں کو جاگیرات صرفخاص کے طور پر اپنے لئے مخصوص کر لیا تھا۔ اور بقیہ اراضی کو اپنے اسامیان اعلیٰ یعنے چھوٹے اور بڑے بیرنوں پر حسب حیثیت تقسیم کر دیا تھا۔ جو خدمات پادشاہ ان اسامیوں سے معاوضے میں حاصل کرتا تھا ان سب کی سیاسی خصوصیت تھی اور ان ہی خدمات سے مملکت کے اکثر کاروبار انجام پاتے تھے۔ سب سے زیادہ عام خدمت تو فوجی خدمت تھی اور فوج کے لئے تو بالخصوص مملکت کو نظام جاگیری پر انحصار کرنا پڑتا تھا۔ اسی طریقے سے دوسری جاگیری خدمت سے مملکت کو مجلس عظمیٰ یا عدالتِ شاہی حاصل ہو گئی جو بذات خود مرکزی مجلسِ، مقننہ اور عدالت عالیہ بھی تھی۔ اس اس زمانے میں بھی جبکہ مرکزی عدالت نے عدالتی ادارات میں جو اپنی خاص نوعیت رکھنے تھے اور واقع میں مستقل تھے اور رفتہ رفتہ فنی بن رہے تھے امتیازات پیدا کرکے چھانٹنا شروع کر دیا تھا' یہ خیال برابر جما ہوا تھا کہ جج بیرن ہوتے ہیں یا بیرنوں کے ہمرتبہ ہوتے ہیں۔ مرکزی نظم ونسق کی کل کے چلانے والے بھی یہی وابستگان شاہی تھے جن کے کوئی مشاہرے نہیں ہوتے تھے بلکہ یہی مینر ان کی خدمات کے معاوضے میں دئے جاتے تھے۔ اس زمانے کے عملدرآمد سے دونوں قسم کے مینروں میں علانیہ فرق پڑ گیا تھا۔ ایک جو ان خدمات کے لئے تھے اور دوسرے جو فوجی خدمت کے لئے مشروط تھے اول الذکر مینروں کو سارجنٹیاں کہتے تھے۔ ان میں بڑی سارجنٹیاں وہ تھیں جن کی متعلقہ خدمتیں نمایاں اعزاز رکھتی تھیں، اور چھوٹی سارجنٹیاں وہ تھیں جن کی خدمت بالکل معمولی یا تقریباً ذلیل تھی۔ گو یہ سارجنٹیاں فوجی عطیات نہیں تھیں تاہم جاگیری تھیں اور در اصل جاگیری عہد میں آج کل کی گویا سول سروس کے مماثل تھیں۔

ہر آسامی اعلیٰ اپنی جاگیر حاصل کرنے کے بعد اس کا اسی طرح سے انتظام کرتا جیسا خود پادشاہ کرتا تھا۔ مثال کی خاطر فرض کرو کہ پادشاہ ۵۰ مبارزوں کی خدمت

کے لئے ارل آف سرسے کو ۰۰ ہ مینز عطا کرتا ہے تو ارل سیر کے مینزوں کے طور پر ۲۰ مینز خود رکھ لیتا ہے اور باقی ۵۰ کو ۴۵ مبارزین کی خدمت کے لئے اپنے وابستگان کے سپرد کر دیتا ہے اور یہ عام قاعدہ تھا کہ بڑے بیرن اپنی معاشرتی اور سیاسی قدر و منزلت بڑھانے کے لئے بادشاہ کی مطلوبہ خدمت سے زیادہ مبارزین کو جاگیردار بناتے تھے ذیلی وابستگان کو جاگیریں دینے کا جو یہ طریقہ تھا وہ "عطائے ضمنی جاگیرات" کہلاتا تھا۔ ارل کے وابستگان بھی اپنی جاگیروں کا وہی انتظام کرتے تھے اور یہ سلسلہ آخری اکائی تک چلا جاتا تھا جس حد پر ہم یہ فرض کر کے آئے ہیں کہ ایک چھوٹا مبارز ہے جس کے قبضے میں ایک ہی ملینز ہے۔ اوّل سے لیکر آخر تک ان تمام وابستگاں کے ذمے نہ صرف فوجی واجبات ہوتے تھے بلکہ تمام مروجہ خدمات جاگیری بھی ہوتے تھے جن میں عدالتی خدمت بھی شامل تھی۔ ہر رئیس اپنے اسامیوں کی تعداد کو ملحوظ رکھ کر اپنی خاص عدالت بیرنی رکھتا تھا یہ عدالت وابستگانِ جاگیردار کے مقدمات جاگیری قانون کے مطابق فیصل کرتی تھی اور وہ مقدمات فیصل کرتی تھی جو مقبوضات اراضی سے متعلق تھے اور وابستگاں کے آپس کے اور رئیس کے تعلقات پر اثر ڈالتے تھے۔

جاگیری خدمات۔ متداولہ جاگیری خدمات میں جن کا رئیس کیلئے ادا کرنا ایک وابستہ کے لئے لازم تھا چند رسمی ادائیاں بھی شامل تھیں جن کو احتیاط سے ان رقوم سے جدا کرنا چاہیے جو معاشی نوعیت رکھتی تھیں۔ جب ایک وابستہ بہ حیثیت وارث کے اپنی جاگیر پر قابض ہوتا تھا تو اس کو ایک نذرانہ (Relevium) ادا کرنا پڑتا تھا اور یہ گویا اس کی جاگیر کا معاوضۂ بازیافت تھا نظریئے کے اعتبار سے اس کا مطلب یہ تھا کہ وابستہ اور اس کے وارث کے قبضہ و تصرف کے درمیان رئیس کی ملکیت حائل تھی اسامی اعلیٰ کے متعلق یہ عمل ہوتا تھا کہ بادشاہ کی ملکیت دخیل ہو جاتی تھی اور جاگیر کا واقعی قبضہ جس کو "قبضۂ اولی (Primer Seisin) کہتے تھے سرکاری حکام حاصل کر لیتے تھے۔ نذرانے کے عطا کرنے کے بعد وارث کو رسم اطاعت ادا کرنے اور حلف وفاشعاری اٹھانے کا حق دیا جاتا تھا اور باضابطہ "تشریف" کے ذریعے سے اس کو جاگیر کا قانونی قبضہ ملتا تھا۔ غرض یہ نذرانہ ایک ایسی رقم تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ ہر آنے والی نسل کو یہ بات یاد رہے کہ قابض زمین صرف ایک اسامی ہے مالک نہیں ہے۔

اس نذرانے کے علاوہ اور بھی رقوم تھیں جن کو امداد aids, auxilia کہتے تھے اور یہ بھی جاگیری ذمہ داریاں سمجھی جاتی تھیں۔ یہ رقوم خاص موقعوں پر ادا ہوتی تھیں یعنے جب رئیس پر غیر معمولی مصارف کا بار پڑ جاتا تھا تو اسامی اس کی اعانت کرتے تھے۔ یہ انگلستان میں اس وقت ہوتا تھا جبکہ پادشاہ کا بڑا بیٹا مبارز بنایا جاتا اور بادشاہ کی لڑکی (بالعموم بڑی لڑکی) کی پہلی شادی ہوتی تھی اور جب خود پادشاہ اسیر جنگ ہو کر زر فدیہ ادا کرنے پر مجبور رہوتا تھا۔ نیز بعض اوقات خاص مواقع پر جبکہ رئیس جاگیردار کو اپنی مرہونہ زمینوں کا یہودیوں کے ہاتھ سے فک رہن کرانا ہوتا تھا تو ایک زائد امداد طلب کی جا سکتی تھی اور اس کے متعلق توقع کی جا سکتی تھی کہ اسامی کبھی اس سے انکار نہیں کرے گا لیکن یہ امدادیں اختیاری تھیں اور غیر جبری کہی جاتی تھیں۔ ادا کرنے والوں کی قبل از وقت رضامندی کے بغیر یہ جمع نہیں کی جا سکتی تھیں۔ یہ رقوم نہ تو محاصل تھیں نہ معاشی محولات بلکہ ان کا تعلق رئیس جاگیردار اور اس کے وابستگان کے باہمی رشتہ سے تھا چنانچہ ان کے آپس کے طے شدہ تعلقات کے مطابق ان کی تاویل کرنی چاہیے۔

اسی طرح کے دیگر اصول تھے جن کی بنا پر رئیس جاگیردار کو اور حقوق حاصل تھے اور جب ان کا وقت آتا مالی نقطۂ نظر سے ان کی اہمیت بہت بڑھ جاتی تھی۔ جب تک وارث جاگیر نابالغ رہتا اس وقت تک رئیس جاگیردار اپنے حق ولایت کی بنا پر جاگیر پر قبضہ کر لیتا تھا کیونکہ اس کے متعلق نظریہ یہ تھا کہ نابالغ وارث اپنے واجبی خدمات انجام دینے کے قابل نہیں ہے۔ رئیس پر از روئے قانون یہ لازم تھا کہ اپنے وابستگان کی اولاد کو تعلیم دلائے اور ان کی حیثیت کے مطابق ان کا کفیل ہو۔ جاگیردار متوفی کی بیوہ کے حقوق جہیز میں ہاتھ ڈالنے کا اس کو حق نہیں تھا۔ لیکن ان ذمہ داریوں کو چھوڑ کر وارث کے سن بلوغ کو پہنچنے تک جاگیر کی تمام آمدنی اسی کی تھی اور اس پر اس کی کوئی جوابدہی نہ تھی۔ اگر جاگیر کی وارث لڑکی ہوتی تو از روئے قانون جاگیری رئیس کو یہ حق تھا کہ اس لڑکی کی شادی کا انتظام کرے یعنے اس کو یہ حق تھا کہ اس کے شوہر کا انتخاب کرے اور اس کے متعلق نظریہ یہ تھا کہ خود رئیس کو اس امر کا یقین ہونا چاہئے کہ آیا وہ شوہر واجبی خدمات انجام دینے کے قابل ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ حق ایک مالی حق تھا چنانچہ یہ حق انتخاب طالب ازدواج یا خود وارثہ یا اس کے خاندان کے ہاتھ

روپے کے عوض میں فروخت کر دیا جاتا تھا۔ جب والبتہ کی نسل ختم ہو جاتی تھی تو از رو ئے اصول بازگشت جاگیر رئیس اعلیٰ کی ملکیت کی طرف عود کر جاتی تھی یا کسی سنگین جرم کی وجہ سے اس کے مقبوضات ضبط ہو جاتے تھے۔ اور جب مجرم ایک تحتانی والبتہ ہوتا تو ایسی صورت میں بادشاہ بھی اپنے حق قبضۂ اولی کی بنا پر ایک سال اور ایک دن کے لیے اس پر قبضہ کر لیتا تھا۔

ان سیاسی عطیات اراضی کی درآمد سے ملک میں جو تغیر واقع ہوا وہ اپنی فوری اشاعت اور اہل انگلستان کو متاثر کرنے میں ان تمام تغیرات سے بڑھ چڑھ کر ہے جو فتح کے بعد پیدا ہوئے کیونکہ اس کا تعلق انتقال اراضی سے ہے جو سیکسنوں سے نکل کر نارمنوں کے ہاتھ میں آئی۔ کسی قانون کو وضع کر کے یا کسی اعلان عام سے یہ تغیر نہیں کیا گیا نہ یہ اچانک ہوا بلکہ جوں جوں ولیم ضبط شدہ جائدادوں کو اپنے ساتھیوں پر تقسیم کرتا گیا یا بعض صورتوں میں ان کے پرانے مالکوں کو واپس کر دیا۔ الغرض یہ تغیر رفتہ رفتہ عمل میں آیا۔ غالباً یہ بھی نہیں ہوا کہ جان بوجھ کر یا پہلے سے پیش بندی کر کے یہ تبدیلی کی گئی ہو۔ تمام مقبوضہ اراضیات جو بادشاہ کی عطیات تھیں ان کی حقیت جاگیری قرار دی گئی اور سیاسی تنظیم کی بنیاد بنائی گئی۔ بات یہ ہے کہ یہی ایک قدرتی صورت تھی اور یہی ایک انتظام تھا جو نارمنوں کے سمجھ میں آتا تھا۔

یہی وجہ تھی کہ یہ انتظام بالکل عام کر دیا گیا مثلاً اراضی کلیسا بھی اس کے تحت کر دی گئی۔ اگرچہ کلیسا اور خانقاہوں کے ہاتھ میں بالعموم سیکسنوں کے زمانے کی دی ہوئی زمینیں باقی تھیں مگر اب وہ جاگیری کر دی گئیں۔ اساقفہ اور رہبان پادشاہ کے وابستگان بن گئے اور ان کے عطیات اراضی کے خاص حصے بیرنی بنا دیے گئے جن کا قبضہ اسی قسم کی خدمات کے لئے مشروط تھا جو دنیوی بیرنوں پر واجب تھے تاہم کلیسائی اراضی کسی طرح بیرنی نہیں ہو سکتے تھے بلکہ کلیسا اور رہبان کی پرورش کے لئے ایک حصہ مختص رہتا تھا۔ الن آخر الذکر اراضی کا قبضہ بالعموم ایسی حقیت اراضی کی بنا پر تھا جس کو جاگیر خیرات و مبرات frank almoign کہتے تھے یعنے ان کے متعلق کوئی خدمت نہ تھی بلکہ یہ محض مذہبی خدمات کے لئے مثلاً ارواح سلف کی دعائے مغفرت کے واسطے وقف تھے۔ اس کے علاوہ ہر کلیسا کے قبضے میں ایسے اراضی بھی تھے جن کو "دنیوی جاگیر" (Lay fees) کہتے تھے یعنے ان کا قبضہ

منجانب سطلی اس غرض سے دیا جاتا تھا کہ قابض ایک دنیا دار کی طرح معمولی خدمات انجام دے۔
یہ اکثر کہا جاتا ہے کہ ولیم نے انگلستان میں نظام جاگیری جاری کیا تو شاہی اقتدار کو مستحکم کرنے کی غرض سے اس میں بہت اہم ترامیم کر دیے لیکن اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ اس کا کوئی ایسا ارادہ تھا۔ پھر اس کی پیش بندی سمجھنا تو بالکل خلاف عقل ہے اور یہ بات کہ اکثر بڑے بیرنوں کے مقبوضات اراضی مختلف اضلاع میں بکھرے ہوئے تھے سلطنت کی تدریجی تسخیر کا قدرتی نتیجہ تھا اور دوسرا سبب یہ تھا کہ ان کے سیکسن پیشروؤں کی جائدادیں جو سب کی سب چند نارمنوں کو دی گئی تھیں وہ بھی اسی طرح سے بکھری ہوئی تھیں۔ بر اعظم کی جاگیری مقبوضات پر بھی یہی بات صادق آتی تھی۔ صرف وہ بیرن مستثنے تھے جو فرانکی کونٹ یا ڈیوک کے قائمقام تھے جو کسی زمانے میں ضلع کے گورنر تھے۔ کم از کم بعض صورتوں میں مثلاً۔ چیشر۔ کارنوال۔ شراپشیر اور کنٹ کے متعلق ولیم نے تو ظاہر کر دیا تھا کہ کسی جائداد کے ایک شخص کے ہاتھ میں جمع ہوجانے سے جو تقریباً ایک مقامی ریاست بن سکتی ہے مجھے کوئی ڈر نہیں ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نے تمام زمینداروں سے خواہ وہ اس کے قریب تر آسامی ہوں یا نہ ہوں حلف اطاعت طلب کیا تھا مگر یہ رواج کچھ نارمن جاگیریت کی جدت نہ تھا بلکہ یہ فرانکی ملوکیت سے ورثے میں ملا تھا اور عملی نقطۂ نظر سے دیکھو تو پادشاہ کو اس سے کچھ فائدہ بھی نہ تھا۔

اب اس وقت یہ دیکھا جائے گا کہ جاگیریت ایک نظام سیاسی کی حیثیت میں تین اصولوں پر مشتمل تھی جو آئندہ دستوری ترقی پر عظیم الشان اثر ڈالتے رہے ہیں منجملہ ان کے اول ملکی خدمت کی ذمہ داریاں تھیں جو پہلے سرکاری طور پر ہر شہری پر واجب تھیں لیکن بعد کو یہ خانگی ذمہ داریاں ہوگئیں جو مشروط الخدمت قبضۂ زمین کے معاوضے میں ایک شخص کی طرف سے دوسرے پر واجب ہوتی گئیں۔ اس کی ایک بہت ہی اہل مثال جاگیری فوجی خدمت ہے مگر عنقریب ہم دیکھیں گے کہ یہ مثال مرکزی مجلس کے سلسلے میں کام آئیگی۔ دوسرا اصول اسی سے نکلتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ حکومت کے اکثر عام پہلوؤں میں پادشاہ اور اس کی رعایا کے باہمی تعلقات ایک خاص معاہدے کی رو سے منضبط تھے جس کو کوئی فریق دوسرے فریق کی ضمانت کے بغیر نہیں بدل سکتا تھا جاگیری رواج کی رو سے دونوں فریق پر یعنے پادشاہ کی بیرنوں پر اور بیرنوں کی بادشاہ پر جو خدمات واجب تھیں ان کے متعلق ایسے خاص

سمجھتے تھے جو کسی کی خواہش سے بدل نہیں سکتے تھے۔ ان دونوں اصولوں کا ارتقاد ستور پر بہت نتیجہ خیز اثر پڑا ہے۔ تیسرا اصول یہ تھا کہ زمین کا قابض و متصرف محض اسامی تھا مالک نہیں تھا۔ اس اصول نے بھی انگلستان کے قانون اراضی اور جائداد کے ارتقا پر اس سے کچھ کم نتیجہ خیز اثر نہیں ڈالا جس کے نتائج اب تک باقی ہیں جو بعد کو ظاہر کئے جائیں گے۔

مرکزی مجلس ۔ انگریز نارمن مرکزی مجلس یا "دربار شاہی" ایسا ادارہ تھا جو شیرف کے ادارہ سے ہیئت میں بالکل مختلف تھا غالباً اس سے یہ بات اور زیادہ واضح ہوتی ہے کہ حکومت کے افعال و فرائض کس قدر خلط ملط تھے۔ اپنی شکل و شباہت اور اپنے اکثر مفوضہ فرائض کے اعتبار سے یہ مجلس اپنی پیشرو سکسن مجلس کے ایسی مماثل معلوم ہوتی ہے جیسے ہم شیرف کی صدارت میں صاف دیکھ کر آئے ہیں۔ دیکھنے کو یہ ان لوگوں کی مجلس تھی جو ملک و مذہب کے سربرآوردہ شاہی محلات کے عہدہ دار اور شاذ صورتوں میں ایسے لوگ تھے جن کو بادشاہ بلانا چاہتا تھا لیکن حقیقت میں نارمن فتح نے ایک جدید اصول ترکیب پیدا کر دیا جو سب پر حاوی تھا۔ اس اصول سے ایک بین انقلاب تغیر عمل میں آیا چنانچہ ہمیں اس کی ٹھیٹ بنیاد کا پتہ لگانے کے لئے سکسن مملکت کو نہیں بلکہ فرانکی مملکت کو دیکھنا پڑتا ہے۔ یہ جدید اصول ترکیب جاگیری تھا یعنے مجلس عظمیٰ جاگیری بنائی گئی مگر از روئے فرائض نہیں بلکہ از روئے ترکیب و ساخت بنائی گئی۔ اکابر ملک و مذہب اس مجلس کی شرکت سے جو فرائض ادا کرتے تھے وہ اب نہ مملکت سے متعلق تھے نہ بادشاہ سے بحیثیت فرمانروائے ملک کے بلکہ اس کا تعلق نفس بادشاہ کی اس صورت سے تھا جو رئیس و وابستگان و دولت ہونے کی حیثیت اس کو حاصل تھی بعینہ اس طرح سے جیسے خود ان وابستوں کے وابستگاں اسی نوع کی مجلسوں میں شرکت کرتے تھے۔ بعض خاص مجلسوں کے ارکان کی صورت میں یہ اصول جاگیری منطبق نہیں ہوتا مگر ان شاذ استثنائی شکلوں کو مجلس مذکور کی قدیم تر خصوصیت کی باقیات نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ یہ بادشاہ کے قدیم تر فرائض کی باقیات ہیں اور بادشاہ کے خاص شاہی اختیارات کی علامت ہیں جو حکومت ملکی میں اس کو حاصل تھے۔ یہی ادارہ لازمی اور استثنائی دونوں خصوصیتوں کے ساتھ تمام جاگیری مملکتوں میں پایا جاتا ہے جو فرانکی شہنشاہیت میں قائم ہوئیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس ادارے کے ساتھ کہیں کہیں مقامی کیفیات بھی شریک تھیں۔

چنانچہ اینگلو نارمن مجلس عظمیٰ کی جاگیری خصوصیت سے اس وجہ سے انکار کرنا کہ یہ کینی مجلس سے ظاہری ہئیت اور فرائض میں الگ بھاگ تھی گویا یورپ اور لاطینی مشرق کے اس قسم کے تمام اداروں کی جاگیری خصوصیت سے انکار کرنا ہوگا ۔

یہ بات سمجھنے سے پہلے کہ اس ادارے کا حکومت میں کیا حصہ تھا جہاں تک ممکن ہو وضاحت کے ساتھ اس پیچیدہ چیز کو سمجھنا ضروری ہے کہ اس مجلس کے شرکاء اس کی چھوٹی اور بڑی دونوں شکلوں میں سوائے حجم کے کسی طرح فرق نہیں کرتے تھے ۔ چھوٹی مجلس ایسی جماعت تھی جو بڑی مجلس کے اجلاسوں کے درمیانی وقفوں میں نشست کرتی تھی مگر وہ کچھ ایسی کمیٹی نہ تھی جو بڑی جماعت کے تفویض کئے ہوئے فرائض کو انجام دیتی تھی اور اس کی جوابدہ تھی ۔ ہمارا طبعی تقاضہ تو یہ ہے کہ ہم اس کو ایک کمیٹی سمجھیں لیکن اس زمانہ میں کوئی شخص اس کے متعلق ایسا خیال نہیں رکھتا تھا ۔ یہ خود بڑی جماعت تھی جو سکڑ کر چھوٹے دائرہ میں آگئی تھی اور اس عمل کے باعث وہ لوگ تھے جو حکومت سے براہ راست ، البتہ تھے یا پادشاہ کے مقرب تھے اور غالباً ایسے لوگ بھی جو اتفاق سے باریاب ہو جاتے تھے ۔ حجم سے عمل کو کوئی تعلق نہ تھا ۔ امور مملکت میں چھوٹی کونسل وہی کر سکتی تھی جو بڑی کر سکتی تھی ۔ سچ تو یہ ہے کہ یہی چھوٹی مجلس ایسا مستقل اور مستند اول ادارہ تھی کہ اینگلو نارمنی مملکت کے تمام امور اسی کے ذریعے سے انجام پاتے تھے اور اسی کے ذریعے سے ان کی نگرانی ہوتی تھی ۔ اس ادارے کی دونوں شکلوں میں جو مطابقت تھی اس کو ہمارے تجزیہ طلب دماغ اچھی طرح نہیں سمجھ سکتے ۔ تاہم اس واقعے کی غیر معمولی اہمیت سے انکار نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ غیر منفصر ادارہ جس میں ابتدائی حکومت کے اکثر مناصب جمع تھے اپنی تمام اشکال کے ساتھ ایک ایسا منبع بن گیا جس سے ادارات کے وہ بے شمار سلسلے نکل آئے جو زمانہ جدید کی مملکت میں موجود ہیں ۔ یہی بات یعنے مرکزی جماعت کی دونوں شکلیں اس کے تمام فرائض و اختیارات کو بلا امتیاز عمل میں لاتی تھیں دور مابعد کی تاریخ میں بھی ظاہر ہوتی ہے ، چنانچہ اس وقت شاخ در شاخ ادارات و مناصب کی جو بھول بھلیاں سامنے آتی ہیں ان کے اس وقت تک قائم رہنے کا اندیشہ ہے جب تک ابتدائی کیفیات اچھی طرح ذہن نشین نہ کر لی جائیں ۔

اس مجلس کو صدر حکومت کا ایک آلہ اور دستور کا ایک عنصر سمجھنا چاہئے ۔

اس کے متعلق خاص بات یہ ہے کہ یہ مملکت کے تمام فرائض کو بغیر اس کے کہ ان کے

درمیان کوئی ادارتی امتیاز پیدا کرے خود عمل میں لاتی یا ان کے عمل کی نگرانی کرتی تھی۔ یہ اعلیٰ مقننہ تھی اور اس زمانے میں جس حد تک قوم کے مختصر کاروبار جدید قانون یا رائج الوقت قانون کی ترمیم کے مقتضی ہوتے تھے یہ گاہے ماہے مقننانہ کام کرتی تھی۔ یہ عدالت عالیہ بھی تھی چنانچہ اس میں اہم مقدمات یا اہم اشخاص کے مقدمات کی سماعت ہوتی اور ان کے فیصلے ہوتے تھے۔ غالباً وہ یہی مجلس تھی اور یہی اس کی عدالتی نشست تھی کہ جس نے کچھ دن پہلے قانون ملک کو بدل دیا تھا۔ مملکت کے تمام عاملانہ اور انتظامانہ جدوجہد کی باگ اسی مجلس کے ہاتھ میں تھی۔ چھوٹے بڑے تمام عاملانہ اور انتظامی حکام اسی کے جوابدہ تھے اور جب ہم اس مجلس کی مقننانہ کارروائی کی مثالیں جمع کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو اس زمانے میں عمل میں آئے تھے تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ان میں درحقیقت اکثر و بیشتر ایسے قانون ہیں جو یا تو انتظامی احکام تھے یا انتظامی عملدرآمد کی تبدیلیاں تھیں

مقامی قانون کی تبدیلیاں ۔ مقامی ادارات اور مقامی قانون میں فتح کے سبب سے جو تغیرات ہوئے وہ نسبتاً بہت ہی خفیف ہیں۔ جغرافی اعتبار سے صوبہ اور ہنڈریڈ اپنی حالت پر قائم رہے۔ فرائض، اختیارات اور طریقۂ کارروائی کے اعتبار سے صوبہ اور ہنڈریڈ کی عدالتوں میں تو کوئی تغیر نہیں معلوم ہوتا البتہ مذہبی مقدمات کے علیحدہ کر دینے سے جس حد تک تغیر ہو سکتا ہے وہ اختیارات میں ہوا۔ جس قدر ہم کو اس کی تفصیل معلوم ہے نارمنڈی کی مقامی عدالتوں کی کارروائی بالکل اسی قسم کی تھی جو انگلستان کی عدالتی کارروائی تھی چنانچہ نارمنوں کو کسی تبدیلی کی ضرورت نہ تھی۔ تاہم نارمنڈی میں اور خاص طور پر ان مقدمات کے سلسلے میں جو اراضی یا اثبات جرائم سے متعلق تھے شہادت کا ایک طریقہ یعنی شہادت بذریعۂ جنگ یا "عدالتی مجادلہ" رائج تھا جو سیکسنوں کے ہاں نہیں تھا۔ اس طریقے کو نارمنوں نے جاری رکھا لیکن انگریز اس بات پر مجبور نہ تھے کہ خود اپنے میں یا نارمنوں کے ساتھ تمام مقدمات میں اسی طریقے پر عمل کریں۔ مقدمے کی سماعت میں مجادلہ "آزمائش غیبی" کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا لیکن دراصل وہ آزمائش غیبی سے مختلف تھا۔ عدالت صوبہ کو عدالتِ شاہی کے مقامی اجلاس کے لئے استعمال کرنا ایک اور اہم عملی ایجاد تھی جس پر اگلے باب میں

بحث کی جائے گی۔

مشترکہ ذمہ داری۔ نارمنی دور کے اوائل میں غالباً ولیم اول کے عہد حکومت میں سیکسنوں والی دیہی گھرانوں کی مشترکہ ذمہ داری (Tithing) شخصی ضمانتوں کے طریق سے متاثر ہو کر طریق فرینک پلیج (Frankpledge) یعنے مجموعی ذمہ داری کی شکل میں تبدیل ہو گئی اور تین سو سال سے زیادہ تک انگریزی مقامی حکومتوں میں اپنا کام کرتی رہی۔ اگر سب نہیں تو تقریباً تمام انگلستان میں یہ قاعدہ تھا کہ سب کو فرینک پلیج اور ٹائی تھنگ میں شریک ہونا پڑتا تھا۔ دس بارہ اشخاص مل کر اپنی صاحب ٹائی تھنگ ہو جاتے تھے مگر اس سے وہ لوگ مستثنیٰ تھے جو صاحب جائداد خصوصاً زمیندار تھے کیونکہ اس جائداد سے خود ان کی کفالت متصور تھی یا کسی ذمہ دار شخصیت کے ساتھ وابستہ ہونے کی وجہ سے یعنے اس کے گھر میں رہنے کی وجہ سے اس کے زیر حمایت تھے۔ دیہہ کا یہ فرض تھا کہ بارہ سال سے زیادہ عمر کے تمام باشندگان ذکور کو ٹائی تھنگ میں شریک کرے۔ جب عدالت میں کسی ملزم کی مشترک ذمہ داری میں عدم شرکت ثابت ہوتی تھی تو دیہہ پر جرمانہ عائد کیا جاتا تھا لیکن جب با وجود شریک ہونے کے جماعت ذمہ دار ملزم گرفتار کر کے پیش نہ کرتی تھی تو اس جماعت پر جرمانہ کیا جاتا تھا۔ یہ مجموعی ذمہ داری کا ایک طریق تھا اور اس کی غایت یہ تھی کہ مشتبہ مجرمین کی گرفتاری عمل آئے کیونکہ گرفتاری اس زمانے میں ایک بہت ہی دشوار گذار کام تھا۔ عدالت کے پرانے کاغذات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب بعض مرتبہ دیہہ اور ٹائی تھنگ محض عدم قدرت کی وجہ سے اس معاملے میں کامیاب نہ ہوتے تھے تو ان پر دھڑلے سے جرمانے کئے جاتے تھے۔ مجموعی ضمانت بشرط پابندی ایک اچھا طریقہ تھا اور اس زمانے میں انتظامی اشکالات کے حل کے لئے اس سے بہتر طریقہ کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔

ایک ایسے زمانے میں جس کا ستہ ہم یقین سے نہیں بتا سکتے شیرف اس امر کی تنقیح کا ذمہ دار قرار دیا گیا تھا کہ آیا اہل صوبہ باقاعدہ شریک ذمہ داری ہو گئے ہیں اور مجموعی ذمہ داری کا کام برابر چلتا ہے یا نہیں چنانچہ وہ ایک طرز عمل سے جس کو شیرف کا دورہ کہتے ہیں اپنی ذمہ داری پوری کرتا تھا یعنے ہنڈریڈ میں دورہ کرتا تھا اور سال میں دو مرتبہ عدالت ہنڈریڈ کے مخصوص اجلاس کا نام ہیں "مجموعی ضمانت کا

معائنہ" کرتا تھا۔ جاگیری زمانے میں بہت سی چیزیں جو حکومت سے متعلق تھیں وہ خانگی نگرانی میں چلی گئیں، چنانچہ یہ فرض بھی جو مقامی کوتوالی اور امن و امان قائم رکھنے کے لئے بہت ضروری تھا اکثر و بیشتر صورتوں میں رئیس جاگیردار کو دے دیا گیا۔ عدالت ہنڈریڈ اس کے قبضے میں آ گئی اور اس عدالت سے اکثر صورتوں میں شیرف نکال دیا گیا۔

خانگی عدالتیں ۔ خانگی اختیارات کا وہ قدیم معاشی نیم کوتوالی نظام فتح سے پہلے تقریباً عام طور پر ترقی پا چکا تھا اور اب اس کو نارمنوں نے مسدود نہیں کیا بلکہ صرف اتنا ہوا کہ جوں جوں مجموعی ضمانت کے طریقے میں ترقی ہوئی اور جدید فوجداری انصاف کا آہستہ نشو و نما ہونے لگا مقامی کوتوالی پر سرکاری نگرانی بہت زیادہ سخت ہو گئی۔ اپنے وطن میں نارمن اس قسم کی خانگی عدالتوں سے واقف تھے، اس لئے انگلستان آکر ان کو ان میں دست اندازی کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ سیکسنوں نے خانگی عدالتوں کو جو عدالتہائے ہنڈریڈ کے اختیارات عطا کر دیئے تھے ان کو پادشاہوں نے نہ صرف فراخ دلی سے تسلیم کر لیا بلکہ خود اپنی طرف سے بھی ان میں اضافہ کیا اور بہت دن نہیں ہوئے تھے کہ دیگر رعایتوں کی عطا کے ساتھ خود مجموعی ضمانت کے اختیارات کو بھی خوشی سے حوالے کر دیا۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ نارمنی مملکت کی مرکزیت اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ ان عطیات سے معطی و معطی لۂ دونوں کا منشا کچھ سیاسی آزادی نہ تھا بلکہ رسوم عدالت اور جرمانوں کے ذریعے مالی آمدنی مقصود تھی۔ ان عطیات سے کوئی مطلق العنانی میں کوئی قابل لحاظ اضافہ نہیں ہوا حالانکہ مرکزی حکومت نے ان عدالتوں کو اپنے قبضے میں لینے کی اس وقت حقیقی کوشش کی ہے جب کہ نارمنوں کو ملک میں آئے ہوئے دو سو سال سے زیادہ ہو چکے تھے۔

سیاسی جاگیریت کے ساتھ نارمنوں نے خانگی عدالت کی ایک جدید قسم بھی داخل کی جو صحیح معنوں میں جاگیری عدالت تھی یا امتیاز کی غرض سے اس کا بہتر نام عدالت بیرنی ہو سکتا ہے۔ یہ رئیس کی عدالت تھی جو اسکے وابستگان اور اسامی مطلق کے لئے مقصود تھی۔ اس کے حدود اختیار میں ان لوگوں کے مقبوضات، ان کے باہمی تعلقات اور ان خدمات کے مسائل داخل تھے جو ان کے رئیس کی طرف سے ان پر واجب تھے۔ تنظیم اور طریقہ کارروائی کے اعتبار سے یہ اس زمانے کی دیگر عدالتوں کے مماثل تھی۔ عدالت تعلقہ (ہنڈریڈ) کی طرح یہ بھی ایک عدالتی مجلس تھی جو سماعت اور شہادت کے لئے اسی عدالت کے طریقے

استعمال کرتی تھی۔ رئیس یا اس کا نائب اس کا میر مجلس ہوتا تھا مگر یہ جج نہیں بلکہ معدل تھے۔ مگر جس قانون کا یہ نفاذ کرتی تھی وہ تعلقہ (ہنڈ ریڈ) کا قانون نہ تھا جیسے "ذی اختیار عدالت مطلق" میں چلتا تھا (Franchisal Court) نہ عدالت جاگیری کا رواجی قانون تھا بلکہ صحیح معنوں میں وہ جاگیری قانون تھا جو رئیس اور اس کے وابستگان کے باہمی تعلقات کو پابند کرتا تھا۔

اس طریقے سے نارمنی انگلستان میں تین قسم کی خانگی عدالتیں تھیں اور جیسا از روئے عمل ان میں امتیاز تھا اسی طرح نظری طور پر ہم ان میں بین تفریق کر سکتے ہیں۔ ایک عدالت بیرنی تھی جس کو سیاسی جاگیریت میں رئیس اور آزاد معطی لہم کے باہمی تعلقات سے کام پڑتا تھا دوسرے عدالت تعلقہ تھی جو خانگی لوگوں کے ہاتھ میں تھی جس کا اچھا نام عدالت "مطلق" (Franchisal Court) ہوسکتا ہے کیونکہ یہ عدالت "مطلق اختیارات" (Franchise) کے عطا کے ساتھ قائم کی گئی تھی یعنے اس کو مقامی حکومت اور مقامی حکام سے بے نیاز کر دیا گیا تھا جس کو بالعموم انگلستان میں "آزادی" (Liberty) کہتے تھے۔ تیسرے عدالت جاگیری یا صحیح معنوں میں عدالت مینر جسے معاشی جاگیریت کے میدان میں مینر اور اس کے اسامی ان کے باہمی تعلقات اور ان کے اور ان کے رئیس کے تعلقات سے کام پڑتا تھا۔ سہولت اور کفایت کی غرض سے اول عدالتوں سے خصوصاً آخر الذکر دو عدالتوں سے ایک دوسرے کا کام لیا جاتا تھا مگر ایسا نہیں کہ جس سے ان کے مخصوص اختیارات میں الجھن ہو جائے یا ان کا درمیانی اختلاف دور ہو جائے یا ان کے مختلف قوانین کا جس کی وہ تاویل کرتے تھے درمیانی فرق مٹ جائے۔ عدالت بیرنی سے، جو بعض اوقات "عدالت معز" (Honour) کہلاتی تھی کیونکہ بیرنی کو بعض اوقات "اعزاز" کا نام دیا جاتا تھا، غیر کام شاذ و نادر لیا جاتا تھا اگرچہ کبھی کبھی ان مقدمات کے لئے جو اسی رئیس کی عدالت جاگیری سے مرافعے کے لئے آتے تھے یہ عدالت مرافعہ کا کام دیتی تھی۔

آبادی کے طبقے۔ انگلستان کی آبادی انہیں طبقات اور مراتب میں بٹی رہی جس طرح سیکسنی انگلستان میں تھی۔ جدید امارت پہلے کی بہ نسبت زیادہ طاقتور اور زیادہ محدود ہو گئی اور غیر اماراتی پیدائش والوں کو اس میں داخل ہونا بظاہر بہت مشکل ہو گیا۔ ٹھیٹ جاگیری عطیات اراضی یعنے سیاسی جاگیری ہمیشہ امیرانہ عطیات سمجھے جاتے تھے

اور صرف ایک ارل کو مستثنیٰ کر دیا جائے تو جاگیری معطی الہم کے مابین رتبہ اور حیثیت کے کوئی قانونی امتیازات نہ تھے۔ جس طرح سیکسنوں کے زمانے میں تھا اس وقت بھی عام آزاد شخص کی زمینداری جو غیر جاگیری اور اکثر غیر فوجی حقیت تھی بالعموم زرعی عطیہ (Socage tenure) سمجھی جاتی تھی۔ اور یہ امیر اور زرعی غلام کے بیچ میں پڑتی تھی اور سب سے نیچے کی سطح میں غیر آزاد لوگوں کے مختلف مدارج شامل تھے۔ یہ بات ناممکن تھی کہ ملک کی آبادی نارمنی فتح جیسے انقلاب میں سے ہو کر گذرے اور کوئی شخص تباہی میں نہ آئے، سیکسن لوگ بالعموم موجودہ شواہد کی بہ نسبت کہیں زیادہ گھاٹے میں آئے۔ معدودے چند سیکسن امیر نارمنی امارت میں داخل ہوئے اور جہاں تک عام آزاد اشخاص کا تعلق ہے ان کا اضافی اثر جاتا رہا۔ مقامی اور ملکی معاملات میں ان کی علانیہ قدر و منزلت گھٹ گئی اور ان کی پچھلی حالت نے عود کیا تو ایک زمانے کے بعد۔ نیز اس میں کوئی شک نہیں کہ اس طبقہ کے بہت سے افراد نیچے کے طبقے میں دب کر رہ گئے۔ دیگر سیکسنی طبقوں کے مقابلے میں اگر زرعی غلاموں کو کوئی نقصان نہیں ہوا تو اس تغیر سے انھیں کچھ حاصل بھی نہیں ہوا برخلاف اس کے ممکن ہے کہ سب سے ذیلی طبقے کے افراد کو کچھ حاصل ہوا ہو۔ زرعی غلاموں کی اصلاح عام معاشی ترقی کے بعد ہوئی اور عام احرار یا آزاد اشخاص نے عدالتی اصلاحات کی ترقی کے ساتھ جو بارھویں صدی میں ہوئی بہت جلد اپنے پچھلے اقتدارات حاصل کر لئے۔

بادشاہ اور بیرن۔ فتح کے بعد بادشاہ اور بیرن ایک دوسرے کے ایسے حریف ہو گئے گویا یہ اس وقت دو سب سے زیادہ پر زور طاقتیں تھیں، اور حقیقت یہ ہے کہ اگر بیرنوں کے گروہ میں پادری بھی شامل کر لئے جائیں (چنانچہ حکومت کے نقطۂ نظر سے شامل کرنا چاہئے) تو صرف یہی طاقتیں تھیں جو اس زمانے میں ملکی جد و جہد اور حکومت کو متاثر کرتی تھیں۔ متوسط اور ذیلی طبقوں کو آبادی میں ابھی یہ رتبہ نصیب نہیں ہوا تھا کہ وہ ملکی معاملات میں اپنا زور دکھائیں اور نہ اس وقت ایسے اداراتی کل پرزے موجود تھے جن کے ذریعے سے ان کی آواز کی شنوائی ہو سکے۔ دونوں بڑی طاقتوں میں بادشاہ کا زور بڑھا ہوا تھا لیکن بیرنوں کے قبضے میں جاگیری معاہدے کی صورت میں جس سے شاہی اختیارات محدود ہوتے تھے اصول کا ایک ایسا ہتھیار تھا جس میں آئندہ ہونے والی

"محدود شاہی" کی بنیاد ودیعت تھی یہ حقیقت میں شاہی اختیارات کا عظیم الشان غلبہ تھا جو خود اپنی آپ تباہی کا باعث ثابت ہوا۔

اس وقت تک پادشاہ اور بیرنوں میں سے کسی کو مستقبل کے متعلق نہ وسعت نظر حاصل تھی نہ دستوری ترقی یا مخصوص حقوق کا واضح تصور تھا۔ پادشاہ کو اپنے اختیارات کی آئندہ بنیادیں مستحکم کرنے کا بہت کم خیال تھا، صرف فکر یہ تھی کہ اس وقت من مانے اختیارات استعمال کریں۔ کوئی بیرن ملکی معاملات میں اپنے حصہ لینے کو خوشی سے نہیں دیکھتا تھا کہ وہ اس کا امتیازی حق ہے یا اجرائے حکومت پر اس کو اثر ڈالنے کا خاصہ موقع حاصل ہے، بلکہ یہ اس کے لئے ایک زبردستی کا بوجھ تھا۔ ایسی آبادی میں ملکی خدمتگذاری کے بلند خیالات نہیں پائے جاتے، اور افراد جہاں تک ہوسکے ملکی معاملات میں اپنا حصہ کم کرکے خوشی سے اپنا پہلو بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ تقریباً ہر چیز پادشاہ کی رائے اور فیصلے پر منحصر تھی اگرچہ اس میں کوئی پیشبندی اور کوئی ارادی مقصد شامل نہیں تھا۔

BIBLIOGRAPHICAL NOTE :— G. B. Adams, *Local King's Courts in the Reign of William I, yale Law Journal XXIII*, 90, 1914; *Private Jurisdiction in England*, A H. R. *XXIII* 596. 1918. C. M. Anderews, *The Old English Manor*. 1892. H. Bœhmer, *Kirche und Staat in England und in der Normandie in* XI *und* XII *Jahrhundert*, 1899. C. H. Haskins, *Norman Institutions*, 1918. F. W. Maitland, *Domesday Book and Beyond* 1897 W. A. Morris, *The Frankpledge System* 1910. J. H. Round, *Feudal England* 1895. F. M. Stenton, *William the Conqueror*, 1908. Sir, P. Vinogradoff, *Villainage in England* 1892; *English Society in the Eleventh Century* 1908; *The Growth of the Manor*, 1911.

باب ۳

نارمنی دور

نارمنی فتح کے پیدا کئے ہوئے تغیرات کی اہمیت اس بات میں ہے کہ ان کو توضیحات اور تاویلات کی روشنی میں دیکھا جائے۔ محض ادارات کے نقطۂ نظر سے ان کی بہت کم اہمیت ہے۔ جہاں تک ادارات کا تعلق ہے ایک بڑی تبدیلی ہوئی ہے جو جاگیریت کی درآمد کا لازمی نتیجہ تھا یعنے ایک تو مجلس عظمیٰ کی ترکیب بدل گئی دوسرے جدید قانون اراضی یعنے خالص جاگیری حقیت ارضی کا قانون رائج ہو گیا۔ برخلاف اس کے توضیحات اور تاویلات میں جو تبدیلیاں ہوئیں وہ بہت گہری تھیں اور کم از کم ایک بات میں تو بہت معنی خیز ہیں کہ دستور میں انھوں نے بادشاہ کی حیثیت پر بہت بڑا اثر ڈالا تیرھویں صدی کے وسط تک جب کہ پارلیمنٹ کا عروج ہونے لگا ہے کوئی اہم موضوع دستوری دلچسپی کا تھا تو وہ بادشاہ کا اقتدار اور اس کا خوش آیندہ مستقبل تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بارھویں صدی کے نصف آخر میں جو عدالتی اصطلاحات عمل میں آئی ہیں وہ بھی عظیم الشان اور دیرپا اہمیت رکھتی تھیں لیکن انجام کار یہ اہمیت کچھ دستوری ثابت نہیں ہوئی یعنے اس نے تمام نظام حکومت کی خصوصیت پر کچھ اثر نہیں ڈالا۔ بلکہ ان کی صرف ایک ادارتی اہمیت تھی کیونکہ حکومت کے ذیلی امور سے اس کا تعلق تھا۔ تاہم اوائل میں جس طرح ان کی ادارتی شان تھی اسی طرح دستوری بھی تھی اور یہ اس وجہ

سے تھی کہ یہ اصلاحات شاہی اقتدار پر براہ راست اثر ڈالتی تھیں۔ شاہی اقتدار اور اس کا مستقبل ایک ایسی چیز ہے جو فتح کے بعد کی دو سو سال کی تاریخ میں اساسی حیثیت رکھتی ہے۔ اگر ہم اس کو ایک حل طلب مسئلے سے موسوم کریں تو اس زمانہ کا مسئلہ یہ تھا کہ آیا بادشاہ اس قابل ہو جائے گا کہ اپنے اختیارات جو اس وقت اداراتی نہیں بلکہ صرف ایک عملدرآمد کی حد تک تھے اور قانون سے نہیں بلکہ توضیحات و تاویلات سے ماخوذ ہوئے تھے دستوری اختیارات کی صورت میں ایسے بدل دے گا جو مستقل طور پر قانون و ادارات میں جگہ کر لیں گے۔ یا اس بات کا امکان ہے کہ خود سر اختیارات کو مقید کرنے کے لئے قانون جاگیری میں جو بالکل نامکمل اور ابتدائی قیود موجود ہیں وہ ترقی کر کے دستور کے واجب العمل اصول بن جائیں گے۔

شاہی اقتدار کا وہ عنصر جو شاہی "اختیار خصوصی" کہلاتا ہے اور جس کی زمانۂ حال تک تمام تاریخ دستوری میں اہمیت چلی آ رہی ہے اس کی پہلے ہی سے وہ حیثیت تھی جو کم از کم نیم اداراتی کہی جا سکتی ہے۔ یعنے عدالتیں اس کو تسلیم کرتی تھیں اور سمجھتی تھیں کہ بادشاہ کو خود ان سے بھی بالاتر اختیارات حاصل ہیں۔ جس وقت سے لوگ اپنی حکومت کے متعلق قیاس آرائی کرنے لگے ہیں بادشاہ کے اختیار خصوصی پر اس قدر شد و مد سے بحث ہوتی رہی ہے اور فروعات کے مختلف رخ اپنی توضیح میں وقتاً فوقتاً اس قدر ادلتے بدلتے رہے ہیں کہ اب اس کے متعلق یہ فیصلہ کرنا کہ قرون وسطیٰ میں اس کی کیا حالت تھی کوئی آسان کام نہیں ہے، بلکہ شاید یہ ناممکن ہی ہے کیونکہ مرور زمانہ کے ساتھ اس تصور کا ارتقا ہوا تھا۔ تاہم یہ بھی ضروری ہے کہ جہاں تک ممکن ہو تاریخ دستوری کا مطالعہ شروع کرتے ہوئے اختیار خصوصی کی اساسی کیفیت معلوم کی جائے۔ لیکن ہمیں پھر یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ جو الفاظ ہم پچھلے واقعات کے اظہار کے لئے استعمال کرتے ہیں ان سے یہ مطلب نہیں کہ اس زمانہ کے لوگ بھی یہی الفاظ استعمال کرتے تھے اور اسی طریقے پر سے اپنے واقعے کو ظاہر کرتے تھے۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ بادشاہ کا اختیار خصوصی وہ کام کرنے کا اختیار تھا جو دوسرے نہیں کر سکتے تھے اور اس طریقے سے کرنے کا اختیار تھا جو دوسرے اس طریقے سے نہیں کر سکتے تھے۔ مثلاً صرف بادشاہی ہمسایوں کی ایک جوری کو حکم دے سکتا تھا کہ کسی واقعے کی نفی یا اثبات کرے برخلاف

اس لئے کہ کوئی دوسرا شخص ایسا نہیں کر سکتا تھا طریق جو ری اختیار خصوصی کی کارروائی تھی اور یہ خود بادشاہ کی گویا اپنی چیز تھی۔ موٹے الفاظ میں بادشاہ کا اختیار خصوصی ان امور کے کرنے کا اختیار تھا جو اس کو صریح قانون یا رواجی قانون یا بادشاہ کے خود ساختہ معاہدات کی رو سے ممنوع نہ تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ ہمیشہ بادشاہ کو خود اس کے وعدوں کا پابند کرنا اور ہر بات میں اس کو قانون کا پیرو بنانا آسان نہ تھا۔ اکثر اعتبارات میں یہ بات مانی ہوئی تھی کہ بادشاہ کی ذات قانون سے برتر ہے بادشاہ کے خلاف نالش نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ دوسروں کے ایسے حقوق کی حفاظت کر سکتا تھا جو قانون غیر موضوعہ نہیں کر سکتا تھا اور اسی طریقے سے قانون نصفت اور عدالت نصفت کا پورا نظام پیدا ہوا جب تک بادشاہ کی رضامندی نہ ہوتی کوئی قانون نہیں بنتا تھا اپنی معافی سے بادشاہ کسی فیصلہ عدالتی کو منسوخ کر سکتا تھا کچھ دنوں بعد تو اس کو یہ اختیار بھی حاصل ہو گیا کہ وہ قانون موضوعہ یا قانون موضوعہ کے کسی ایک جزیا اس کے کسی خاص انطباق کو جو خود اس کا منظورہ ہوتا تھا منسوخ کر سکے۔ صرف خدا کے سامنے وہ اپنے افعال کا جوابدہ تھا۔ اس دنیا کی حکومت میں وہ خدا کا نمائندہ تھا اور اس حیثیت میں وہ نہ صرف غیر معمولی اختیارات سے مزین تھا بلکہ حق و انصاف کی حفاظت کا بھی ذمہ دار تھا۔ لیکن اس کے برعکس ایک اور قانون خصوصاً قانون عامہ اور خود بادشاہ کے صریح معاہدے تھے جن سے بادشاہ بالاتر نہیں تھا۔ چنانچہ ان دونوں متضاد تصورات کی مخالفت اور مصالحت کہ بادشاہ قانون سے ارفع ہے یا قانون بادشاہ سے ارفع ہے قانون اور اختیار خصوصی کی یہ باہمی کشمکش تاریخ دستور انگلستان کے ایک بڑے حصے پر محیط ہے۔

دستوری ارتقا کے اولین رجحانات کے متعلق تو کوئی بحث نہیں ہو سکتی۔ ولیم اول نے تو اعتدال سے حکومت کی تھی اور اپنے رتبے سے فائدہ اٹھا کر اس نے اپنے اقتدار کو انتہائی حد پر پہنچانے کا کبھی خیال نہیں کیا تھا۔ گو ولیم ثانی کے متعلق تو ایسے شواہد نہیں ہیں۔ جیسے ہم چاہتے ہیں تاہم اتنے ضرور ہیں کہ ان کے زور سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس نے بھی ایسا خیال نہیں کیا تھا۔ چند مثالیں ہمارے ہاں موجود ہیں اور پھر اس کے بھائی ہنری کے فرمان تاجپوشی کے وعدوں میں اس کے افعال ذمیمہ دکھلائے گئے ہیں جن کا مطلب یہ تھا کہ یہ غیر آئینی ہیں۔ ان چیزوں سے کسی قدر صاف معلوم ہوتا ہے کہ ولیم دوم نے اپنے حقوق کو جو جاگیردار اعلیٰ کی حیثیت میں جو خود بخود منطقی طور پر پیدا ہوتے تھے انتہائی

حد کو پہنچا دیا اور بعض صورتوں میں ایسے مطالبات کو حق بجانب بتایا تھا جو بالکل جدید تھے۔ اگرچہ اس سے دینی اور دنیوی دونوں طرح کے امراء کا نقصان ہوا لیکن کلیسائی جاگیرات کی وصولات تو بالخصوص جدید سمجھی گئی تھیں اور جب کوئی جاگیر خالی ہوتی تھی تو ایسے موقع پر ولیم اول اپنے اختیار تصرف کو استعمال کرتا تھا اور اس حد تک کرتا تھا کہ بظاہر اراضی کو اپنے قبضے میں کر لیتا تھا اور سامان متروکہ کی فہرست مرتب کر لیتا تھا تاکہ کوئی چیز ضائع نہ ہو اور آمدنی کلیسا کے ہاتھ میں چھوڑ دی جاتی تھی۔ لیکن اس کے بیٹے نے ٹھیٹ منطقی استدلال کے مطابق اپنے حقوق استعمال کئے وہ آمدنی کو اس طریقے سے اپنے تصرف میں لایا جس طریقے سے ایک دنیوی نابالغ جاگیردار کی صورت میں لائی جاتی تھی نیز اس کے نزدیک کلیسائی جاگیر بازگشت بھی ہو جاتی تھی اور کلیسا کے مفاد کا لحاظ کئے بغیر کلیسائی اراضی دوسروں کو عطا کر دیتا تھا۔ دنیوی بیرنوں کے معاملے میں اس نے صرف نذرانے ہی پر قناعت نہیں کی بلکہ اس پر یہ الزام ہے کہ اس کے مطالبات جاگیر کی پوری قیمت تک پہنچ جاتے تھے۔ غیر معمولی وصولات کو حق بجانب کرنے کے لئے اس نے حق ازدواج کو بھی نہیں چھوڑا اور اس حق کو اس نے ایک بیوہ اور متوفی بیرن کی وارثہ پر بھی منطبق کیا۔

گو واضح ثبوت نہیں ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ ولیم دوم نے انگلستان میں بالعموم وہ اختیارات استعمال کئے جو اس قدر خودسرانہ اور غیر محدود تھے کہ جبریت کے درجے پر پہنچ گئے تھے۔ اس کے عہد حکومت میں دو مرتبہ بیرنوں نے بغاوت کرنے کی کوشش کی جو اس زمانے کا گویا جاگیری علاج تھا۔ پہلی مرتبہ تو ان کی اتنی فوج تھی کہ ایک دفعہ تو بادشاہ کے لئے بہت خطرناک صورت ہو گئی تھی لیکن انھیں کوئی کامیابی نہیں ہوئی اس لئے کہ ولیم کی طاقت بے انتہا تھی۔ یہ ایک دلچسپ بات ہے کہ اسی خطرے سے بادشاہ کچھ نادم سا ہو گیا۔ اس نے انگریزوں سے مدد کی التجا کی اور اچھی حکومت کے وعدے کر لئے۔ اگر یہ معاہدے اس وقت ہمارے ہاں ہوتے تو ہمیں بیش بہا معلومات حاصل ہوتے۔ لیکن جونہی خطرہ دور ہو گیا وہ اپنے پچھلے طریقۂ حکومت پر عود کر آیا۔ رینلف فلمبرڈ اس کا ایک لائق اور زبردست وزیر تھا جس کو ولیم نے گوشہ گمنامی سے نکال کر ڈرہم کی اسقفی تک پہنچایا تھا جو تمام سلطنت میں سب سے طاقتور اور سب سے زیادہ سیر حاصل تھی۔ یہ کہنا

قرین قیاس ہے کہ یہ شخص نہ صرف بادشاہ کی ہر خواہش پوری کرنے کے قابل تھا بلکہ تکمیل خواہش کے لئے نت نئی تدبیریں تراشتا تھا۔ جہاں تک ہم غور کر سکتے ہیں ولیم کے تمام مطالبات وہی تھے جواز روئے استدلال جاگیردار اعلیٰ کے مسلمہ حقوق سے مستنبط ہوتے تھے اگر مقدار رقم کو جو وصول کی جاتی تھی قطع نظر کیا جائے تو اس کے تمام اضافے کم از کم ڈیڑھ سو سال تک شاہان انگلستان کے نہ صرف مسلمہ حقوق سمجھے گئے بلکہ اسی رفتار سے ان میں برابر ترقی ہوتی گئی۔

ہنری اوّل کا "منشور تاجپوشی"۔ ایک طرف ولیم دوم کی اچانک موت واقع ہوئی دوسرے اس کے بڑے بھائی رابرٹ کی عدم موجودگی تھی کہ بیرنوں کو ان کا موقع مل گیا۔ اس کے چھوٹے بھائی ہنری نے اپنی پادشاہت کے لئے بیرنوں کو ترغیب دے کر اپنے ساتھ کر لیا۔ لیکن اس غرض کے لئے وہ یہ وعدہ کرنے پر مجبور ہو گیا کہ ایک طرف وہ اپنے بھائی کے جابرانہ افعال کو چھوڑ دے اور دوسرے اپنے باپ کے عملدرآمد کو بحال کرے۔ یہ معاہدات منشور کی ایک خاص شکل میں ایسے مدون کئے گئے جیسے ایک خانگی شخص کسی وعدے کی بابت ایک باضابطہ قانونی دستاویز یا سند عطا کرتا ہے۔ اس کو ہم ہنری اول کے منشور تاجپوشی سے موسوم کرتے ہیں۔ اس منشور کے قواعد اس اصول پر مبنی تھے کہ ولیم دوم نے جو کام کئے تھے ان کے کرنے کا وہ مجاز نہیں تھا اس لئے وہ امور خلاف قانون اور ظالمانہ تھے۔ پہلے پارے میں ہنری نے اپنے وعدوں کی اس طرح توجیہ کی ہے کہ بیجا جبر ستانیوں سے ملک پر بہت ظلم ہوا ہے اور پھر اس کا وعدہ ہے کہ تمام قبیح رواج جن سے سلطنت انگلستان پر بیجا ظلم ہوئے ہیں اٹھا دئے جائیں گے۔ دوسرے الفاظ میں بادشاہ نے صاف الفاظ میں یہ بات تسلیم کر لی کہ چند امور ایسے ہیں کہ بادشاہ ان کے کرنے کا قانوناً مجاز نہیں ہے منجملہ ان کے بعض امور کو وہ آگے چل کر گناتا ہے۔ جو جو چیزیں وضاحت کے ساتھ منشور میں بیان کی گئی ہیں وہ تقریباً سب کی سب بادشاہ اور بیرنوں کے جاگیری تعلقات سے متعلق ہیں ان امور کا لحاظ کرتے یہ منشور اصل میں جاگیریت کے معاہدہ والے اساسی تعلقات کی تکمیل اور تمثیل ہے یعنے ایک خاص قطعہ زمین دیا جائے تو رواج کے مطابق اس کے عوض میں متعلقہ خدمات انجام دینی چاہئیں اور اس طریقے سے اس منشور کو وسیع جاگیری معاہدہ کے دائرے میں ایک خاص معاہدہ سمجھنا چاہیئے کہ اگر بادشاہ اپنے وعدوں

کی پابندی کرے تو بیرنوں پر بھی بادشاہ کی تائید فرض ہے۔

یہی مفہوم ہے جسکی وجہ سے تاریخ دستوری میں اس منشور کی بہت اہمیت ہے۔ اگرچہ منشور کے خاص معاہدوں کی خود ہنری نے پابندی کی نہ بعد کے بادشاہوں نے، لیکن جس تصور پر اس منشور کی بنا رکھی گئی تھی وہ ہمیشہ آنکھوں کے سامنے جما رہا۔ اب وہ تصور کیا ہے اس کو سنہ ۱۲۱۵ء کے بیرن نہیں ظاہر کر سکتے تھے لیکن ہم اس کو اس طرح بیان کر سکتے ہیں کہ چند امور ایسے ہیں کہ ان کو بادشاہ قانوناً نہیں کر سکتا اور اس کا اقتدار چند قیود کے تابع ہے جن کی پابندی کرنا بادشاہ پر لازم ہے ورنہ بیرنوں کو یہ حق ہے کہ بادشاہ کو پابندی کے لئے مجبور کرے۔ نارمنی اور انجوی دور میں جب کہ مقتدر سلاطین حکمراں تھے یہ اصول بالکل پوشیدہ رہا لیکن جب ایک دوسرے خودسر حکمران کا زمانہ آیا جس کی حکومت غیر آئینی تھی تو بیرن اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھاکر پھر اس اصول کی طرف نہ صرف عود کر آئے بلکہ اس وقت اس کی خوب وضاحت کر دی۔ چنانچہ جب منشور اعظم مرتب کیا گیا تو وہ ہنری اول کے منشور تاجپوشی کے نمونے پر کیا گیا اور اسی منشور اعظم کی بدولت یہ اصول محدود ملوکیت کا سنگ بنیاد بن گیا۔

منشور اعظم کی تاریخ کے چند دنوں بعد ہی ہنری کو انگریز اور نارمنی بیرنوں کے ایک بہت ہی خوفناک اجتماع کا سامنا کرنا پڑا جس سے اس کا تخت بڑے خطرہ میں آگیا۔ ان لوگوں کو یہ خوف تھا کہ بادشاہ کی طاقت حد سے بڑھ جائے گی۔ کئی سال کے بعد جاکر آخر کو یہ کشمکش نارمنڈی میں بادشاہ کے حسب دلخواہ ختم ہوئی اس فتح کے بعد ہنری نے تقریباً ۳۵ سال حکومت کی اور اس تمام طولانی دور میں اس کے اقتدار کو کبھی دھکا نہیں لگا۔ یہ وہ دور تھا جس میں شاہی اختیارات کی مسلسل ترقی ہوتی رہی مگر اس ترقی کا رخ قانون و ادارات کے عملی رخ کی طرف نہیں تھا اور در اصل اس طرف ترقی کرنے کی ضرورت بھی نہ تھی۔ گو ہنری اول کے عہد کے تغیرات کے متعلق ہمارے شواہد بہت مختصر اور پراگندہ ہیں مگر وہ ہم کو اس امر کا یقین دلانے کے لئے کافی ہیں کہ اس وقت ان تمام ترقیوں کی داغ بیل پڑ گئی جو اس کے نواسے ہنری دوم کے عہد میں عمل میں آئیں۔ اور ان کا یہاں تک اثر ہوا کہ انگلستان کی شاہی مطلق العنانیت نے دستور میں اپنی خاطر خواہ جگہ کر لی۔

دونوں زمانوں میں شاہی اقتدار میں جو دستوری ترقی ہوئی اس کی خصوصیت خاص طور پر قانون اور عدالتی ادارات میں ترقی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انگریزوں کے

بعض ادارات ایسے ہیں مثلاً طریق جوری کہ ان کو ہم خاص طور پر عاملانہ اقتدار کے خلاف آزادی کی حفاظت کا ذریعہ سمجھتے ہیں مگر یہ بھی دراصل انتہائی مرکزیت کے آلات تھے جو بادشاہ کے ہاتھ میں کام کرتے تھے۔ ہنری اوّل کے عہدِ حکومت میں جو حقیقی کام ہوا ہے اس کے متعلق ہمارے معلومات بالکل ناقص ہیں لیکن جو دھندلے نشانات دستیاب ہوتے ہیں وہ بھی کام کے ہیں اور اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ اس زمانے میں قانون کا غیر معمولی شوق تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ تمام تاریخ قانون میں کوئی اور طویل عہد ایسا نہیں ہے جس میں یقین کے ساتھ قانون کا اس قدر شوق اور مطالعہ پایا جاتا ہو جیسے اس عہد کے آخری ۲۵ سال تھے۔ اس زمانے کے ہمارے پاس رائج الوقت قانون انگلستان کے سات یا غالباً صحت کے ساتھ کہیں تو آٹھ کم و بیش مکمل مجموعے موجود ہیں۔ اگر رائج قانون نہیں تو کم از کم یہ ایسا قانون تھا جس کو مؤلفین متروک نہیں سمجھتے تھے۔ ممکن ہے کہ فرمان تاجپوشی کے سبب سے ان کتابوں کے لکھنے کا شوق بڑھ گیا ہو کیونکہ بادشاہ نے یہ وعدہ کیا تھا کہ اپنے باپ کے عہد کی تبدیلیوں کو قائم رکھ کر "عہد اڈورڈ کے قوانین" بحال کر دوں گا۔ اس وقت قوانین اڈورڈ یا کسی خاص مجموعۂ قوانین کی مانگ نہیں بلکہ سیکسنی نظام قانون کی مانگ تھی جو اپنی قدامت کی وجہ سے زیادہ مستند سمجھا جاتا تھا اور وعدے سے کچھ قانونی ذوق کی بنیاد نہیں پڑی تھی بلکہ۔ عدہ خود اس بات کا ثبوت ہے کہ اس ذوق کی پہلے ہی سے ابتدا ہو چکی تھی۔ بہر حال مؤلفین کی آپس کی یہ کوشش تھی کہ حسب ذیل تین باتوں میں سے ایک یا زیادہ کام کریں ایک اس بات کا اظہار کہ سیکسنی قوانین کیا تھے دوسرے ولیم اوّل کی قانون سازی کے کیا نتائج تھے۔ تیسرے سیکسنی اور نارمنی قوانین کا کس طرح اختلاط ہوا جو اس زمانے کی عدالتوں میں رائج تھے۔

"آئین ہنری"۔ ان میں سب سے زیادہ دلچسپ اور مفید وہ کتاب ہے جس کا نام "آئین ہنری" (Legis Henria) ہے اس کتاب کا منشاء قوانین دکھلانا ہے جو موجودالوقت عدالتوں میں رائج تھے، در ظاہر ہے کہ اسی موضوع سے یہ کتاب بحث کرتی ہے۔ ۱۱۱۹ء میں یا اس کے عین بعد ہی یہ کتاب لکھی گئی تھی گو اس کا مؤلف غالباً ایک شاہی جج تھا لیکن یہ کتاب خانگی تالیف تھی سرکاری نہ تھی۔ اس کتاب میں موجودالوقت رواجات کی جو تصویر کھینچی گئی ہے اگر اس کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو یہ کتاب دو مختلف نظام قانون

پیش کرتی ہے ایک سیکسنی دوسرے نارمنی جاگیری جو عدالتوں میں یک ساتھ رائج تھے اور اس وقت تک ان دونوں میں امتزاج کے آثار نہیں پیدا ہوئے تھے یہ امتزاج اب عنقریب ہونے والا تھا جس سے قانون رواج کا وہ نشوونما ہوا جو گلین ویل کی کتاب میں دکھلایا گیا ہے اور جو قانون رواج کی سب سے پہلی اور بڑی تصنیف ہے لیکن اس وقت یہ دونوں نظام جداگانہ حیثیت رکھتے تھے اور ایک دوسرے سے الگ تھے حالانکہ دونوں کا نفاذ ایک ہی قسم کی عدالتوں میں ہوتا تھا ۔ ہم یہ یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ چند سیکسن قوانین جو آئین ہنری میں مندرج تھے وہ پہلے ہی سے منسوخ العمل نہیں تھے تاہم یہ ہمیں معلوم ہے کہ اکثر قوانین منسوخ نہیں تھے اور اس امر کا یقین ہے کہ گو قوانین "اڈورڈ" کسی مضبوط بنیاد پر قائم نہیں تھے تاہم منشور ہنری اول میں جو اس کا حوالہ دیا گیا ہے اس سے حکومت کے نصب العین کو قانون کے مطابق زندہ رکھنے میں بہت مدد ملی اور اسی نے آگے چل کر ایسے مستقل قوانین پیدا کئے جو محدود شاہی کے قیام کے باعث ہوئے ۔

قانون کے ایک بڑے شعبے میں یعنے قانون فوجداری میں ہم کو کسی قدر صاف نظر آتا ہے کہ پرانے سیکسن قوانین نارمنی قوانین کے مقابلے میں پیچھے ہٹ رہے تھے اور ناپید ہو رہے تھے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس تغیر کا شاہی اقتدار سے گہرا تعلق ہے جو فتح کے سبب سے بہت بڑھ گیا ۔ "آئین ہنری" میں معلوم ہوتا ہے کہ جرمانوں (bots and wites) کا طریقہ پورے زور پر تھا ۔ غالباً سابق کی طرح یہ مقامی عدالتوں میں بھی جاری تھا کیونکہ نارمن بھی اپنے وطن میں یہی طریقہ استعمال کرتے تھے اور تبدیلی کی کوئی وجہ نہ تھی ۔ پرانے طریقے کے ساتھ جدید نظام کا نشوونما ہوا اور اس صدی کے دوران میں جدید نظام نے قدیم کو مغلوب کر لیا ۔ اس نشوونما کے متعلق یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی پہلی منزل میں دو پرانے خیالات کے ارتقا یا صرف ان کی توسیع ہوئی ۔ ایک تو مخصوص مقدمات فوجداری یا دوسرے الفاظ میں شاہی مقدمات تھے جن کی سماعت خاص بادشاہ یا شاہی عدالتوں کے لئے مخصوص تھی اور شرف کے عام حدود اختیارات میں شامل نہیں تھی؛ دوسرے شاہی امن کا تصور تھا جو پہلے باب میں بیان کیا گیا ہے ۔ ان دونوں میں سے یہی پہلا تصور ہے جو "آئین ہنری" میں خاص شرح و بسط کے ساتھ دکھلایا گیا ہے ۔ بادشاہ کے مخصوص مقدمات کی سیکسنی فہرست تو بہت مختصر تھی جو پہلے بیان کر دی گئی ہے مگر اب وہ بہت لمبی اور بہت بوقلموں ہو گئی تھی اور یہ فہرست بتاتی ہے کہ اس خیال میں ترقی ہو گئی کہ

کسی جرم کا ارتکاب گو بادشاہ کے خلاف ایک جرم ہے ترقی ہو گئی تھی۔ اس فہرست میں بغاوت، قتل، سرقہ، آتش زنی، شاہی مراسلات کی تحقیر، تلبیس سکہ اور جرائم تشدد شامل ہیں۔ منجملہ ان جرائم کے نقض امن سلطانی بھی اس فہرست میں داخل ہے، اور اس تصور کی جو پہلی منزل ہے وہ تعین جرم یعنے قرار داد جرم کے سلسلے میں نہیں بلکہ سزا کی نوعیت میں ہوتی تھی۔ یعنے اسی صدی کے دور مابعد میں یہ عمل ہونے لگا تھا کہ ہر جرم کو زبردستی نقض امن سلطانی مراد لے کر شاہی جرائم میں شامل کیا جانے لگا ہنری اول کے عہد میں یہ بات مسلمہ تھی کہ سنگین جرم کا مرتکب پادشاہ کے رحم پر (in misericordia regis) یعنے جان اور جائداد دونوں ضبط ہو سکتے تھے۔ بادشاہ کو اختیار تھا کہ جس طرح وہ مناسب سمجھے قصاص کرے، ایک عضو کاٹ لے، تمام جائداد ضبط کر لے یا بھاری بھر کم جرمانہ عائد کرے۔ جن جرائم کے ارتکاب سے ایک مجرم بادشاہ کے رحم کا محتاج ہوتا تھا ان کی فہرست "آئین ہنری" میں علاوہ ہی ہے جو شاہی مقدمات فوجداری کی ہے جو تبدیلی ہوئی ہے وہ شاہی اور مرکزی انصاف کے تصور میں توسیع ہے اور اس سے مقامی انصاف یعنے مقامی عدالتوں اور جرمانوں کے مقامی طریق (botes & wites) کو یقیناً نقصان پہنچا۔

رائج الوقت قانون فوجداری کے دوسرے رخ دیکھے جائیں تو ان سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ مقامی حکومت کے مقابلے میں نامینی مرکزی حکومت کا پلہ کہیں بھاری تھا اور اس سے اس امر کی صراحت بھی ہوتی ہے کہ اس زمانے میں مجرمین کی گرفتاری کتنی مشکل تھی اور مجموعی ذمہ داری کی کیا نوعیت تھی۔ جب کوئی شخص مقتول پایا جاتا تھا تو جس تعلقے میں اس کی نعش ملتی تھی اس پر یہ ذمہ داری تھی کہ یا تو قاتل کو پیش کرے یا یہ ثابت کرے کہ مقتول انگریز نہیں تھا۔ یہ ثابت کرنے کی کارروائی جس کو احضار انگریزاں (Presentment of Englishry) کہتے ہیں بہت پیچیدہ تھی۔ جب ان میں سے کسی کی تکمیل نہ ہوتی تھی تو تعلقے کو ایک بھاری جرمانہ جس کو دیت (Murdrum) کہتے ہیں ادا کرنا پڑتا تھا۔

مگر آخر میں شاہی اقتدار کی جو تائید اور توسیع ہوئی ہے وہ فوجداری انصاف کی ترقی سے زیادہ دیوانی انصاف کی ترقی سے ہوئی ہے۔ ہنری اول کے عہد میں اس ترقی کی بہت ہی خفیف سی جھلک پائی جاتی ہے مگر یہ بھی یہ کہنے کے لئے کافی ہیں کہ دیوانی انصاف کے اصول۔ ادارات اور تنظیم میں جو عظیم الشان اضافے ہوئے اور جو ہنری دوم کے

عہد کو ممتاز کرتے ہیں ان کی داغ بیل اس کے نانا کے عہد میں پڑ چکی تھی۔ مگر ہمیں کامل اصلاحات کی بحث کو آئندہ دور کے لئے اٹھا رکھنا چاہئے اور چونکہ معلومات کی کمی ہمیں روکتی ہے، اس لئے یہاں ہم کو چاہئے کہ ادارات کے اولین آثار ترقی سے آگے نہ بڑھیں جو نارمنی فتح کے سبب سے انگلستان میں آئے۔

اس ارتقا کے نقطۂ آغاز میں ادارات ہیں جن سے آئندہ توسیع شروع ہوتی ہے۔ یہ یا تو انگلستان کے لئے بالکل جدید تھے یا ایسی بعد کی شکل میں موجود تھے کہ ان کی سیکسنی نہیں بلکہ علانیہ نارمنی کہنا پڑتا ہے۔ یہ ادارات شقہ جات۔ جوری اور شاہی گشتی جج ہیں۔ شقے کو سیکسن استعمال کرتے تھے اور اسی بنا پر بعض لوگ اس کے بعد کے استعمال کو سیکسنوں کے باقیات سمجھتے ہیں لیکن یہ بات تعجب سے خالی نہیں ہے کہ وہ شقے جن کا عدالتی ترقی میں بہت بڑا حصہ ہے بعض فرانکی شقوں کے مماثل ہیں اور سیکسنی نمونہ کے پیرو نہیں ہیں شاید یہ بھی صحیح ہے کہ شقے میں ایک اور بات بھی ہے جس کی وجہ سے سیکسن اور نارمن شقے دونوں بہت جلد باہم مدغم ہو گئے لیکن اس کی ترقی کا محرک تو نارمنی ادارہ ہی تھا۔ ابتداءً شقہ بادشاہ کا ایک حکمنامہ ہوتا تھا جس میں شیرف یا دیگر حکام سلطنت کو یا کسی خانگی شخص کو یہ ہدایت ہوتی تھی کہ فلاں مقررہ کام انجام دیا جائے اس طریقے سے شقے کی حالت ایک قوت محرکہ اور حاکمانہ کی سی تھی جس کو مرکزی حکومت نے اس زمانے کے عدالتی تغیرات کو جاری کرنے اور عمل میں لانے کے لئے اختیار کیا تھا۔ خود شقے کی ترقی اس بات میں تھی کہ اس کی ہیئت رفتہ رفتہ اس کارروائی کے عین مطابق کیجانے لگی جس کی وہ تحریک کرتا تھا اس لئے رفتہ رفتہ شقوں کی توفیر اور ترتیب عمل میں آ گئی۔

جوری ایک شاہی ادارہ تھا۔ عمل توسیع میں ادارۂ جوری کو ایک محور یا غالباً ایک سبب سمجھنا چاہئے کیونکہ کثیر التعداد مقدمات میں دیکھا گیا کہ یہی جوری استعمال کرنے کی خواہش تھی جو شقہ جات کی توسیع اور گشتی ججوں کے تقرر کی باعث ہوئی۔ جوری سیکسنی ادارہ نہ تھا۔ نارمنوں کو یہ طریقہ فرینکی شہنشاہت سے ورثے میں ملا تھا اور اس شہنشاہیت میں یہ زمانۂ قدیم سے غالباً رومنوں کے زمانے سے چلا آتا ہے مگر اس تمام دوران میں جب کہ فرینک اور نارمن اس طریقے کو استعمال کرتے تھے اس میں ترقی کا کوئی میلان نہیں پایا جاتا تھا۔ اس کی ترقی کی جو موجودہ شکل ہے وہ فتح کے بعد پیدا ہوئی۔ جب یہ طریق سنہ ۱۰۶۶ء میں

انگلستان میں منتقل کیا گیا تھا اس وقت بالکل سیدھے الفاظ میں یہ ایک آلہ تھا جو واقف کار اشخاص کی گواہی سے کسی متنازع فیہ یا مطلوبہ واقعے کی تحقیقات کا کام دیتا تھا منتخب اشخاص حاکم کے روبرو جو اس موقع کے لئے مقرر کیا جاتا تھا طلب کئے جاتے تھے اور ان کو حلف دیا جاتا تھا (Jure) امر زیر بحث ان کے سامنے پیش کیا جاتا تھا اور ان سے یہ پوچھا جاتا تھا کہ آیا امر زیر بحث صحیح ہے یا غلط۔ واقف نہ ہونے کی صورت میں وہ اپنی عدم واقفیت کا اظہار کر سکتے تھے لیکن ان کا انتخاب یہ سمجھ کر کیا جاتا تھا کہ وہ ضرور واقف ہوں گے۔ اہل جوری کا تعداد میں ۱۲ ہونا، سب کا متفق الرائے ہونا جیوری کے سامنے شہادت کا پیش کرنا اور کسی جورر کی برخاستگی جبکہ وہ مسئلہ زیر بحث کے متعلق پہلے ہی سے اپنی رائے قائم کرے یہ سب بعد کے اضافے ہیں جو اصل ادارے میں داخل ہو گئیں شروع میں جوری محض ایک شاہی یا خصوصی ادارہ تھا اس کو صرف بادشاہ استعمال کرتا تھا اور یہ صرف شاہی عدالت اور شاہی جج کے سامنے کام کرتا تھا۔ اس سے بہت بڑا فائدہ یہ تھا کہ امر متنازع فیہ یا جس واقعے کی تحقیق مطلوب ہوتی تھی اس کی ان اشخاص کی حلفیہ گواہی سے تصدیق ہو جاتی تھی جو غالباً واقف کار ہوتے تھے اور پڑوس سے تصدیق ہوتی تھی جہاں شہادت کا بہم پہنچنا اغلب ہے۔

اس واقعہ کا سبب کہ شاہی جج کیوں عام طور پر مقرر کئے جانے لگے اور کیوں گشتی ججوں اور گشتی عدالتوں کے مستقل اور دائمی نظام کا قطعی انتظام کیا گیا دراصل جوری کے استعمال کی خواہش تھی۔ یہ خواہش کرنے والے صرف افراد ہی نہیں تھے جو یہ چاہتے تھے کہ اپنے قانونی نزاعات کے واقعات کو اچھی طرح ثابت کریں اور دقیانوسی اور غیر اطمینان بخش طریقۂ کارروائی کو چھوڑ دیں بلکہ خود بادشاہ بھی تھا۔ خود بادشاہ بھی جوری کو انتظامی معاملات میں یعنی عہدہ داران مقامی کے رویّے کی نگرانی اجرائے محاصل اور پھر ان مسائل میں جس میں حکومت کا فائدہ تھا ہر طرح سے استعمال کرتا تھا۔ شروع سے یہ علاوہ آمد تھا کہ خاص رعایت سے بادشاہ بہ وصول فیس خانگی اشخاص کو اس امر کی اجازت دیتا تھا کہ اپنے مقدمات کی سماعت کے موقع پر شاہی مقامی عدالتوں میں شاہی ججوں کے روبرو جوری سے کام لیں۔ نہ صرف ان مقدمات میں بلکہ جملہ مقدمات میں ججوں کے لئے بمنزلہ حکم ہوتا تھا کہ منجانب بادشاہ کام کریں اور ساتھ ہی جوری کی اجازت یا حکمنامہ ہوتا تھا کہ مقررہ مقصد کے لئے جس کی صراحت ہوتی تھی جوری کام میں لائی جائے

اگرچہ قدیم مقدمات میں اس قسم کی صراحت بہت ہی دھندلی سی نظر آتی ہے۔

جو جج مقرر کیا جاتا تھا وہ بالعموم اس ضلع کا شیرف ہوتا تھا جہاں یہ مقدمہ پیدا ہوتا تھا بعض اوقات اور لوگ بھی اس کے ہمراہ کام کرنے کے لئے شریک کئے جاتے تھے بعض اوقات ایک یا کئی جج بغیر شیرف کی معیت کے مقرر کئے جاتے تھے۔ اگر ہمیشہ نہیں تو اکثر یہ ہوتا تھا کہ جج ان مقامات میں جاتے تھے جہاں فریقین سکونت رکھتے تھے اور ایسے مقام پر مقدمے کی سماعت کرتے تھے جہاں ثبوت فراہم کرنا بہت آسان تھا۔ دوسرے الفاظ میں جج بادشاہ کے قاصد (missi) ہوتے تھے جو عدالت ان کے استقبال اور مقدمے کی سماعت کے لئے طلب کی جاتی تھی وہ مقامی عدالت یعنے عدالت تعلقہ یا صوبہ یا کئی تعلقے اور صوبوں کی متحدہ عدالت ہوتی تھی۔ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ بادشاہ کے "قاصد" شاہی عدالت (curia regis) کا اجلاس کرتے تھے اور پرانی مقامی عدالتوں کے آلات استعمال کرتے تھے۔ اوائل میں اس عدالت میں سوائے جوری کے استعمال کے جو متنازع فیہ واقعے کے ثبوت کے لئے ہوتی تھی کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔ انصاف کے ان جدید انتظامات میں سب سے پہلے جو بڑا اضافہ کیا گیا وہ یہ ہے کہ کئی کئی صوبوں کو ملاکر ان کے حلقے بنائے گئے اور ہر حلقے کے لئے ججوں کی ایک جماعت مقرر کی گئی تاکہ وہ مقدمات کی سماعت کے لئے دورہ کریں۔ ممکن ہے کہ ان مقدمات کی سماعت کے متعلق اجازت ملنی ضروری ہو۔ دوسرے الفاظ میں اس طریق کو مستقل اور دائمی بنانے کا یہ پہلا قدم تھا۔ اس ترقی کے موہوم سے آثار جو نظامِ عدالت سے ربط تھے ولیم ثانی کے عہد میں تو پائے جاتے ہیں لیکن ولیم اول کے عہد میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔ یقین ہنری اول کے زمانے میں تو اس کی بے شمار مثالیں ہیں کہ اس وقت اس طریقے کا باضابطہ استعمال تھا لیکن اتنی تفصیل نہیں کہ ہم صراحت کے ساتھ اس کا ٹھیک موقع محل بتا سکیں۔

کتاب بندوبست۔ ولیم نے اپنے ایک مقصد کے لئے اس آلہ کا ایسا استعمال کیا تھا اور ایسی سخت شکل میں کیا تھا جیسے اس کے پرپوتے ہنری دوم کے عہد میں مسلسل استعمال ہونے لگا۔ اس استعمال کا مقصد ان واقعات کا جمع کرنا تھا جن کی ترتیب سے ایک لاثانی فہرست تیار کی گئی جو چند دنوں کے بعد "کتاب بندوبست" کہلانے لگی۔

آج بھی ہم اس کو ڈومزڈے بک یا "وثیقۂ قیامت" سے موسوم کرتے ہیں یعنے ایسا وثیقہ کہ جس کے متعلق کوئی مرافعہ قابل سماعت نہ ہو۔ یہ بندوبست یا تشخیص ایک قسم کی تحقیقات تھی جو سنہ ۱۰۸۶ء میں تمام سلطنت میں کی گئی اور اس سے اجرائے محاصل اور محصول ڈین کا تعین کیا گیا اس سے یہ دریافت کرنا مقصود تھا کہ ہر جائداد اراضی کا کون مالک ہے اور اس کی کیا مالیت ہے ان واقعات کے جمع کرنے کے لئے شاہی مامور جن کو بیرن جج یا قائم مقام کہتے تھے اور جو دوسرے الفاظ میں قاصد (missi) تھے ہر صوبے میں غالباً ہر حلقے میں جو کئی صوبوں پر مشتمل تھے بھیجے گئے۔ ان سے ملنے کے لئے عدالت صوبہ اسی طریقہ سے طلب کی گئی جس طریقہ سے بعد کو گشتی ججوں کے دورے میں بلائی گئی۔ بعض اوقات تمام باشندگانِ صوبہ اہم متعد امات کا فیصلہ کر لیا کرتے تھے لیکن تحقیقات اور پیمائش کا کام حسب قاعدہ ہر ہنڈریڈ کی حلفی جوری سے طے پاتا تھا اور یہ جوری اس طریقے سے حاضر ہوتی تھی جیسے بعد کو انصاف کی عدالتوں میں آنے لگی۔ نیز جواب طلب مسائل بھی اسی جوری کے سامنے پیش کئے جاتے تھے۔ ان سے یہ دریافت کیا گیا کہ شاہ اڈورڈ کے زمانے میں اور بوقت تحقیقات ہر جاگیر اور اس کے قابض کا کیا نام ہے، اس میں کتنے ہائڈ شامل ہیں اور رئیس جاگیردار کی زمین سیر میں اور آسامیوں کی اراضی میں کتنے ہل جوتے جاتے ہیں۔ زمین مزروعہ کی مقدار دریافت کرنے کا یہ ایک سرسری طریقہ تھا۔ پھر انھوں نے مینر کی آبادی کی طبقہ واری تقسیم کی احرار۔ زرعی غلام (cotters) سرف اور جنگلات اور سبزہ زاروں کی تعداد چراگاہوں گرنیوں اور ماہی تالاب کی تعداد دکھلائی اور یہ دکھلایا کہ شاہ اڈورڈ کے زمانے میں اور ولیم کے عطا کرتے وقت اور تحقیقات کے وقت مینر کی کیا مالیت تھی۔ ان تمام واقعات کو یکجا کر کے کتاب بندوبست میں درج کیا گیا۔ غرض یہ کتاب ایک مخزن معلومات ہے جس سے گیارھویں صدی کی انگلستان کی معاشی حالت معلوم ہوتی ہے۔ لیکن ہمارے نقطۂ نظر سے یہ اس وجہ سے اور بھی زیادہ قابل لحاظ ہے کہ یہ پورے طور پر اس جدید نظام عدالت کا پیش خیمہ ثابت ہوئی جو ایک صدی کے بعد قائم کیا گیا۔

جب بادشاہ کی مقامی عدالتیں قائم ہونے لگیں تو سلطنت کو اداراتی کے اعتبار سے متحد کرنے کا اور سکسنی اور نارمنی اداراتی کو جوڑ کر واحد شیرازہ بنانے کا

پہلا دروازہ کھل گیا، کیونکہ "قاصد" ان مقامی عدالتوں کی صدارت کرتے تھے اور وہی پرانی عدالت استعمال کرتے تھے اور پھر اس میں شاہی گشتی ججوں کے باضابطہ نظام کی پیش بندی تھی جس میں جوری اور شقہ جات ایسی ترقی پا گئے کہ جدید کارروائی کے اجزا بن گئے اور قانون غیر موضوعہ تمام اقطاع سلطنت میں مروج ہو گیا۔ اگرچہ اس مشترک سرمائے میں نارمنی مواد کے مقابلے میں سکسنی مواد اکثر آنکھوں سے اوجھل معلوم ہوتا ہے لیکن اس کے یہ معنے نہیں کہ سکسنی ادارات نے اپنا اثر ڈالنے میں کوئی حصہ نہیں لیا بلکہ جس طرح ہم عدالت صوبہ اور ہنڈریڈ کی حالت کو دیکھ کر آئے ہیں سکسنی ادارات نے ہر جگہ ایک ٹھوس بنیاد چھوڑ دی تھی جس پر جدید عمارت قائم ہوئی۔ اس عملِ اتحاد کے دو درجے ہیں۔ ایک درجہ تو وہ ہے جس کا ابھی ابھی ذکر ہوا اور جس پر ہم عنقریب خاطر خواہ روشنی ڈالنے والے ہیں۔ وہ یہ کہ بعض نارمنی ادارات کو جو مرکزی حکومت سے متعلق تھے صوبوں تک پہنچا یا گیا اور پرانے سکسنی مقامی ادارات کے ساتھ ان کو ملا دیا گیا تاکہ نئے نتائج پیدا ہوں یہ نتائج یعنے شقہ جات، جج اور جوری کا استعمال بھی درحقیقت جدید تھے۔ کارروائی کے اسی درجے سے موجودہ سکسنی نظام عدالت پیدا ہوا۔ دوسرا درجہ بعد کو یعنے تیرھویں صدی کے وسط میں پیدا ہوا اور یہ گویا ردِ عمل تھا بعض نتائج جو پہلے عمل کے اثر سے مقامی حکومت اور مقامی طریقہ کارروائی کے لئے خاص ہو گئے تھے ترقی دے کر ان کو مرکزی حکومت کے ادارات سے ملا دیا گیا تاکہ اس امتزاج سے نئے نئے نتائج پیدا ہوں۔ اس دوسرے درجے سے نیابتی حکومت کی سکسنی شکلیں اور پارلیمنٹ پیدا ہوئی۔

اکسچکر کی ابتدا۔ جس دور سے اس باب کا تعلق ہے اس میں صرف عدالتی تنظیم ہی نہیں تھی جو سرعت کے ساتھ ترقی کر رہی تھی بلکہ طریق نظم ونسق بھی تھا۔ یا زیادہ قطعیت کے ساتھ بیان کیا جائے تو وہ خاص شعبہ بھی شامل تھا جس سے اس زمانے کا تمام نظم ونسق وابستہ تھا یعنے انتظام مالیات۔ ملکی مداخل کے معاملے میں جو سکسنی مملکت وصول کرتی تھی سکسن نارمنی مملکت نے کوئی بڑا اضافہ نہیں کیا۔ آمدنی کے مستقل مدات تو وہی رہے اور گو مدات کی کسی قدر آمدنی بڑھ گئی مگر ان کی تعداد میں کوئی زیادہ اضافہ نہیں ہوا۔ اگرچہ جاگیری مداخل کی آمدنی جو غیر مستقل تھی کبھی کبھی مقدار میں زیادہ ہو جاتی تھی لیکن ابھی اس میں ایسی ترقی نہیں ہوئی تھی جیسے بعد میں ہوئی اور یہ مستقل و قابلِ اعتماد

آمدنی بن گئی ۔ مرکزی حکومت کی بدولت جس میں شیرف بھی شریک تھا نہ صرف مداخل کی جمع بندی میں ترقی ہوئی بلکہ جائداد اور کاروبار کے محفوظ ہونے کی وجہ سے جمع شدنی رقومات میں بہت اضافہ ہوا ۔ اس زمانے میں بھی شیرف اپنے صوبے کی طرف سے مملکت کے تمام مالی اغراض کا ذمہ دار تھا اور نذرانے کی طرح نارمنوں کے مروجہ جدید وصولات کی جمع بندی اکثر شیرف ہی کے ذمہ ہوگئی ۔ ابھی ہنری اوّل کا عہد حکومت ختم نہیں ہوا تھا کہ شیرف کے حساب کو جو وہ خزانے میں پیش کرتا تھا ایک مکمل اور پیچیدہ شکل وید کی گئی تھی اور اب اس کو مجلس خزانہ کے روبرو حساب پیش کرنا پڑتا تھا چنانچہ یہ طریق کار کئی پشتوں تک باقی رہا ہے ۔

یہ بات یقین سے نہیں بتائی جا سکتی کہ حساب دینے کا عجیب و غریب طریقہ جو مجلس خزانہ کے ساتھ مربوط تھا اور مجلس خرد کا یہ خاص اجلاس جو اس غرض کے لئے مخصوص تھا اور جس کو غالباً دوسرے معمولی اجلاس سے ممتاز کرنے کی غرض سے مجلس خزانہ (اکسچکر) کہنے لگے تھے کب شروع ہوئے ۔ بات یہ ہے کہ جس قدر ہم اس مضمون کا کھوج لگاتے ہیں اسی قدر یہ بہت قدیم تر معلوم ہوتے جاتے ہیں اور اس زمانے میں تو سب سے زیادہ دیرینہ شہادت بس یہی ہے کہ یہ نارمنوں کا نہیں بلکہ زیادہ تر انگریزوں کا مروجہ ہے شمار کرنے کا جو خاص طریقہ تھا اسی سے اکسچکر (Exchequer) نام نکلا ہے مجلس خرد کے سرکاری اراکین جن کے ساتھ دو ایک غیر آدمی اور اندراجات کرنے والے اہلکار ہوتے تھے ایک میز کے اردگرد بیٹھتے تھے اس پر مربع دھاری دار (Chequered) کپڑا یا دوسرے الفاظ میں ایسا کپڑا بچھا ہوتا تھا جس پر پنیس ۔ شلنگ ۔ پونڈ اور اجزاء پونڈ کے لئے مربع خانے بنے ہوئے ہوتے تھے ۔ ان خانوں کے اوپر گنتی کی تختیاں رکھی جاتی تھیں اور جیسا جیسا حساب ہوتا یہ تختیاں ادھر اُدھر سرکائی جاتی تھیں اور یہ ایک طریق لوحۃ الحساب تھا اس مجلس محاسبہ کے سامنے شیرف سال میں دو مرتبہ حاضر ہوتا تھا ۔ یوم عید الفصح (Easter) کو ابتدائی حساب دینے اور یوم میکائیل (Michælmas) کو آخری حساب دینے کے لئے ۔ تنقیح بہت سخت ہوتی تھی اور تحریری وثائق کے مطابق ہر مد کی جانچ کی جاتی تھی شیرف کے پاس شاہی احکام کی بناء پر روپیہ خرچ کرنے اور ان شاہی پٹوں کے وصولات کی جمع بندی کے لئے جو پہلے صرف خاص میں داخل ہونے کی وجہ سے

شیرف کی جمع بندی میں شامل تھے ۔ کچھ روپیہ چھوڑا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ جرائم فوجداری کے جرمانے بھی تھے جو اگرچہ اس جمع بندی میں داخل نہیں تھے مگر عادلوں کے امثلہ میں ان کا اندراج ہوتا تھا نیز جائداد بازگشت اور ایسی زمینیں بھی تھیں جو بادشاہ کے قبضے میں آجاتی تھیں اور جمع بندی میں داخل نہ تھیں ان کے علاوہ وہ قرضے بھی تھے جن کو جمع کرنے کا اس کو حکم دیا جاتا تھا اور وہ رقمیں تھیں جو مختلف لوگ استثناؤں اور عنایات شاہی کے معاوضے میں ادا کرتے تھے اس کے علاوہ شیرف کو ان نذرانوں کا جو دوران سال میں باقی رہ جاتے تھے اور ان اراضی کا جو زیر نگرانی ہوتی تھیں حساب دینا پڑتا تھا۔ جب حسابات کی اس طرح تکمیل ہوجاتی تو مستقل شکل میں ان کا ایک عام سالانہ گوشوارہ بنایا جاتا تھا اور ان گوشواروں کے چند سلسلے ہوتے تھے جن کو ہم نلکوں کے کاغذ (Pipe Rolls) کہتے ہیں۔ ان میں سب سے قدیم تر گوشوارہ جو ہم تک پہنچا ہے وہ سنہ ۱۱۳۰ کا ہے لیکن اس سنہ کے کئی سال پہلے سے اس قاعدے کا عملدرآمد ہوچکا تھا۔ اسٹیون کے عہد کا ہمارے ہاں کوئی گوشوارہ (Pipe Roll) نہیں ہے بلکہ اس کا لگاتار سلسلہ ہنری ثانی کے دوسرے سال سے شروع ہوتا ہے۔

چونکہ یہ مملکت جاگیری تھی اور اس کا دستور بالکل سادہ اور نوعی تھا اس میں سے حکومت کے علحدہ علحدہ ادارات کا صورت گیر ہونا زیادہ تر اس بات پر موقوف تھا کہ اصولِ تفرق سے کام لیا جائے۔ چنانچہ اس عمل تفرق سے یہ ہوا کہ گیارھویں صدی کے ابتدائی ادارات الگ الگ ہوگئے اور اس سلسلے سے ان کے مختلف فرائض جو وہ پہلے ادا کرتے تھے جدید ادارات کی شکل میں مبدل ہوگئے۔ مجلسِ خرو پر اس عمل تفرق کا خاص اثر پڑا کیونکہ یہ مجلس مرکزی حکومت کا ایک مستقل آلہ نگرانی تھی۔ تقریباً تمام امور مملکت اس کے زیر اقتدار تھے۔ تاریخ میں ہم کو مختلف مقامات پر فرائض کی تخصیص اور پھر اس کے بعد کی تفرق پر نظر ڈالنی پڑے گی یہاں ہمیں اپنی دانست کے مطابق اس سلسلے کی پہلی کڑی بیان کرنی ہے جو سب میں معیاری ہے پہلی بات یہ ہوئی کہ مجلس کے مالی نگرانی کے فرضوں کو علحدہ کرکے اس کے ایک خاص اجلاس کے تفویض کردیا گیا، اور معلوم یہ ہوتا ہے کہ اس کے لئے اراکین کو مجلس پر خاص ذمہ داری عائد کی گئی۔ پہلے پہل تو مجلس کا ایک اجلاس تھا جس کو مالی فرائض کے متعلق خاص توجہ کرنی پڑتی تھی لیکن

ساتھ ہی اس اجلاس میں یہ لوگ دوسرے امور بھی انجام دے سکتے تھے۔ اکسچکر کی یہ حیثیت ایک سو سال یا اس سے زیادہ عرصے تک قائم رہی اور آخر کی انجام یہ ہوا کہ خود اس کے فرائض میں بھی تفریق ہو گئی یعنے ایک مالی اکسچکر اور دوسرے عدالتی اکسچکر ہو گیا یا دوسرے الفاظ میں ایسا اکسچکر جو عدالت ہائے قانون عرفی میں شامل تھا۔

ولیم اوّل کے عہد سے اس کے بیٹے ہنری اوّل کے عہد تک تقریباً ۵۰ سال کے دوران میں بادشاہ کا اقتدار برابر بڑھتا گیا کیونکہ ان بادشاہوں میں زور تھا۔ بیرنوں کی شورشیں ناکام ہو گئی تھیں اور ایسے رواج قائم کئے گئے جو پہلے غیر قانونی تھے مگر بعد کو مان لئے گئے تھے اور حکومت، عدالت اور نظم و نسق کے تمام کل پرزے درست ہو گئے۔ لیکن جب یہ دور ختم ہوا تو اس دستوری مطلق العنانی پر جو ابھی صورت گیر ہو رہی تھی ایسی مصیبت نازل ہوئی جس سے بہ مشکل اس کی جان بچ سکی۔ ہنری اوّل کے بعد اس کا بھانجا اسٹیون اس کا جانشین ہوا۔ اس کا اقتدار دو وجہ سے کمزور تھا۔ اوّل تو اس کا حق بادشاہی ہنری کی بیٹی مٹلڈا کے دعوے کی وجہ سے جو والی آنژو کی بیوی تھی معرضِ بحث میں تھا۔ دوسرے وہ خود بھی ارادہ کا کچا اور اس قابل نہیں تھا کہ لوگوں کو اپنی تائید پر مجبور کر سکے۔ اس زمانے میں جب کہ ہر چیز بادشاہ کی شخصیت پر منحصر تھی اور دستور اس قدر مستحکم نہیں ہوا تھا کہ طبیعتوں میں جا گزیں ہو جاتا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام مملکت میں گڑبڑ ہو گئی۔ جدید مالی اور عدالتی انتظامات تتر بتر ہو گئے۔ انگلستان کو اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ اگر مرکزی اقتدار کی ڈوری ڈھیلی پڑ جائے تو اس کے ایک جاگیری معاشرہ کا کیا حشر ہوگا۔ مگر باوجود اس کے کوئی چیز ایسی ہاتھ سے نہیں گئی کہ پھر واپس نہیں آسکتی تھی بلکہ قانون کے شعبے میں کچھ ترقی ہی کی گئی اور نارمنڈی میں تو اس سے بھی زیادہ ہوا چنانچہ جب مٹلڈا کا بیٹا ہنری دوم ۱۱۵۴ء میں اسٹیون کا جانشین ہوا تو اس نے آسانی سے دو سال کے دوران میں اپنے نانا ہنری اوّل کے عدالتی انتظامات اور طاقتور ملوکیت کو از سر نو قائم کر دیا۔

ایک شعبے میں اسٹیون کی کمزوری سے ایسے دستوری نتائج ظہور پذیر ہوئے جو اپنے سیاسی پہلوؤں میں دوسری اور تبدیلیوں سے بہت پائدار ثابت ہوئے۔ کلیسا مملکت دستور کا ایک اہم عنصر تھا، اس پر بادشاہ کو وہ اقتدار کبھی حاصل نہیں ہوا جو

ہنری اوّل کو اس کے بھائی کی طرف سے ملا تھا۔ اس زمانے میں جب کہ ولیم اوّل نے انگلستان فتح کیا اور سیکسنی کلیسا کو حکومت کے اس قدر تابع کر دیا جو پہلے کبھی نہیں ہوا تھا، مغربی لاطینی کلیسا میں بڑی بھاری اصلاح ہو گئی تھی جو یا یہ تکمیل کو پہنچ رہی تھی۔ یہ ایک اصلاحی تحریک تھی جس کا آغاز دسویں صدی میں خانقاہ کلیونی (Cluny) میں ہوا تھا۔ اس کا اصل مقصد ایک ایسی دستوری ترقی کرنا تھا کہ جس سے کلیسائے روما کی حکومت پوپ کے زیر سایہ ایک مطلق العنان اور مجموعی ملوکیت کی شکل میں تبدیل ہو جائے یہ تحریک پورے طور پر کامیاب ہو رہی تھی چنانچہ گیارھویں صدی کے اختتام پر یورپ کی ملکی حکومتوں کے دوش بدوش ایک ایسی قیصرانہ حکومت قائم کر دی گئی جس میں ہر سلطنت کے تمام کلیسا جمع تھے اور اس کے تابع تھے اور اس میں وہ تمام اعضا موجود ہو گئے جو ایک مملکت میں ہوتے ہیں یہ صورت حال ایسی تھی کہ اس سے مناقشہ پیدا ہونا لازمی تھا۔ انگلستان کی کلیسائی تنظیم اپنے خاص شعبوں میں ملکی حکومت میں شریک تھی۔ قانون کے وسیع شعبے مثلاً ازدواج۔ طلاق۔ وراثت بظاہر کلیسائی عدالت سے متعلق تھے۔ اپنی جاگیرات کی طرف سے کلیسا کو فوج۔ مقننہ اور عدالت کی خدمت کرنا لازمی تھا۔ جاگیری حکومت کو خاطر خواہ چلانے کے لئے اساقفہ جاگیردار کی قطعی ضرورت تھی کیونکہ یہ دنیا دار جاگیرداروں سے زیادہ تعلیم یافتہ اور وسیع نظر ہوتے تھے۔ برخلاف اس کے اگر عالمگیر قیصرانہ کلیسا ہو جاتا تو اس سے جو مشکل پیدا ہوتی وہ بھی ظاہر ہے۔ ہر مملکت کا کلیسا ایسی کلیسائی ملوکیت کا جز لاینفک ہو گا جو اس کے تابع رہے اور اس کی خدمت مقدم سمجھے ورنہ بغیر اس کے ایسی ملوکیت کا قیام ناممکن تھا۔ تنازع ہونے میں کوئی شک نہیں تھا اور چونکہ دونوں طرف کے دعاوی میں بہت کچھ صداقت تھی اس لئے مصالحت کی ایک ہی سبیل تھی یعنے باہمی سمجھوتہ۔

اس کشمکش کا پہلا اور سب سے زیادہ ٹیڑھا رخ وہ ہے جو اساقفہ کی دو طرفہ حیثیت سے پیدا ہوا تھا کہ یہ لوگ ایک طرف جاگیری حکومت کے اور دوسری طرف دینی بادشاہت کے ضروری کارکن عہدہ دار تھے۔ سوال یہ تھا کہ اسقف کا تقرر کون کرے اور اس کو کون اختیارات دے اور وہ کس کا ذمہ دار ہو کلیسا۔ یا مملکت۔ اس پر ہنری اوّل کے ابتدائی زمانے میں بادشاہ اور اسقف اعظم کنٹربری انسلم کے درمیان شدومد سے بحث و تکرار ہوئی اور جس سمجھوتے پر یہ بحث ختم ہوئی وہ وہی تھا جو پوپ اور شاہنشاہ

کے درمیان چند سال کے بعد ہوا یعنی اسقف کو منتخب کرنا کلیسا کا کام ہے اور بادشاہ کا کام یہ ہے کہ اس سے حلفِ اطاعت لے کر اس کی جاگیر اس کو بحال کر دے اور جاگیر بحال کرنے کے بعد اس کے اسقف ہونے کی تقدیس عمل میں آئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس طریقے سے بادشاہ کو ایک اختیار امتناع مل گیا کیونکہ جب بادشاہ جاگیرات یعنی عطیہ اراضی اسقفی روک سکتا تھا تو کلیسا اس بات پر مشکل سے اڑ سکتا تھا کہ اس شخص کی تقدیس کی جائے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس سے بہتر کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکتا تھا، مگر اس سے کلیسا کا حقیقی فائدہ تھا اور بادشاہ کا قطعی نقصان چونکہ اس تغیر کے تمام نتائج یکدم نہیں بلکہ رفتہ رفتہ ظہور پذیر ہوئے تھے اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان کا باعث توطن ہے۔ قدیم روایت کے خلاف اب کلیسا کی حیثیت مملکت کے اطاعت گزار خادم کی سی نہ تھی۔ اس نے بادشاہ کی حکومت کے دوش بدوش ترقی کی اور ایک خود مختار اور رقیبانہ اقتدار کی صورت اختیار کر لی۔ اس کے قوانین اور عدالتی فیصلے بیرونی حکمران کے دئے ہوئے تھے اور اس کی اراضی جدید فدائی مذہبی حلقوں کی آماجگاہ بن گئی تھیں۔

کلیسائی عدالتوں کے حدود اختیارات۔ ہنری اول کو اس تغیر کے بعد اس کے نتائج دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔ اس کی حکومت اس قدر زور دار تھی کہ اس کی رعایتوں کا کوئی برا نتیجہ نہیں پیدا ہوا تھا۔ لیکن اسٹیون کی حالت بالکل دوسری تھی۔ پہلے تو وہ اس بات پر مجبور تھا کہ کچھ نیاضانہ وعدے کر کے مختلف اصحاب غرض کی تائید حاصل کر لے اور یہ ایک کھلا لین دین تھا۔ اور اس سے بادشاہ اور امرا کا باہمی قانونی تعلق اس قدر مضبوط ہو گیا جیسے ہنری اول کے فرمان سے ہوا تھا اگرچہ اس کا طریقہ کسی قدر مختلف تھا۔ اسٹیون کا پہلا فرمان عام الفاظ میں ہے اور اس سے ہنری کے فرمان کی محض توثیق ہوتی ہے مگر دوسرا فرمان مخصوص ہے اور یہ حقیقت میں کلیسا کو دیا گیا تھا۔ اس فرمان کی عطا جدید ہو یا جدید سمجھی جائے ایسے عدالتی اختیارات پر مشتمل تھی جو کلیسائی عدالتوں کو مذہبی اشخاص اور ان کے افعال کے متعلق دئے گئے تھے۔ اس فرمان کے الفاظ کی تاویل ایک طرح نہیں بلکہ کئی طرح سے کر سکتے ہیں لیکن یہ یقینی ہے کہ اس وقت اس کا مقصد یہ تھا کہ تمام مقدمات جو پادریوں سے متعلق ہوں ملکی عدالت سے نکال کر کلیسائی عدالتوں کے سپرد کر دئے جائیں۔ یہ کلیسا کی عملی حکومت میں ایک ترقی کی شکل تھی جو مملکت کے اندر ہوئی اسی کے لئے کلیسا

بہت عرصے سے ہاتھ پیر مار رہا تھا اور کبھی کامیابی نہیں ہوئی تھی۔

جس وقت ہنری دوم تخت نشین ہوا ہے اس کے سامنے یہ حالات تھے جب امن و امان کو از سر نو قائم کرنے کی غرض سے وہ سب سے پہلے عدالتی نظام کو بحال کرنے بیٹھا ہے تو اس کے سامنے فوراً یہ چیز آئی کہ قوم کا ایک بڑا اور اہم حصہ ملکی عدالتوں کے قابو سے باہر ہے۔ پادریوں کے ارتکاب جرم کی سماعت صرف کلیسائی عدالتوں میں ہو سکتی تھی اور پھر ان کی سزائیں بھی معقول نہیں معلوم ہوتی تھیں۔ جب ہنری اس خرابی کو یک قلم دور کرنے پر آمادہ ہوا تو اسقف اعظم کنٹربری ٹامس بکٹ سے جو خود ہنری کا مقرر کیا ہوا آدمی تھا وہ نزاع ہوئی جو تاریخ میں بہت مشہور ہے۔ ہمارا تعلق اس نزاع کے صرف دستوری پہلو سے ہے۔ ہنری اس بات میں تو کامیاب ہو گیا تھا کہ اسقف اعظم سے قلمرو کے قدیم رواجوں کی پابندی کا وعدہ لے لے اور اگر ٹامس اس وعدے کی پابندی کرتا تو ہر معاملے کا بادشاہ کے موافق تصفیہ ہو جاتا کیونکہ یہ بات یقینی ہے کہ ملکی عدالتوں کے حدود اختیارات کی بابت پچھلی تاریخ کے اعتبار سے بادشاہ کا دعویٰ بالکل صحیح تھا لیکن ہنری اس سے آگے بڑھنا چاہتا تھا اور جب اسقف کے سامنے یہ معاملہ جس انداز سے آخری فیصلے کے لیے پیش کیا گیا تو وہ بھی اس کے انکار کرنے میں کچھ حق بجانب تھا۔ عدالت کی دونوں قسموں کے باہمی تعلقات کی ایک مستقل روداد تیار کرنے کے لئے بادشاہ نے مجلس عظمیٰ سے اس امر کا مطالبہ کیا کہ سلطنت کے قدیم رواجوں کی ایک یادداشت پیش کرے۔ یہ یادداشت اصل میں ایک جوری کا باضابطہ جواب تھا جو تحقیقات کے لئے مقرر کی گئی تھی۔ (Recc nition)

یہ وثیقہ جس کو ۱۱۶۴ء کے قواعد کلرنڈن کے نام سے یاد کرتے ہیں عہد ہنری کے عظیم الشان وثائق کی پہلی قسط ہے۔ ممکن ہے کہ اس کو ایک جوری نے مرتب کیا ہو مگر ہمیں یہ نہیں معلوم کہ یہ جوری کس طرح مقرر کی گئی تھی، وثیقے کی شکل تو قریب قریب مجلس عظمیٰ کے بنائے ہوئے قانون کی سی ہے۔

قواعد کلرنڈن قواعد کلرنڈن میں یہ دعویٰ نہیں کیا گیا تھا کہ ملکی عدالت کو ایسے ملزم کے جرم کی سماعت کا حق حاصل ہے جس کا تعلق کسی مذہبی حلقے سے ہو بلکہ ملکی عہدہ داروں کو یہ حق ہے کہ اس کو گرفتار کر لے اور قرار داد جرم کے لئے ملکی عدالت کے روبرو پیش کرے اور اس کے بعد سماعت کے لئے کلیسائی عدالت کے حوالے کر دے جو مجرم ہونے کی صورت میں اس کو اس کے کلیسائی رتبے سے معزول کر سکتے ہیں۔ پھر فیصلہ سنانے اور سزا دینے کے لئے ملزم ملکی عدالت کے حوالہ کیا جائے۔ لیکن قواعد کلرنڈن اس خاص موضوع سے بہت آگے بڑھ گئے تھے۔ گو اس میں پوپ کی طرف کوئی خاص طور پر اشارہ نہیں کیا گیا تھا مگر حقیقت یہ ہے کہ ان قواعد میں ولیم اول کے تینوں قواعد از سر نو پیش کئے گئے، قرار پایا کہ کلیساؤں کو نذرانہ دینے کے حق کے متعلق نیز ملکیت اراضی کے متعلق جو نزاعات ہوں وہ دنیوی عدالت میں پیش ہونے چاہئیں بجز ایسی

یہ ثابت نہ ہوا کہ یہ اراضی دعاگوئی اوقاف کے طور پر کلیسا کے قبضے میں ہے۔ اس کے علاوہ قواعد میں شرح وبسط کے ساتھ اسقف کی جاگیری حیثیت اس طرح قرار دی گئی ہے کہ وہ بادشاہ کا ایک وابستہ ہے۔ بکٹ نے قواعد کی پابندی کرنے سے انکار کر دیا حالانکہ دوسرے اساقفہ نے مان لیا تھا، چنانچہ بادشاہ اور اسقف اعظم کے درمیان کشمکش کا سلسلہ ایسی تیزی سے بڑھا کہ حد کو پہنچ گیا اور آخر کو ٹامس کے قتل پر ختم ہوا۔

اس سے بادشاہ کے خلاف جو ردعمل ہوا اس کا ہونا لازمی تھا اور بادشاہ کو بظاہر کلیسا کی مصالحت کے لئے اپنے انتہائی دعاوی کو چھوڑنا پڑا گو حقیقت میں اس نے اپنے وعدوں کی ایسی دل سے پابندی نہیں کی جیسی اس کے نانا نے کی تھی۔ آخر میں بادشاہ کو ان تمام امور پر اختیار حاصل ہو گیا جنہیں قواعد کلرنڈن میں طلب کیا گیا تھا، سوائے ایسے پادریوں کی سزا کے جن کے جرائم غداری کی حد تک نہیں پہنچتے تھے۔ غداری اور سزائیں مملکت کے ہاتھ میں رہیں سنگین جرائم کی صورت میں پادری قدیم زمانے سے مستثنیٰ تھے اور اسے انگریزی قانون میں ”استحقاق قسیس“ (Benefit of clergy) کے نام سے موسوم تھا جو شخص سنگین جرم کا ملزم قرار دیا جاتا وہ اپنے پادری ہونے کا دعوے پیش کر سکتا تھا یعنے وہ یہ جواب دے سکتا تھا کہ میں پادری ہوں اور اس طرح مملکت میری سماعت نہیں کر سکتی اور سزا نہیں دے سکتی۔ اگر اس کا دعوے معینہ قواعد کے مطابق صحیح ثابت ہو جاتا تو وہ مذہبی عدالت کے سپرد کر دیا جاتا اور اس طرح وہ ملک کی مقررہ سزا سے بچ جاتا تھا۔

Bibliographical Note :— C. H. Haskins, *Norman Institutions*, 1918 ; *The Abacus and the King's Curia*, E. H. R. *xxvii*, 101, 1912. W. A. Morris, *The Office of Sheriff in the Early Norman period*, E. H. R., *xxxiii*, 45, 1918. R. L. Poole, *The Exchequer in the Twelfth Century* 1912. J. H. Round, *Geoffrey de Mandeville, 1892* ; *Feaudal England*, 1895 ; *The Commune of London* 1899 ; *The King s Serjeants and officer of State*, 1911. T. F. Tout ; *The Administrative History of Mediæval England*, 2 vols, 1920.

باب ۴

قانون اور مرکزیت

ہنری دوم کے عہد میں جو اصلاحات کی گئیں وہ اگرچہ آئندہ قانونی اور دستوری تاریخ میں غیر معمولی نتائج کی باعث ہوئیں مگر اور لوگ تو کجا خود ہنری کو اس بات کا قبل از وقت اندازہ نہ تھا کہ ان اصلاحات کے آخر میں کیا نتائج ہونے والے ہیں اور ہنری کے متعلق تو یہ بات معلوم ہے کہ معمولی سیاسی مسائل میں بھی جو اس کے سامنے آتے تھے وہ کوئی خاص پیش بینی نہیں کر سکتا تھا۔ اصلاح کے مسئلے پر غالباً اس نے یہ سمجھ کر نظر ڈالی ہوگی کہ وہ ایک سیاسی مسئلہ ہے یعنے مرکزی حکومت بہت کمزور ہوگئی ہے لہٰذا اس کی طاقت بحال کرنی چاہئے، ملک میں جرائم اور بدنظمی بہت ہوگئی ہے لہٰذا اس کو دور کرنا چاہئے، جان و مال کی حفاظت ہونی چاہئے۔ اس زمانے کے خیال کے مطابق بادشاہ کا اولین فرض جس کو خود ہنری بھی سمجھتا تھا یہ تھا کہ وہ انصاف کا بول بالا کرے۔ اچھا بادشاہ وہ ہے جو ایسا "شیر انصاف" ہو جیسے لوگ اس کے نانا کو موسوم کرتے تھے۔ اور ہنری نے اس بات کی قسم کھائی تھی کہ میری دلی خواہش ہے کہ میں اپنے نانا کے قدم بقدم چلوں۔ اگرچہ مرکزی حکومت کو اس امر کی ضرورت تھی کہ فرائض حکومت خاطر خواہ انجام دئے جائیں لیکن ایک مسلک حکومت

قرار دینے میں جو ہنری اپنے سامنے رکھتا تھا زیادہ فائدہ تھا۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت یہی چیز محرک عمل تھی۔ اس زمانے میں نظم ونسق اور عدل گستری کے اعضا ایک ہی تھے۔ انصاف کی کل درست کرنے کے معنی یہ تھے کہ مداخل مالگزاری کی اصلاح کی جائے اور شاہی آمدنی میں اضافہ کیا جائے۔ عدالتوں کی درستی کے معنی یہ تھے کہ خود مداخل سرکاری کی اصلاح کی جائے کیونکہ اس سے رسوم عدالت اور جرمانوں میں جو بادشاہ کو ملتے تھے اور جو ہر حالت میں آمدنی کا ایک بڑا ذریعہ تھا اضافہ ہوتا تھا۔ اب جو ارباب حکومت اس تغیر کے ذمہ دار تھے، خواہ وہ بادشاہ ہو یا اس کے وزرا، خود ان کے اغراض علیحدہ تھے۔ یہ ایک ہی دور ہے جس میں طریق انصاف، عدالتوں کی تنظیم اور حصول انصاف کی کارروائی میں عظیم الشان اصلاح عمل میں آئی۔ یہ قیاس کرنا بے وجہ نہیں ہوگا کہ ان اصلاحات کی پہلی ہی سے ضرورت تھی اور ان کی پیش بینی کر لی گئی تھی۔ حکومت کو اس بات کا یقین تھا کہ حصول انصاف کو سہل تر بنانا اور اس کے طریقوں کو سادہ اور قابل اعتماد بنانا ضروری ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جس میں ایسے جلیل القدر قانون دان اور ارباب حل وعقد پیدا ہوئے جن کو عملی حکومت میں بھی بڑا دخل تھا۔

عدالتی تنظیم قانون اور ضابطۂ عدالت کے شعبے میں اس زمانے کی اداراتی پیداوار ایسی دیرپا ثابت ہوئی کہ اس وقت اس کو جس شکل میں ڈھالا گیا تھا اس میں بہت کم تغیر ہوا۔ اگرچہ اس زمانے کی دستوری پیداوار بھی اسی طرح مستقل ثابت ہوئی بلکہ قوم کی تاریخ میں اس کی اہمیت اس سے بھی زیادہ ہے، مگر آج اس کی جو شکل دکھائی دیتی ہے وہ ایسی ہے کہ اس وقت ہنری کے وزرا اس کو ہرگز نہیں پہچان سکتے۔ ہاں ہنری کے جلیل القدر، عادل رچرڈ دی لوسی، رانلف گلینویل اینگلوسیکسن دنیا میں جہاں جائیں گے ہر قانونی عدالت کو اپنی ہی پائیں گے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اکثر چیزیں ان کو اجنبی معلوم ہوں گی اور اکثر چیزیں بالخصوص اصلی قانون میں ایسی ملیں گی کہ ان کو وہ نہیں پہچان سکیں گے مگر آلات وضابطۂ عدالت کو وہ ایک ہی نظر میں پہچان لیں گے کہ یہ سب انہیں کی بنائی ہوئی چیزیں ہیں اور ان کو فوراً معلوم ہو جائے گا کہ کس طریقے سے یہ چیزیں اپنی ابتدائی بنیاد سے ڈھل کر آ رہی ہیں کیونکہ تمام اینگلوسیکسنی ملکتوں کا قانون عرفی وقانون حق رسی نیز ان کی عدالتی تنظیم انہیں لوگوں کی قائم کی ہوئی ہیں۔ اس باب میں اداراتی زندگی

کا پہلو جو اس زمانے کا فوری نتیجہ ہے ہمارے خاص طور پر مدِنظر رہے گا، لیکن ساتھ ہی دستوری پیداوار کو بھی ہمیں برابر ذہن نشین رکھنا چاہئے۔

مختصر الفاظ میں اس زمانے کی دستوری پیداوار مرکزیت تھی۔ عدالتی نظام کو جو جدید شکل میں ڈھالا گیا اور حصولِ انصاف کے جو جدید طریقے پیدا کئے گئے وہ دراصل مرکزیت کی ترتیب تھی۔ ان جدید طریقوں کا اثر یہ ہوا کہ ہر گوشے میں نارمنی مرکزی حکومت گھس گئی۔ اور اس نے ہر شخص پر اپنا ہاتھ ڈالا۔ نارمنوں کی مرکزی حکومت ایک مسلسل مطلق العنان حکومت تھی اور ایسی قطعی مطلق العنانیت تھی کہ اس پر دستوری اشکال کا پردہ تک نہیں ڈالا گیا تھا۔ اس وقت جو تبدیلی ہو رہی تھی وہ یہ تھی کہ نارمنوں کی مطلق العنان حکومت دستوری شکل اختیار کر رہی تھی اور قانون و ادارات کا جامہ پہن رہی تھی۔ اگر یہ کوشش بارآور ہو جاتی یعنے اگر حکومت اس حالت کو چھوڑ کر جو اس کی عادت میں داخل ہو گئی تھی جملہ تنظیم اور آلات حکومت کی روح اور ضروری تاویل کی صورت میں مبدل ہو جاتی تو اس سے ایسا ثبات اور استقلال پیدا ہو جاتا کہ آئندہ درآمد کے لئے راستہ بند ہو جاتا۔ جہاں تک خود ہنری دوم کے عہد کے نتائج کا تعلق ہے اس نے اس سلسلے میں جس قدر ہو سکتا تھا سب کچھ کیا اور توقع سے زیادہ کیا۔ جو آلات تجویز کئے گئے تھے ان سے بارھویں صدی کے لئے ایک عجیب استوار مرکزیت پیدا ہو گئی، اب یہ آنے والے زمانہ کا کام تھا کہ اس کو مستقل کرے۔

تاریخ دستورِ انگلستان میں نارمنی فتح کے بعد یہ دورِ تغیر کا سب سے پہلا اور عظیم الشان دور ہے۔ اور اپنی نمایاں خصوصیات میں سے ایک میں تاریخ کے دیگر ازمنۂ تغیر کے ساتھ برابر کا شریک ہے۔ اس دور کا امتیاز اس بات میں بہت کم ہے کہ اس میں جدید ادارات ایجاد ہوے بلکہ اس بات میں ہے کہ اس میں بڑے ادارات کا وسیع پیمانے پر یا جدید طریقے سے استعمال ہوا۔ تبدیلیوں کے بڑے مدات وہ ادارات تھے جو نارمنی فتح کی بدولت انگلستان میں آئے تھے یعنے شاہی مادلیا۔ گشتی عدالتیں نقشہ جات اور جوری۔ ان مخصوص تغیرات میں سے اکثر ایسے ہیں کہ جن کا زمانۂ گزشتہ میں خاکہ پایا جاتا ہے۔ یعنے یہ ہنری کے باپ کے زمانے میں جب کہ وہ نارمنڈی میں تھا یا اس کے نانا کے زمانے میں جب وہ انگلستان آیا تھا پائے جاتے ہیں۔ لیکن ان کو جوڑ کر ایک مربوط عضوی نظام میں مرتب کرنا اور ان کو مرکزی حکومت کے آئندہ ادلہ میں مستقل طور پر شامل کر دینا اور اس آلہ کو معین ضابطوں کے تحت ایسے پیش کرنا کہ

جو شخص چاہے اس سے فائدہ اٹھائے یہ سب ہنری کا کام تھا۔ صرف چند سورتوں کے متعلق ہم یقین کے ساتھ یہ بتا سکتے ہیں کہ کیا اختراعات کی گئیں اور کس ترتیب سے کی گئیں اور ان کی تاریخ کیا تھی۔ ہمارا بہترین کام یہ ہو سکتا ہے کہ ہم منطقی استدلال کے مطابق اس مضمون پر بحث کریں، جو اساسی چیزیں ہیں ان کو پہلے بیان کریں اور یہ دیکھیں کہ دوسری چیزیں ان میں کیسی شامل ہو گئیں۔ لیکن ان مخصوص واقعات کی بناء پر جو ہماری دانست میں ہیں جہاں جہاں ردو بدل کرنا پڑے گا ان کو بھی جہاں تک ممکن ہو دیکھنا چاہئے۔

مقامی عدالت شاہی۔ اصلاحات کی تمام فہرست میں مقامی عدالت شاہی ایسی چیز ہے جو منطقی اور عملی دونوں پہلوؤں سے اساسی تھی۔ جو کچھ تغیرات کئے گئے اور ان کو جوڑ کر ایک منظم مجموعے کی صورت میں لایا گیا ان کے متعلق بادشاہ کی بڑی غرض یہ تھی کہ مقامی حلقوں میں عدالت شاہی کا اجلاس ہو جو مقامی مقدمات پر غور کرے اور ایسے شرائط قائم کرے جو سب عدالتوں پر حاوی ہوں۔ اس بات کا ثبوت نہیں کہ دوسرے آلات مثلاً عادل۔ شقہ جات باجوری سوائے "عدالت شاہی" کے کبھی بادشاہ یا مرکزی حکومت کے اغراض کے لئے یا شاہی اجازت سے استعمال کئے گئے تھے۔ جب شقے کے ذریعے سے مقامی سماعت کے لئے حکم ہوتا تھا تو وہ سماعت ہمیشہ شاہی عدالت میں شاہی عادلوں کے روبرو ہوتی تھی۔ یہ امر کہ یہ تمام کل و پرزے بادشاہ کے ذاتی تھے۔ اور اس کے استعمال کے لئے اجازت لینا اور یہ قیمت خریدنا پڑتا تھا اس زمانے میں قبیح نہیں سمجھا جاتا تھا۔

لیکن یہ خیال کرنا صحیح نہیں ہوگا کہ مقامی عدالتہائے شاہی صوبے اور ہنڈریڈ کی مقامی عدالتوں کے قدیم نظام میں خارج ہوتی تھیں۔ اگلی صدی کے اختتام پر جدید عدالتیں سوائے خفیف مقدمات کے جملہ امور میں قدیم عدالتوں کے قائم مقام بن گئیں گو ان دونوں حدود اختیارات میں ایک حد تک مسابقانہ تنگ و دو بھی نگر آدائل میں یہ عدالتہائے عوام میں خارج نہیں ہوئیں۔ بارھویں صدی کے دوسرے نصف حصے میں بھی یہ عدالتیں اپنی ترکیب ضابطہ کارروائی اور فرائض کے ساتھ اسی طرح قائم رہیں جس طرح گیارھویں صدی میں تھیں عدالت ہنڈریڈ کی حالت یہ تھی کہ تمام عدالتیں خانگی رؤساء کے ہاتھ میں برابر ضم ہو رہی تھیں۔ ہنری اول کی وہ اصلاح جس کی ہمارے پاس دستاویزی شہادت موجود ہے مقامی عدالتوں سے متعلق ہے۔ اس نے پرانے قواعد کو جہاں تک ان کے اوقات اور مقامات کا تعلق ہے

بحال کر دیا تھا اور اِس بات کا سدباب کر دیا تھا کہ مقامی عہدہ دار اپنے فائدے کے لیے اُن کو بے قاعدہ استعمال نہ کریں ۔ اور ان مواقع کے لئے جب خود بادشاہ کے اغراض کے لئے استعمال ہوتے تھے کارروائی کے چند ضابطے بنا دیئے تھے ۔ یہ بات خلاف قیاس نہیں ہے کہ خود بادشاہ کے استعمال کرنے سے ان میں پہلے پہل ایک نئی جان پیدا ہوگئی جو کسی دوسری طرح ممکن نہیں تھی ۔

جب عادل اپنے متعلقہ دورے پر نکلتے تھے تو ان سے پہلے ہر صوبے کے شیرف کے نام شقہ آتا تھا جس میں حکم ہوتا تھا کہ عادلوں کا ایک اجلاس منعقد کرے ۔ یہ اجلاس صوبے کا وہ معمولی اجلاس عدالت نہیں تھا جس کا شیرف وقتاً فوقتاً منعقد کرتا تھا تاکہ صوبے کے معمولی امور انجام پائیں بلکہ یہ خاص اجلاس تھا اور اِس کے انعقاد کی خاص غرض یہ تھی کہ صوبے میں عدالت شاہی کے اجلاس کے لئے مقامی حلقے کے ضروری کل پرزے جمع کئے جائیں ۔ اور اِس طریقے سے ہم یہ سمجھ سکتے ہیں یہ عدالت کی بہترین ساخت تھی جو اس عدالت کو جب کہ بادشاہ کے اکثر افراد اور خانقاہوں اور بلدیات جیسے سندی جماعتوں کو جو مقبول بارگاہ تھے استثنا اور حق رائے دہی عطا کرنے اور اِس طریقے سے تقریباً تمام طبقات کو شرکت سے سبکدوش کرنے سے پہلے حاصل ہوگئی تھی ہنری نے تمام مستثنیات اور اختیارات خصوصی معطل کر دئیے ۔ اس عدالت میں دینی اور دنیوی اکابر اور جملہ معافی دار اور ہر دیہ سے ریو اور چار قانونی آدمی اور ہر بلدیہ سے ۱۲ قانونی بلدی بلائے جاتے تھے کہ اصالتاً مجلس میں شرکت کریں ۔ بڑے لوگوں کو فوری یہ حق حاصل ہوگیا کہ یہ وکیل کے توسط سے نمایندگی کر سکتے ہیں لیکن یہ ضرور ہے کہ ان کی طرف سے جواب دینے کے لئے ایک شخص وہاں ہوتا تھا اور عادل جو کام سپرد کرتا اس کے انصرام کے لئے تمام صوبہ موجود ہوتا تھا ۔

عدالت کی کارروائی اس طرح شروع ہوتی تھی کہ پہلے بادشاہ کا شقہ پڑھا جاتا تھا ۔ اور اس میں نہ صرف یہ حکم ہوتا تھا کہ عدالت کا اجلاس ہو بلکہ اس سے عادلوں کو اختیار دیا جاتا تھا کہ وہ کام کریں اور شاہی آلات سے کام لیں ۔ پھر ایک عادل مجلس کو مخاطب کر کے گشتی عدالت (iter) کے مقاصد کی تشریح کرتا اور اس نظام کے فوائد دکھلاتا تھا ۔ پھر جوریاں ترتیب دی جاتی تھیں ۔ تمام صوبے میں سے پہلے چار مبارز منتخب کئے جاتے تھے اور ان سے حلف لیا جاتا تھا ۔ یہ لوگ ہر ہنڈریڈ سے دو مبارز

منتخب کرتے تھے اور یہ بھی حلف دادہ ہوتے تھے اور یہ دو مبارز دس اور مبارز منتخب کرتے تھے اور جب اتنے مبارز دستیاب نہ ہوتے تو آزاد اور قانونی لوگ منتخب کئے جاتے تھے اور یہ سب تعلقے کی جانب سے جوری مرتب کرتے تھے۔ ان جوریوں کے روبرو تحقیقات کی وہ فہرست پیش کی جاتی تھی جس کے متعلق عادلوں کو یہ ہدایت ہوتی تھی کہ وہ خلفیہ مقامی شہادت لیں۔

فہرست تحقیقات ۱۱۹۴ء۔ ۱۱۹۴ء کی گشتی عدالت میں

جو فہرست جوریوں کے روبرو پیش کی گئی تھی۔ وہ اس وقت تک موجود ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ اس سے عادلوں کے کام کی واضح مثال سامنے آجاتی ہے۔ پہلے جوریوں کو ایسے تمام مخصوص مقدمات فوجداری کی جن کی سماعت ضروری ہوتی تھی رپورٹ پیش کرنی پڑتی تھی، جو قدیم ہو یا جدید ابتدائی عدالتوں میں غیر منفصلہ رہ جاتے تھے۔ اس کے بعد ان کو ایسے خانگی مقدمات فوجداری کی رپورٹ دینی ہوتی تھی۔ جن کی سماعت کے لئے بذریعہ متعلقہ اجلاس عدالت کی اجازت لی جاتی تھی یا بغرض سماعت مرکزی عدالت سے عدالتِ صوبہ میں واپس کئے جاتے تھے۔ بعد کو یہ (Nisi prius)(Cases) کہلانے لگے تھے یعنے ایسے مقدمات جو وسٹ منسٹر کی عدالت عرفی سے عدالت گشتی میں منتقل ہوئے ہوں۔ پھر اس کے بعد انتظامی امور کی ایک طویل فہرست پیش ہوتی تھی جن میں بادشاہ بذاتِ خود دلچسپی لیتا تھا اور جو عام طور پر شیرف کے زیر نگرانی ہوتے تھے۔ اس فہرست سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کس طرح گشتی عادل شیرف کے رویے پر خاطر خواہ نظر رکھتے تھے اور کس طرح یہ عدالت آلۂ نظم ونسق اور آلۂ مرکزیت کا کام دیتی تھی۔ ان تمام چیزوں کی بحد معلومات رپورٹ دی جاتی تھی کہ کتنی قابل بازگشت ہیں۔ کتنے گرجا خالی ہیں جن کے اماموں کو بادشاہ مقرر کرتا ہے۔ کتنے نابالغ اور شادی طلب ہیں۔ کتنی امدادیں ہیں جو اب تک وصول نہیں ہوئیں۔ کتنی اراضی اور مویشی متفرق ہیں اور کتنی قسم کے جرائم کا ارتکاب ہوا ہے۔ محصول لگانا، شاہی مینروں کے انتظام اور ذخائر کی تنقیح کرنا، یہودیوں کی جائداد اور ان کے وصول طلب قرضوں کو درج رجسٹر کرنا، یہودیوں کے مقبوضہ کفالتوں کے متعلق نئے ضوابط کی تعمیل کروانا، اور اس امر کی رپورٹ دینا کہ اس دوران میں سرکاری عہدہ داروں نے کونسی جائدادیں ضبط کی ہیں اور ان کے اسباب کیا ہیں، سب ان کا کام تھا۔ جب آج ہماری کسی گشتی عدالت میں عادل بڑی جوری کو یہ ہدایت کرتا ہے کہ صوبے کے محبس کا معائنہ کریں اور اس بات کی

رپورٹ کریں کہ گزشتہ دورے کے بعد سے شیرف نے اس کا کس طرح انتظام کیا ہے تو ایسی صورت میں عادل ایک انتظامی فرض ادا کرتا ہے اور یہ ایسا فرض ہے جو براہ راست بارھویں صدی کی اصلی گشتی عدالت کی طرف سے وراثتہً آرہا ہے۔ اگرچہ جس صوبے کی رپورٹ دی جاتی تھی بہت چھوٹا ہوتا تھا مگر اس زمانے میں جیوری والوں کا کام برائے نام نہیں ہوتا تھا بلکہ غلطی کرنے پر ان کو بھاری بھرکم جرمانے ادا کرنے پڑتے تھے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ بارھویں صدی کے سلاطین گشتی عدالت کے فوجداری اور انتظامی امور میں غیر معمولی دلچسپی لیتے تھے کیونکہ ان امور پر جس قدر توجہ کی جاتی تھی اسی قدر زیادہ آمدنی حاصل ہوتی تھی نظم و نسق اچھا ہوتا اور حکومت مضبوط ہوتی تھی۔ لیکن یہ قیاس کرنا بھی بے وجہ نہیں ہے کہ سلاطین دیوانی مقدمات میں بھی جو عدالت میں پیش ہوتے تھے دلچسپی لیتے تھے۔ عدالت کے دیگر امور کے مقابلے میں ان مقدمات، کی اہمیت ہر حالت میں بڑھنے والی تھی۔ انتظامی امور کے انصرام کے لئے جن کی عادل نگرانی کرتے تھے حکومت نے ڈیڑھ سو سال کے درمیان میں رفتہ رفتہ دوسرے طریقے پیدا کر لئے لیکن اسی دوران میں گشتی اور باقی تمام شاہی عدالتوں کے دیوانی مقدمات کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا۔ یہ مقدمات شروع ہی سے پرانی عدالتوں کو چھوڑ کر جدید عدالتوں میں دھڑا دھڑ آنے لگے تھے۔ اس کی محض یہ وجہ نہیں تھی کہ اچھی حکومت ہونے سے ملک کی خوشحالی میں اضافہ ہو گیا تھا بلکہ بڑی وجہ یہ تھی کہ جدید شاہی عدالتوں میں مقدمہ بازوں کو سماعت کے اچھے طریقے حاصل ہوتے تھے اور بالخصوص یہاں جوری کا انتظام تھا۔

قدیم عدالتوں میں مقدمات کی سماعت کا جو طریق کارروائی تھا وہ پہلے بیان کر دیا گیا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ ان عدالتوں میں حقیقت مقدمہ کی بابت رائے عامہ معلوم کرنے کے بہت خراب طریقے تھے یعنی تائید حلف لی جاتی تھی اور درمیانی اور آخری فیصلے ہوتے تھے اس پر طرہ یہ کہ فریقین مقدمہ کے مابالنزاع معاملات کی صداقت دریافت کرنے کے جو ذرائع تھے وہ بھی ناقص تھے۔ شاہی عدالتوں سے عظیم الشان فائدہ یہ تھا کہ ان عدالتوں میں حقیقی واقعات کے پتہ لگانے کے بہترین اور قابل اعتماد ذرائع دستیاب ہوتے تھے۔ قدیم طریقۂ کارروائی میں ایسی چیزوں پر بھروسہ کیا جاتا تھا جو تقریباً اتفاقات کہے جا سکتے ہیں لیکن اب مقدمہ باز جوری سے فائدہ اٹھا سکتے تھے۔ یہ اہل جیوری ہمسایوں میں سے منتخب

ہوتے تھے جن کا واقعات سے واقف ہونا بہت اغلب تھا۔ ان کو عادل یہ ہدایت کرتے تھے کہ وہ اپنی دانست کے موافق اور حلف لے کر مقررہ سوال کا جواب دیں۔ ان کے جواب پر کوئی مواخذہ نہیں ہوتا تھا۔ جس شخص کو یہ اعتماد ہوتا کہ اس کا مقدمہ سچا ہے اور وہ واقعات کو عدالت کے سامنے لا سکتا ہے تو وہ پنچایتی سماعت کی خواہش ونکر کرتا تھا۔ خواہ انتظامی مقدمہ ہو یا قانونی۔ جوری کے ذریعے واقعات معلوم کرنے کی جو کارروائی تھی اس کو تحقیقات (Inquisition) کہتے تھے اور جوری کا باضابطہ جواب قرار داد یار الصادق (Verdictum) کہلاتا تھا۔

شقے کی ابتدا۔ جوری آلہ حکومت کا کوئی باضابطہ جز نہیں تھا۔ یہ ایک شخصی عمل تھا جو بادشاہ کی ذات سے وابستہ تھا اور یہ فرانکی بادشاہوں سے ورثے میں ملا تھا۔ شقے صرف غیر معمولی اور اکثر ایسی صورتوں میں استعمال ہوتے تھے جن کی نوعیت انتظامی ہوتی تھی۔ مثلاً اجرائی محاصل عہدہ داران شاہی کا رویہ اور حصول جائداد شاہی۔ اور ان سے مقصد ان واقعات کو ثابت کرنا ہوتا تھا جن پر فیصلہ منحصر کیا جاتا تھا۔ جب کوئی غیر سرکاری شخص اپنے مقدمے میں عدالت کے روبرو بذریعۂ فیصلہ جوری اپنے واقعات معلوم کرنا چاہتا تو جوری کے لئے اس کو بادشاہ کی ذاتی اجازت لینی پڑتی تھی اور بغیر اجازت کے جوری حاصل کرنا ممکن نہ تھا۔ یہ اجازت شقے کے ذریعے دی جاتی تھی اور اس میں مقدمے کی صراحت ہوتی اور عادل کو اس کی سماعت کا اختیار دیا جاتا تھا۔ اسی طریقے سے قانون عرفی کا یہ اصول کہ ہر مقدمہ شقے سے یعنے اصل شقے سے شروع ہونا چاہئے پیدا ہوا اور اسی سے یہ اصول بھی قرار پایا کہ شقے میں صحت کے ساتھ سماعت نالش کی صراحت ہونی چاہئے کیونکہ کسی ایک مقدمے کے متعلق اجازت ملنے سے کہ جوری یا عادل استعمال کئے جائیں یہ حق پیدا نہ ہوتا تھا کہ وہی دوسرے مقدمات میں استعمال ہو سکتے ہیں۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ شروع ہی میں عادل اس شخص کو جس کے پاس غلط شقہ ہوتا تھا، ہدایت کر دیتے تھے کہ اگر وہ درخواست دے تو صحیح شقہ مل سکتا ہے اسی سے قانون عرفی کی تکمیل کے دور اولین کی ایک بڑی خصوصیت بھی پیدا ہو گئی یعنے نالشوں کی تقسیم اور شقہ جات کی کثرت۔

خانگی اشخاص کو شقہ جات عطا کرنے کا عملدرآمد کہ وہ اس سے بادشاہ کے آلات جوری اور عادل سے فائدہ اٹھانے لگے۔ تقریباً فتح کے عین بعد ہی شروع ہو گیا تھا۔

جہاں تک اب ہم کہہ سکتے ہیں پہلی پشت میں اس عملدرآمد کی رفتار بہت دھیمی رہی لیکن ہنری اول کے عہد میں اس کا کثیر رواج ظاہر ہے ۔ اور اس عہد میں نحتے کی ظاہری شکل پر بہت زیادہ توجہ کی گئی ۔ لیکن جہاں تک انگلستان کا تعلق ہے ہنری دوم نے اپنے اوائل عہد میں ہی سب سے پہلے اس چیز کو اپنے ہاتھ میں لیا اور اس کو بہت ترقی دی ۔ اور یہ قرین قیاس ہے کہ یہ کام ایک یا کئی "قوانین" کے ذریعۂ جن کو (Assize) کہتے تھے عمل میں آیا تھا ۔ لیکن اس وقت ان قوانین کے الفاظ موجود نہیں اور نہ ان کی تاریخیں ہم یقین سے بتا سکتے ہیں ۔ ان قوانین سے یہ تیقن ہو گیا تھا کہ خاص مقدمات میں جو بار بار آتے تھے ۔ ہر شخص شاہی عدالت میں جوری سے کام لے کر اپنے مقدمے کی سماعت کرا سکتا تھا ۔ اس میں شرط صرف یہ لگائی گئی کہ وہ ضروری شقے کے لئے درخواست دے ۔ اور معینہ رسوم عدالت ادا کرے ۔ اس کا درحقیقت مطلب یہ تھا کہ ان مقدمات میں یہ جدید کارروائی باضابطہ عدالتی کارروائی کا ایک جز بن گئی تھی اور تمام قوم کے فائدے کے لئے رکھی گئی تھی ۔ گشتی عدالتوں کے طریق کو باقاعدہ بنانے کے ساتھ ان قوانین نے پادشاہ کے خاص آلۂ حکومت اور مرکزیت کو مملکت کے دستوری آلات کا جامہ پہنا دیا ۔

وہ خاص قسم کے مقدمات جن کو (Assize) کہتے تھے شمار میں پانچ تھے ۔ ان میں تین وہ ہیں جن کو مقدمات قبضہ اراضی کہتے ہیں ۔ نارمن فرانسیسی میں ان کے نام ہیں بیدخلی جدید (Novel disseisin) "وفات جدی" (Mort d. ancestor) اور تقرر کلیسائی" (Daarrcin Presentment) مقدمہ (Utrum) اور مقدمہ کلاں (Grand assize) پہلے تین مقدمات قبضہ اراضی میں جوری کے سامنے یہ امر پیش نہیں کیا جاتا تھا کہ اصل مالک کون ہے بلکہ صرف یہ سوال پیش کیا جاتا تھا کہ آیا مدعی زبردستی محروم جائداد کیا گیا ہے ۔ پہلے دو مقدمات ایسے جو اراضی سے متعلق تھے اور تیسرے میں کہ کلیسا کے گزارے کے لئے معاش دی جا سکتی ہے یا نہیں ۔ حقیقت کے سوال کو متعاقب تصفیے کے لئے چھوڑ دیا جاتا تھا ۔ مقدمہ (Utrum) یہ امر پیش کرتا تھا کہ قطعہ زمین کلیسا کے قبضے میں ہے آیا وہ محض دعاگوئی کے لئے حاصل ہے یا معمولی جاگیری اصول کے طور پر ہے اور مقدمہ کلاں اب ایسے مدعا علیہ کے فائدے کے لئے تھا جس کا حق اور حقیت معرض بحث میں ہوتی تھی اور جو اپنے معاملے کو عدالتی "مجادلے" کے ذریعے سے نہیں بلکہ جوری کے ذریعے تصفیہ کرانا چاہتا تھا ۔

بارھویں صدی میں مقدمات کی جو نوعیت پیدا ہوئی اور جن میں مقدمہ باز بادشاہ کی اختیاری جدید کارروائی سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔ وہ سب جاگیری مقدمات تھے جو سب سے پہلے جاگیری عدالت میں رجوع ہوتے تھے۔ جو مقدمات حقیت قبضہ دوامی سے متعلق ہوتے تھے وہ بھی اس کارروائی سے فائدہ اٹھا سکتے تھے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اوائل میں ان سب مقدمات کو اس سے فائدہ اٹھانے کا موقع نہیں ملا۔ صرفی قبضہ جات اس سے محروم تھے۔ جب شاہی آلات کے استعمال کے لئے درخواست پیش ہوتی تو اس کے عام معنی یہ تھے کہ مقدمہ جاگیردار کی عدالت سے علحدہ کرکے شاہی عدالت میں منتقل کردیا جائے۔ اس منتقلی سے جاگیردار کا نہ صرف یہ نقصان ہوتا تھا کہ وہ خود اپنے لوگوں کے مقدمات کی سماعت سے محروم ہوجاتا تھا۔ بلکہ اس سے زیادہ یہ کہ سماعت سے جو رسوم عدالت اور جرمانے ملتے تھے ان سے بھی اس کو ہاتھ دھونا پڑتا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ چیزیں بیرنوں کو ضبطی جائداد کے مماثل معلوم ہوتی ہوں گی اور اگر ممکن ہوتا تو وہ اس پر اعتراض کرنے سے کبھی دریغ نہ کرتے کہ بادشاہ کو اس کا کوئی حق نہیں ہے۔ جدید کارروائی سے ان مقدمات پر بھی اثر پڑا ہوگا جو ابتداءً عدالت ہنڈرڈ و عدالت صوبہ میں دائر ہوتے تھے۔ لیکن یہاں بھی اس جدید کارروائی کے تحت کام بہت سادہ اور فطری اصول کے بنا پر ہونے لگا۔

شقہ حقیت۔ شقہ جات اسائز کے علاوہ بادشاہ کی خاص اختیاری کارروائی نے دو اور شقے پیدا کردیئے اور ان شقوں نے تو اس سے زیادہ کام کیا یعنے مقدمات کو بیرنی عدالت سے بالکل خارج کردیا۔ ان میں سے ایک وہ شقہ حقیت ہے اور دوسرا وہ شقہ ہے جس کو حکمنامہ (Præcipe) کہتے تھے۔ شقہ حقیت وہ شقہ تھا جس میں یہ ہدایت ہوتی تھی کہ حق، حقیت یا ملکیت کے مقدمات کی سماعت کی جائے اس شقے کا تخاطب براہ راست رئیس عدالت کے طرف ہوتا تھا۔ اور اس کو حکم ہوتا تھا کہ شقہ یافتہ مدعی کے ساتھ انصاف کیا جائے۔ اور اس میں یہ معنے نہاں ہوتے تھے کہ رئیس بعض وجوہات کی بنا پر جس کا ذکر نہیں کیا جاتا تھا انصاف کرنے کے لئے راضی نہیں ہے۔ اس کے آخر میں ایک فقرہ یہ بھی ہوتا تھا کہ اگر رئیس انصاف نہ کرے تو پھر دوسرا شخص جو بالعموم شیرف ہوگا انصاف کرے گا۔ یعنے رئیس کے انصاف نہ کرنے کی صورت میں سماعت مقدمہ کے لئے

شاہی مامور مقرر ہوتا تھا اور اس کو عدالتی کارروائی کا اختیار دیا جاتا تھا۔ شقہ محض اس اصول وحق پر مبنی تھا کہ بادشاہ کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ آیا ہر شخص کے ساتھ انصاف ہوتا ہے یا نہیں۔ لیکن شقہ پہلے عدالت بیرنی کے حق سماعت کو پورے طور پر تسلیم کر لیتا تھا۔ قانوناً اس کا تعلق اس اصول سے تھا کہ عدل گستری کے نقص اور بے اعتنائی کا مرافعہ ہونا چاہیئے۔ اور یہ کمزوری اور بے اعتنائی تمام جاگیری دنیا میں پھیلی ہوئی تھی۔ اصولاً ماتحتوں کو یہ حق حاصل ہوتا تھا کہ جب ان کا رئیس انصاف سے انکار کرے تو وہ اس کے رئیس اعلیٰ کے روبرو اپنے مقدمات رجوع کریں۔ بادشاہ نے اس مرافعہ کے استعمال کو بہت سہل بنا دیا اور یہ صاف طور پر سمجھا دیا کہ عدالہائے بیرنی میں تنقیح کرنا کہ وہاں انصاف ہوتا ہے یا نہیں خود شاہی عدالتوں کا کام ہے۔ اس حد تک تو بیرن کوئی شکایت نہیں کر سکتے تھے کیونکہ بادشاہ علانیہ اپنے حقوق کے دائرے کے اندر رہتا تھا۔

شقہ حکم (Præcipe) تو بہت آگے نکل گیا۔ اس نے بیرنی عدالتوں کو بالکل نظر انداز کر دیا۔ یہ شقہ مدعی کو دیا جاتا تھا اور شیرف کے نام ہوتا تھا اس میں یہ ہدایت ہوتی تھی کہ مدعی علیہ کو یہ حکم دے کہ زمین زیر نزاع فوراً مدعی واپس کر دے یا شاہی عدالت میں حاضر ہو کر جواب دعویٰ پیش کرے کہ ایسا کیوں نہیں کیا گیا، یعنے اس نے شاہی احکام کی کیوں تعمیل نہیں کی۔ اس کے جواب دعویٰ سے اس مقدمے کا دوسرا رخ اور سماعت مقدمہ کا ایک حصہ جو عدالت شاہی میں جاری تھی واضح ہو جاتا تھا۔ شقے میں یہ فرض کر لیا جاتا تھا کہ مدعی کا دعویٰ برحق ہے اور اس اصول پر مبنی تھا کہ ہر کس و ناکس کے ساتھ انصاف کرنا بادشاہ کا فرض ہے۔ یہ شقہ قانون جاگیری اور رئیس جاگیردار کے حقوق کو بالکل پس پشت ڈال دیتا تھا۔ اور اس کا انحصار بالکلیہ شاہی عہدے کے اس اعلےٰ تصور پر تھا کہ بادشاہ صرف رئیس قلمرو ہی نہیں بلکہ دنیا کی حکومت الٰہیہ کا نائب بھی ہے یہی نظریہ تھا جو زمانۂ وسطیٰ میں بادشاہ کے متعلق سمجھا جاتا تھا۔ اس طریقے سے مملکت کی جاگیری حکومت پر فوری ضرب لگی اور عدالتی اختیارات جو خانگی ہاتھوں میں چھوڑ دیئے گئے تھے ان کے بازیافت کی یہ سب سے بڑی کوشش تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس سے صرف ایک ہی قسم کے مقدمات پر اثر پڑا اگر یہ پورے نظام تغیر کا ایک اہم حصہ تھا۔ اور اگر اس کو بہ حیثیت مجموعی دیکھا جائے تو اس سے ایک طاقتور مرکزی آئینی حکومت کی تشکیل عمل میں آئی

جو اس زمانے میں یورپ میں کہیں نہیں پایا جاتا تھا۔

مستقل مرکزی عدالت۔ عدالتی کارروائی میں جو ترقی ہوئی اور پھر اس کے ساتھ جدید آلات عدالت پیدا ہونے سے جو کام کی کثرت ہوئی تو اس کا اثر صرف اسی بات میں گشتی عادلوں کا انتظام حکومت کا مستقل عنصر بننے پر ہی ختم نہیں ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ گشتی عدالتیں خود ایک جدید اضافے یعنے ایک مستقل مرکزی عدالت کی تخلیق کا باعث ہوئی ہیں۔ جس کے لئے خاص عادل مامور ہوئے۔ یہ عدالت اسی قسم کے مقدمات کی سماعت کرتی تھی جو گشتی عدالتیں کرتی تھیں اور وہی بادشاہ کی اختیاری کارروائی بھی کام میں لاتی تھی۔ عملاً یہ بھی ایک گشتی عدالت ہی تھی جو ہمیشہ اجلاس کرتی تھی۔ یہ عدالت بعد کو "عدالت نالشات دیوانی" (Court of Common Pleas) کہلانے لگی لیکن یہ عدالت غالباً ما بعد کی عدالتہائے قانون عرفی یعنی عدالت شاہی اور عدالت مال کی طرح نہیں تھی جو چھوٹی کونسل کے عدالتی فرائض سے مشتق ہیں، بلکہ یہ خاص پیداوار تھی جو وضع قانون یا اس طریقے سے جو اس زمانے میں وضع قانون کا طریقہ تھا قائم کی گئی تھی۔ تاکہ جدید کارروائی کے فوائد ہر وقت بہم پہنچ سکیں۔ ایک زمانے تک یہی عدالت قانون عرفی کی مرکزی عدالت بنی رہی۔ کونسل نے بہ حیثیت عدالت خواہ اس کی چھوٹی تشکل ہو کہ بڑی اپنے عدالتی کام کے لئے جدید طریقہ کارروائی کو کبھی نہیں اختیار کیا۔ البتہ اس کی دو شاخیں جو عدالت شاہی اور عدالت مال کہلاتی ہیں وہ قانون عرفی کی عدالتیں ہو گئیں اور انہوں نے ایک صدی یا ایک صدی سے زیادہ زمانہ کے بعد غاصبانہ طور پر جدید طریقہ کارروائی کو استعمال کرنا شروع کر دیا۔ تاہم وضع قانون کے ذریعے جو عدالت نالشات دیوانی قایم ہوئی تو اس سے آئندہ ترقی کے لئے ایک تحریک پیدا ہو گئی۔ اس سے یہ ضابطہ بن گیا کہ جدید عدالت میں جو ادق مقدمات پیدا ہوں وہ فیصلے کے لئے کونسل کے تفویض کئے جائیں۔ ایسی تفویضیں بڑھتی گئیں اور اس سے کونسل میں کام کی نوعیت مخصوص ہو گئی جو بعد کو "حضوری شاہی" (Coram rege) کہلانے لگی اور جو تھا تب تفریق ہوئی تو اسی سے "عدالت شاہی" (King's bench) پیدا ہوئی۔

قانون عرفی۔ اس جدید نظام کی مزید پیداوار قانون عرفی (Common Law) ہے جو خود اس نظام کے بانیوں کے وہم و گمان میں نہ تھا لیکن تاریخ میں اس کی اہمیت و نتائج عظیم الشان حیثیت رکھتے ہیں۔ سیکسنوں کے زمانے میں

مقامی عدالتوں میں رواجی قانون نے جو ترقی پائی تھی اس کا ہر صوبے میں جداگانہ طرز کا تھا اور اس کے باوجود کہ قانون جاگیری اس پر مسلط کر دیا گیا تھا اس کی حالت بالکل نہیں بدلی تھی۔ قانونِ جاگیری ایسا قانون تھا کہ ہر جگہ یکساں ہونا اس کی نمایاں خصوصیت تھی اور قبضہ اراضی جیسے اہم مقامی معاملے کی وہ تنظیم کرتا تھا۔ بارھویں صدی کے قانون نگار اس کو سمجھ گئے تھے گو ان کے سامنے یہ تصور ہی نہیں تھا کہ قانون عرفی کا کیا مستقبل ہوگا تاہم انھوں نے اس بات کو محسوس کیا ہوگا کہ گشتی عادل جو واحد مرکزی عدالت سے صدور کرتے اور ہر صوبے میں اپنے ساتھ ایک ہی عدالت ایک ہی قانون ہمراہ لے جاتے ہیں یہ عادل دراصل تمام سلطنت کے لئے ایک مشترک قانون بنا رہے ہیں۔ چنانچہ زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ یہ لوگ اس کو مشترک قانون یا قانونِ عرفی (Common law) کے نام سے موسوم کرنے لگے جس طرح ہم آج کرتے ہیں، یعنے ایسا قانون جو ہر جگہ یکساں ہے، اور آج تمام انگریزی سمجھنے والی دنیا میں اس کا یہی مفہوم لیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ مقامی قانون کے بہترین اجزا مرکزی قانون میں بہت جلد جذب ہو گئے اور مقامی قانون آہستہ آہستہ غائب ہو گیا۔ یہ نتیجہ یعنے تمام سلطنت میں یکساں قانون کا رائج ہو جانا ایک منفی طریقے سے پیدا ہوا تھا اور یہ بہت بڑی دستوری اہمیت رکھتا ہے۔ قرون وسطی کے اختتام کے قریب جب تجارت میں روز افزوں ترقی ہونے لگی تو اس وقت ایسے قانون کی ضرورت لاحق ہوئی جو ہر جگہ یکساں ہو اس وقت انگلستان اپنے مرکزی قانون کی بدولت اس ضرورت کے پورا کرنے کے قابل ہو گیا تھا اور اس بات کی ضرورت نہ تھی کہ قیصری روما کا قانون اخذ کیا جائے جو زیادہ تر مطلق العنانیت کی طرف مائل تھا۔ کچھ اور عرصے کے بعد جب سترھویں صدی میں دستوری کشمکش ہوئی تو قانون عرفی کی گرفت بادشاہ کے خلاف ایک اچھی زبردست آہنی دیوار بن گئی۔

قانونِ عرفی کے ماخذ۔ قانون عرفی کے ماخذوں پر غور کرنے کے لئے ہمیں ضابطہ قانون اور اصل قانون میں تمیز کرنا چاہئے۔ جدید عناصر جو قانون عرفی کے ہونے کے باعث ہوئے وہ ضابطے سے متعلق تھے گو تمام ضابطہ جدید نہیں تھا۔ یہ نیا محرک اس وجہ سے پیدا ہوا کہ بادشاہ نے قوم کو عدالتوں کا ایک جدید مجموعہ اور مدعی علیہ کو عدالت میں حاضر کرنے کا ایک جدید طریقہ، اور شہادت کا ایک جدید اسلوب عطا کیا تھا۔ اور یہ سب ضابطہ یعنے طریقۂ کارروائی کی تبدیلیاں تھیں۔ پھر عمل تغیر میں بعض اساسی چیزیں بھی تھیں گشتی عادل۔

تشفہ۔ اور جوری۔ جس چیز نے نہایت زور سے قانونِ عرفی کے پیدا ہونے میں مدد دی ہے وہ جدید عدالتی نظام تھا۔ لیکن قانون اصلی جس سے قانونِ عرفی کی تشکیل عمل میں آئی ہے وہ بلا کم دور زیر بحث میں سیکسنوں کا پرانا مقامی قانون نارمنوں کا مقامی قانون (جو قریب قریب سیکسنی قانون کے لگ بھگ تھا) اور قانونِ جاگیری تھے۔ اگر ہنری اوّل کے عہد کی کتب قوانین میں ہم کو سیکسنی اور جاگیری قانون بلا اختلاط ایک دوسرے کے دوش بدوش دکھائی دیتے ہیں، تو دوسری طرف ہنری دوم کے عہد کی کتاب گلین ویل میں قانون کے یہ دونوں نظام جدید عدالتوں میں ایک ہی قالب میں ڈھلتے ہوئے پائے جاتے ہیں۔ اس کتاب میں قدیم اور جدید میں تمیز کرنے کے لئے ہم کو کوشش کرنی پڑے گی اور اس کے لئے تاریخی تجزیے سے کام لینا ہوگا اور پہلی نظر میں دونوں کے درمیان کچھ فرق محسوس نہیں ہوگا اس لئے کہ کتاب میں سوائے قانون عرفی کے کوئی اور چیز نہیں پائی جاتی۔ یہ مرکب مجموعہ وہ بنیاد ہے جس پر موجودہ قانون عرفی کی عمارت قائم ہے۔ اس کے بعد ہی قانون عرفی کی ترقی کا سب سے پہلا اور بڑا دور شروع ہوا۔ اس دور میں قدیم نظام کی ترقی نہیں بلکہ جدید نظام کی ترقی عمل میں آئی یعنے شقوں کی کثرت اور اس کے تحت نالشات کی مختلف قسموں میں تقسیم ہوی۔ یہ دیکھنا بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ قانون کی ترقی میں عدالتی فیصلوں کا اثر بھی فوراً محسوس ہونے لگا تھا۔ بریکٹن جو گلین ویل کے دو پشت کے بعد ہوا ہے اور قانون عرفی کا دوسرا بڑا مصنف ہے اس بات کے ثبوت میں کہ قانون کیا ہے دو سو طے شدہ مقدمات کے نظائر پیش کرتا ہے۔

قانون نصفت۔ قانون عرفی ہی صرف اینگلو سیکسنی دنیا کے قانون کی اہم تر قسم نہیں ہے بلکہ دوسرا قانونی نظام بھی جس کو نصفت یا حق رسی کہتے ہیں ایک بڑی پیداوار ہے اور اس کی بنیاد بھی قانون عرفی کے ساتھ ہی ساتھ پڑی۔ لیکن یہ بنیاد کچھ علیحدہ نظام کی صورت میں نہیں پڑی بلکہ یہ قانون عرفی کے ہمرکاب تھا اور اپنے اصولوں کی جس پر اس کی بنیاد قائم ہے توضیح کرتا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر ہم صرف ان اصولوں کو مدنظر رکھیں جو ہنری دوم کے اصلاحات کی بنیاد تھے تو یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ قرون وسطی کے اختتام کے وقت ان اصولوں پر جو قانون قائم تھا وہ قانون عرفی نہیں بلکہ قانون نصفت تھا۔ تاریخی ارتقا کے دوران میں جو قانون بارھویں صدی کے

سیاسی اصولوں سے گریز کر رہا تھا وہ قانون عرفی تھا اور جو ان کا پابند تھا وہ قانون غیر رسمی تھا۔
عہد ہنری کی اختراعات میں خاص چیز وہ ہے جس سے بعد کو قانون نصفت کی تخفیص عمل میں آئی یعنے ان کا تعلق بادشاہ کے اختیاری ادارات سے تھا جو مملکت اور قوم سے نہیں بلکہ خاص طور پر بادشاہ سے متعلق تھے، اور بادشاہ نے اپنی عنایت اور مہربانی سے اس کو عوام الناس کے فائدے کے لئے وقف کر دیا تھا تاکہ اس کی بدولت انصاف کے بہترین اور قطعی ذرائع حاصل ہوں۔ لیکن یہ ابھی ہر شخص کا معمولی حق قرار نہیں دیا گیا تھا بلکہ ہر مقدمہ اور شہادت میں جو عادلوں کے سامنے پیش کی جاتی تھی ان کی اجازت کے لئے خاص طور پر التجا کرنی پڑتی تھی۔ گو ایسی درخواستیں ہمیشہ منظور ہی ہو جاتی تھیں۔
مگر شاہی اختیارات خصوصی کے وہ اصول جو ان تغیرات کی تہ میں تھے وہ درحقیقت ان اصولوں سے زیادہ وسیع تھے جن پر ہم اب تک غور کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک اور امر بھی تاریخ دستوری میں بہت اہمیت رکھتا ہے جس پر نظام نصفت نے بعد کو بہت زور دیا یہ ہم پہلے ہی دیکھ چکے ہیں کہ شفقت کے ارتقا پر اس خیال نے اثر ڈالا تھا کہ بادشاہ دنیا کی حکومت الٰہیہ کا نائب ہے اور اس کا فرض ہے کہ سب لوگوں کے ساتھ انصاف کرے اس زمانے میں جب کہ عام طور پر لوگ طاقت کو حق سمجھنے کے عادی ہو گئے تھے اور طاقتوروں کو کسی قسم کی مخالفت کا ڈر نہ رہا تھا، اس وقت لوگوں کا اس شاہی اختیار کو انتہائی حد پر پہنچانے کی کوشش کرنا اور اس کو قوم کی آزادی کا منافی نہیں بلکہ ضامن سمجھنا کوئی اچنبے کی بات نہیں ہے۔
چنانچہ لوگ یہی کہتے تھے کہ پیش بینی کے فقدان کی وجہ سے جب کہ انسان ہر امکانی پہلو کی پہلے سے پیش بندی نہیں کر سکتا بعض مرتبہ قانون سے ناانصافی سرزد ہو جاتی ہے اگر قانون کماحقہ، خلاف ورزی کا تدارک نہ کر سکے اور ہر حق کی کماحقہ، حفاظت نہ کر سکے تو اس وقت بادشاہ کا فرض ہے کہ وہ خود آگے بڑھ کر تدارک کرے اور حق کی حفاظت کرے گو قانون اس کے منافی ہی کیوں نہ ہو۔ بادشاہ قانون سے برتر ہے؛ حصول انصاف کے لئے وہ قانون کو معطل اور اس سے گریز کر سکتا ہے؛ یہ اسی اختیار خصوصی کی باقیات ہیں کہ انگلستان میں اب تک تاج کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ سزا یافتہ مجرم کو معافی دے سکتا ہے۔ بارھویں صدی میں اس اصول میں صرف خوبی ہی خوبی نظر آتی تھی۔ اور اس وقت اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ بعد میں آنے والے حکمران اپنے زمانے کی دستوری کشمکش میں اس سے بہت کچھ فائدہ اٹھائیں گے۔

لہٰذا تیرھویں صدی کے اختتام کے قریب جب کہ قانونِ عرفی اپنے ضابطوں اور اپنی مخصوص مقررہ شکلوں سے مُنفک نہیں تھا اور یہ دعویٰ کرتا تھا کہ تحریری معاہدے کے جو قطعی شرائط ہوں گے ٹھیک ان ہی کے مطابق حقوق کی توضیح و تشریح ہو گی، اس وقت لوگوں کو یہ کہنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ بادشاہ اپنے فریضے اور اختیاراتِ خصوصی کی بناء پر جو اس کو حصولِ انصاف کے لئے حاصل ہیں دخل دے سکتا ہے اور ایسے نقصانات کا تدارک کر سکتا ہے جو قانونِ عرفی کی سخت پابندی کی وجہ سے پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہ چیز ہم کو اڈورڈ اول کے عہد میں ایسی معلوم ہوتی ہے گو اسی وقت اس کی ابتداء ہوئی تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت تحریری وثائق کی اس قدر کثرت ہو گئی اور خود وثائق اس خوبی سے محفوظ کئے گئے کہ معلوم ہوتا ہے گویا کہ یہ چیزیں اڈورڈ کے زمانے ہی میں وجود میں آ رہی تھیں حالانکہ ان کو شروع ہوئے عرصہ ہو چکا تھا۔ اس دور کی صرف یہ بات نئی تھی کہ قانونِ عرفی معین شکلوں میں اس قدر جکڑ گیا کہ اب اس کا بدلنا ممکن نہیں تھا؛ اور جو چیز پہلے سے موجود تھی وہ بادشاہ اور اس کی کونسل کے منتشر اختیارات تھے اور یہ وہ آلہ تھا جس کے توسط سے بادشاہ کام کرتا تھا۔ اور اس کے ذریعے سے وہ حصولِ انصاف کے لئے قانون کی ایسی کیفیتوں میں دخل اندازی کرتا تھا جب اس کی ظاہری شکلیں اس کی روادار نہ تھیں۔ اگر تیرھویں صدی کے آخر میں بادشاہ کا یہ طرزِ عمل تھا تو ظاہر ہے کہ یہ عمل از روئے اصول وہی تھا جو بارھویں صدی میں رہ چکا تھا۔ اگر بادشاہ نے اپنے اختیاراتِ خصوصی سے ایسی جدید عدالتیں اور ضابطے جاری کئے تھے جن کو ملک کا روایتی قانون تسلیم نہیں کرتا تھا تو اس کی غرض صرف یہ تھی کہ قوم کو حصولِ انصاف کے بہترین اور قابلِ اعتماد ذرائع حاصل ہو جائیں۔

قانونِ نصفت کے ابتدائی مدارج۔ اگرچہ قانونِ نصفت یا حق رسی کا ایک بڑے نظامِ قانون کی شکل میں ترقی کرنا بعد کی چیز ہے لیکن اس کے ابتدائی مدارج میں اس کی آیندہ ترقی کا عکس پڑ رہا تھا اور بعض شکلیں جو زمانۂ حال میں پائی جاتی ہیں وہ اس وقت مقرر ہو چکی تھیں۔ جس طرح قانونِ عرفی میں ایک مقدمہ حکمنامے سے شروع ہوتا تھا اسی طرح قانونِ نصفت بھی ایک عرضداشت سے شروع ہوتا تھا۔ عرضداشت بادشاہ کی خدمت میں دی جاتی تھی کہ وہ انصاف کے لئے دخل دے جب کہ انصاف کے لئے کوئی دوسری صورت نہ تھی۔ عرضداشت میں ہمیشہ بادشاہ اور اس کی کونسل کو مخاطب

کیا جاتا تھا کیونکہ کونسل بادشاہ کے عمل خصوصی کا آلہ تھا۔ نظام قانون حق رسی اور عدالت حق رسی یا عدالت چانسری کا ارتقا اس تفریق فرائض کا ایک رخ ہے جو کونسل سے الگ ہوئے تھے۔ اور اس سے بالکل مختلف ہے جو عدالت قانون عرفی میں ہم دیکھ کر آئے ہیں۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ قانون کی تاریخ میں قانون حق رسی اور قانون عرفی کا جو باہمی فرق ہے وہ ضابطہ اور عدالت کی صورت میں اتنا اہم نہیں ہے جس قدر حفاظت حقوق اور تدارک خلاف ورزی کی صورت میں ہے۔

نظام عدالت میں جو اولین تغیرات عمل میں آئے ہیں وہ سلطنت کے دو بڑے عہدوں کے اولین تغیرات سے وابستہ ہیں۔ نارمنی دور کے پہلے سو سال میں صدر اعظم (Justiciar) بادشاہ کا خاص عادل تھا۔ اس کو عادل اعظم" یا عادل اعلےٰ" (Summus or Capitalis Justice) یہ بادشاہ کا وکیل بھی تھا اور بعض وقت اس کی حیثیت وزیر اعظم کی سی ہوتی تھی۔ بعد کو اس کی حیثیت وہی ہو گئی جو زمانہ مابعد میں بادشاہ کے غیاب میں متولی سلطنت کی ہوتی تھی۔ اب چونکہ شاہی عدالتوں کے لگاتار اجلاس ہونے لگے تھے اور شاہی عادل مستقل طور پر نشست کرنے لگے تھے، نیز اس عہدے کے وزارتی فرائض دوسرے طریقے سے پورے کئے جا رہے تھے، اس لئے اس عہدے کی اہمیت جاتی رہی اور تیرھویں صدی کے وسط کے بعد تو یہ عہدہ سرے سے غائب ہی ہو گیا۔ امیر نصفت (Chanceller) کے عہدے کی تاریخ بالکل جداگانہ ہے۔ یہ اصل میں بادشاہ کے عبادت خانے یا پیش اماموں کا اعلیٰ افسر تھا اور حقیقت یہ ہے کہ ابتدا میں عدالتی امور سے اس کو کوئی تعلق بھی نہیں تھا۔ لیکن بادشاہ کے پیش امام خود بادشاہ کے معتمد پیشی بھی ہوتے تھے جو شاہی مراسلات کو مرتب کرتے تھے اور ان عرض اشتوں کو وصول کرتے تھے جو بادشاہ کے ملاحظے میں پیش ہوتی تھیں۔ لیکن جب شقوں کا جن کی نوعیت شاہی مراسلات کی تھی عظیم الشان ارتقا ہوا۔ اور اس کے مخصوص الفاظ پر روز بروز توجہ ہونے لگی تو امیر نصفت کے دفتر یعنے چانسری کا جہاں شقے لکھے جاتے تھے جدید طریقہ کارروائی سے فوری تعلق ہو گیا اور اس کی اہمیت بہت بڑھ گئی اور لبعد کو عرضداشتوں کے کثیر استعمال کے ساتھ ساتھ نصفت کے امکانات پہلے سے بہت زیادہ وسیع ہو گئے چنانچہ آگے چلکر اسی بنیاد پر لارڈ چانسلر کے عہدے کا مرتبہ اعلےٰ اور اس کے حقیقی اختیارات قائم ہو گئے۔

جدید ضابطۂ فوجداری - جن تغیرات پر ہم اب تک غور کرتے آتے ہیں وہ سب یہ کچھ قانون دیوانی کی ترقی تھی۔ لیکن اس زمانے میں فوجداری قانون اور فوجداری سماعتوں میں بھی اسی طرح کی تبدیلیاں ہو رہی تھیں اور یہ تبدیلیاں بھی کچھ کم اہم اور مستقل نہ تھیں۔ انسداد جرائم کے سلسلے میں اس زمانے کی خاص دقت یہ تھی کہ جرم کے ارتکاب کرنے والوں کا کیونکر پتہ لگایا جائے اور کیونکہ ان کو گرفتار کر کے عدالت کے سامنے سماعت کے لئے پیش کیا جائے۔ جدید ضابطے کا مقصد ایک طرف اس مشکل کو حل کرنا تھا پھر اس کے ساتھ ملزم کی تحقیقات کا قابل اعتماد طریقہ بہم پہنچانا تھا۔ صرف ایک تغیر یعنے ایک ادارے کے جاری کرنے سے جس کو "بڑی جیوری (Grand Jury)" کہتے ہیں دونوں مقاصد کی تکمیل ہو گئی۔ یہ جدید ادارہ زمانہ حال کی "بڑی جیوری" (Grand Jury) کی طرح نہیں تھا اور اسے حقیقی معنوں میں "بڑی" بھی نہیں کہہ سکتے اس لئے کہ اس کے مقابلے میں کوئی "چھوٹی جیوری" نہیں تھی۔ یہ جیوری جو الزام قائم کرتی تھی، تمام صوبے سے مرتب نہیں کی جاتی تھی بلکہ صوبے کے ایک حصے سے طلب کی جاتی تھی۔ یہ بالعموم اپنے معلومات سے کام لیتی تھی۔ (آج کل کے بڑی جیوری کے مقابل) اس کا کام یہ نہیں تھا کہ عہدہ داران عامہ کے سامنے جو شہادت ہو اس پر استنباط کرے بلکہ یہ اپنے ذاتی علم کی بنا پر استدلال کرتی تھی۔ اس کا کام صرف قرار داد جرم کی حد تک نہیں تھا کہ اس کے بعد اصل سماعت ہوتی بلکہ یہ خود سماعت کا لازمی جزو تھا۔

حقیقی عمل دیکھو تو جدید ضابطہ فوجداری گشتی عدل گستری کے جدید نظام سے پیوستہ تھا۔ یہ واقعہ ہے کہ گشتی عدالت کو دستور کا ایک باضابطہ عنصر بنانے سے ہنری دوم کا مقصد یہ تھا کہ مجرمین کی تعزیر میں قوم کی مقامی علم کو جہاں کہیں جرم کا ارتکاب ہو شریک کیا جائے۔ یہ ہم پہلے ہی دیکھ چکے ہیں کہ صوبے کیں آنے سے عادلوں کا پہلا فرض یہ ہوتا تھا کہ وہ پہلے جوری مقرر کریں اور ان کو حلف دے کر اس بات پر مجبور کیا جاتا تھا کہ تمام "شاہی مقدمات" یعنے فوجداری جرائم سے جو قابل سماعت ہوں عادلوں کو مطلع کریں۔ اس وثیقے سے جو جدید طریقے سماعت کے باعث معلومات حاصل کرنے کے لئے پہلا اور واضح وثیقہ ہے، معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ اور مجلس عظمیٰ نے یہ قانون بنا دیا کہ تحقیقات جیوری کے ذریعے سے ہو اور جیوری حلف لے کر سچ سچ ظاہر کریں

کہ آیا بادشاہ کے تخت نشین ہونے کے بعد سے ان کے تعلقہ یا دیہہ میں ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو یا تو ملزم ہیں یا بالعموم ان پر شبہہ کیا جاتا ہے کہ وہ قزاق، قاتل یا چور ہیں یا قزاق، قاتل یا چور کے معاون ہیں۔ جب یہ معلوم ہو جاتا تھا کہ جیوری نے اس اس شخص پر جس پر جرم کے ارتکاب کا شبہہ ہوتا تھا۔ کوئی الزام نہیں لگایا تو پنچوں پر سخت جرمانہ کیا جاتا تھا۔ اس زمانے میں جب کہ جرائم کثرت سے ہوتے تھے اور وہ خوف و مروت کی وجہ سے اکثر سزا سے بچ جاتے تھے۔ یہ ایک اچھا طریقہ ثابت ہوا جس سے مرکزی حکومت کے ہاتھ مضبوط ہو گئے اور امن قائم ہو گیا۔ آج تک اس سے بہتر طریقہ نہیں مل سکا گو بلاشبہہ آبادی کی کثرت اور معاشرت کی پیچیدگی کی وجہ سے طریقۂ عمل کے چند پہلو بدل دئیے گئے ہیں۔

فوجداری کی جدید سماعت میں پرانی کارروائی کا وہ حصہ بالکل اڑا دیا گیا، جو "آزمائش غیبی" سے پہلے عمل میں لایا جاتا تھا۔ اس میں خدائے تعالیٰ کو گواہ بنانا، پیش صفی اور تائید حلف سرے سے نہیں تھے۔ تمام لوگوں کی رائے دریافت کرنے کے لئے کہ کون مجرم تھے؛ پرانی سماعت کے بعد سے طریقوں کے مقابلے میں حلف داد جیوری بہت بہتر طریقہ تھا۔ او جیوری کے فیصلے سے عام لوگوں کی رائے کا انکشاف ہوتا تھا۔ اس کے متعلق یہ خیال تھا کہ اس طرح ملزم ایسے زینے پر پہنچا دیا جاتا ہے جہاں اس کے تمام راستے بند ہو جاتے ہیں اور سوائے ذریعۂ آزمائش کے اس کے لئے کوئی دوسرا طریقہ باقی نہیں رہتا۔ سنہ ۱۲۱۶ء تک ملزم کی اس آخری اس چارہ کار کی اجازت دی جاتی تھی کہ وہ اپنی برأت ثابت کرے۔ لیکن اس شعبے میں کلیسا نے اس کو ممنوع قرار دیا۔ پھر ایک طویل تجربے کے بعد کہ ملزم کو کسی اور بہتر طریقہ سے آخری چارۂ کار کا موقع دیا جائے۔ ایک دوسری یعنی چھوٹی جیوری کے متعلق استدعا کرنے کا عمل درآمد جاری ہو گیا کہ یہ پہلی جیوری کے فیصلے کے بعد اپنا فیصلہ صادر کرتی تھی۔ چنانچہ چودھویں صدی کے وسط کے بعد سے یہ جدید طریقہ جاری ہو گیا یعنے چھوٹی جوری تمام صوبے سے مرتب ہوتی تھی اور بڑی جوری کے ساتھ ملزموں کو پیش کرنے میں مدد دیتی تھی۔

بعض تبدیلیاں جن پر ہم غور کرتے آئے ہیں قانون عرفی کی تشکیل کی طرح قدرتی ترقی کا نتیجہ تھیں، اور بعض ایسی تھیں جو دانستہ وضع قانون کے ذریعے پیدا کی گئی تھیں۔ اس زمانے میں لفظ (Assize) کے ایک ایسے قانون کے ہوتے رہے جو باضابطہ

وضع کیا گیا ہو اور ہمیں سمجھ لینا چاہئے کہ پانچوں اسائیز باضابطہ طور پر وضع ہوئے ہوں گے۔ گو سوائے "بڑے اسائیز" کی تاریخ کے جس کا کسی قدر اعتماد کے ساتھ ۱۱۷۹ء تعین کیا جا سکتا ہے ہم ان قوانین کی ٹھیک تاریخیں نہیں بتا سکتے۔ ہنری کے عہد کے بعض قوانین ایسے ہیں جو اس کے باپ کے یا اسٹیون کے عہد سے آ رہے تھے۔ ۱۱۶۴ء میں قانون (Utrum) کے اور ۱۱۶۶ء میں قانون "بیدخلی جدید" (Novel disseisin) کے جو حوالے پائے جاتے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سنین میں ان دونوں قوانین کا اچھی طرح سے علم تھا۔

ان قوانین کے علاوہ اس عہد کے نمایاں وثیقوں کا ایک سلسلہ ہے جو ہمارے زمانے تک پہنچا ہے۔ ان میں سے بعضوں کے متعلق ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ جس شکل میں وہ ابتداءً بنائے گئے تھے وہ موضوعہ قوانین کی شکل تھی۔ ۱۱۶۴ء کے ضوابط کلیرنڈن کے متعلق تو پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ اس میں ایسے فقرات تھے جو اکثر امور کے متعلق ابتدائی قوانین سمجھے جا سکتے ہیں۔ ۱۱۶۶ء کا قانون کلرنڈن تو وضع شدہ قانون ہے۔ یہ بالخصوص جدید ضابطۂ فوجداری اور گشتی عدالتوں سے متعلق تھا۔ جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ ۱۱۷۰ء کی (Inquest of sheriff) شیرفوں کی تفتیش درحقیقت گشتی عادلوں کے نام ایک حکم تھا کہ وہ شیرفوں اور مقامی عہدہ داروں کی تنقیح کریں کہ آیا وہ اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال تو نہیں کرتے۔ اس سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ جدید عدالتیں شاہی عہدہ داروں پر سخت نگرانی رکھتی تھیں اور مرکزیت کے ایک بڑے زبردست آلے کا کام دیتی تھیں۔ ۱۱۷۶ء کا قانون نارتھمپٹن قانون کلرنڈن کا نقش ثانی تھا۔ اس سے ضابطۂ فوجداری اور گشتی عدالت دونوں طریق کو مزید ترقی حاصل ہوئی۔ اس زمانے کا ایک مورخ جو ادارتی امور سے خاص طور پر واقف ہے لکھتا ہے کہ ۱۱۷۸ء اور ۱۱۷۹ء میں گشتی معدلت گستری اور عدالتوں کے متعلق مزید ضوابط بنائے گئے تھے لیکن ان تاریخوں میں جو کچھ عمل میں آیا ان کے متعلق کوئی وثائق محفوظ نہیں کئے گئے۔ ۱۱۸۱ء کا قانون اسلحہ سلطنت کی فوجی طاقت اور اسلحہ کے متعلق تھا کہ مبارزا اور اوار احسرار جنگ میں حصہ لینے کے لئے ہتھیار باندھا کریں۔ یہ فرض کیا جاتا تھا کہ دوران جنگ میں ہر آزاد شخص سے کام لیا جا سکتا ہے۔ یہ قانون اس قسم کے اکثر قوانین

کے لئے نمونہ ثابت ہوا جو بعد کو بنائے گئے۔

ان وثائق کے علاوہ دو بہت دلچسپ کتابیں اب تک محفوظ ہیں یہ دونوں غالباً ہنری کی زندگی کے آخری عشرے میں لکھی گئی تھیں اور دونوں اس زمانے کے ادارات سے بحث کرتی ہیں۔ جن ادارات کو یہ مصنف بیان کرتے ہیں، ان سے دونوں بخوبی واقف معلوم ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ واقفیت ان کے ذاتی غور و خوص کا نتیجہ تھا۔ "مکالمہ محکمۂ مال" (The Dialogue of exchequer) کا مصنف رچرڈ ولد نجل ہے جو انگلستان کا خازن اعلیٰ تھا۔ اس کا خاندان زمانۂ دراز سے اکسچکر کی خدمات انجام دے رہا تھا۔ یہ کتاب استاد و شاگرد کے ایک مکالمے کی شکل میں ہے۔ اور مکالمے سے اس زمانہ کا نظام مالیات حصول مالگزاری کا طریقہ اکسچکر اور حساب کتاب رکھنے کا طریقہ بالتفصیل معلوم ہوتا ہے۔ جو کتاب گلینول کے نام سے موسوم ہے اس کے متعلق پہلے ہی اشارہ کیا جا چکا ہے یہ شخص جدید عدالتوں کے عادلوں میں ایک نہایت ہی جلیل القدر عادل تھا۔ اس کتاب کی بہترین تعریف مختصر الفاظ میں یوں ہو سکتی ہے کہ یہ قانون انگلستان کی کتابوں کے عظیم الشان سلسلے کی پیش رو تھی جس میں براکٹن، لٹلٹن، فورٹسکیو، کک، اور بلیکسٹن شامل ہیں۔ اس کی کتاب کا نام "اقتباسات قوانین و رواجات سلطنت انگلستان ہے" اور یہ جدید نظام قانون سے بالتفصیل بحث کرتی ہے جن کو جدید عدالتیں ایک مرتب مجموعے کی صورت میں یعنی آنے والے قانون عرفی کے قالب میں ڈھال رہی تھیں۔ یہ کتاب مکالمے کی طرح اس کتاب سے دوسری چیزوں کے متعلق بھی ضمناً بہت سے معلومات حاصل ہوتے ہیں۔

یہ تغیرات جو قانون اور عدالتی ادارات میں عظیم الشان نتائج کا باعث ہوئے ہیں، اور اوائل میں تو ان کے نتائج تاریخ دستوری میں بہت مہتم بالشان تھے، ان کے متعلق ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ آیا یہ خود بادشاہ کی پیش بینی اور اس کی ذاتی تحریک کے باعث وجود میں آئے تھے۔ سیاسی معاملات کی ادھیڑ بن یعنے ان پیچیدہ مسائل کے حل کرنے میں کہ اپنی وسیع قلمروں کو ملا کر کس طرح ایک واحد مملکت بنایا جائے۔ ہنری اپنے زمانے کے دوسرے لوگوں کی طرح تھا اور مستقبل کے متعلق وہ کوئی خاص پیش بینی نہیں کر سکتا تھا چنانچہ اس خصوص میں یا تو اپنے رقیب فلپ آگسٹس شاہ فرانس سے کہیں پیچھے تھا۔ لیکن جہاں تک حکومت انگلستان کا تعلق ہے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہنری شروع ہی سے

خود بخود سمجھ گیا تھا کہ قیامِ امن اور طاقتور مرکزی حکومت کا مسئلہ کیا معنی رکھتا ہے اور اس کی تکمیل کے لئے کیا ذرائع اختیار کرنے چاہئیں۔ اگرچہ جدید تدابیر کے متعلق صلاح دینے والے دوسرے لوگ تھے۔ لیکن جب تک خود بادشاہ ان کی تائید نہ کرتا ان کا عمل میں لانا تو کجا ان کا اختیار کرنا بھی ممکن نہیں تھا اور یہ تائید اس کے عہدِ حکومت کے پہلے دن سے آخر تک بلا فصل برابر جاری رہی۔ وہ انگلستان جو کم از کم ایک حد تک بدنظمی کا شکار ہو گیا تھا۔ اور حقیقت میں بغیر کسی طاقتور بادشاہ کے زبردست پنجے کے آلۂ حکومت امن و عافیت کے ساتھ خود بخود نہیں چل سکتا تھا۔ ہنری کے آخری ایام میں آکر ایک ایسی قلمرو ہو گئی جس میں جان و مال غیر معمولی طور پر محفوظ ہو گئے، حکومت کی کل اس قدر مضبوطی سے قائم کی گئی تھی کہ وہ خود بخود چل سکتی تھی اور عہدہ داروں کی ایک جماعت ایسی تیار ہو گئی تھی کہ وہ بغیر بادشاہ کے مداخلت کے بھی کام چلا سکتے تھے۔

بیرنی حقوق کی قطع و برید۔ یہ نتائج اس زمانے میں بغیر ان طریقوں کے حاصل نہیں ہو سکتے تھے جو ایک حد تک انقلابی تھے اور اس واقعے میں ایک بڑے انقلاب کا امکان موجود تھا۔ ہنری دوم نے ایک طاقتور حکومت قائم کر دی اس نے مرکزیت کی ایسی کل قائم کر دی جس کی اس زمانے میں نظیر نہیں تھی۔ اس مطلق العنان حکومت کو جو اب تک محض رسم و رواج پر مبنی تھی ہمیشہ کے لئے دستورِ مملکت کی شکل میں جاگزین کرنے کے لئے ہنری نے غیر معمولی پیش قدمی کر دی وہ بجا طور پر باور کر سکتا تھا کہ اس کا کام مستقل ہو گا اور اس کا دستور اپنے وقت پر عادت اور رواج میں داخل ہو جائے گا۔ اس مقصد کے پورا کرنے میں اس نے جاگیری امارت کے ایسے حقوق بھی پامال کر دیئے جن کی قانون سے بخوبی صراحت ہوتی تھی۔ اس میں کسی کو بھی نہیں چھوڑا صرف اسی بات پر حصر نہیں تھا کہ یہ مرکزیت بیرنوں کے لئے جو محکومیت سے دور بھاگتے تھے ہمیشہ کے لئے خطرناک تھی یا بادشاہ کا یہ غیر معمولی اقتدار ہنری کے کسی جانشین کے قبضے میں جو اتنے محتاط نہ ہو اس بات کی دائمی ترغیب کی بنیاد تھی کہ وہ بیرنوں کی مخالفت میں اور ان کی طاقت توڑنے کے لئے اور زیادہ خود مختاری سے کام لے گا۔ بلکہ اس میں آئندہ زمانے کے لئے ایک دوسرا فیصلہ کن عنصر تھا کہ ہنری بیرنوں کے حقوق جائداد کی قطع و برید کئے بغیر اپنے آلاتِ حکومت پیدا نہیں کر سکتا تھا۔ اس کل کو مستقل بنانے کی شرط یہ تھی

کہ شیرفوں پر بیرنوں کو جو خانگی اختیارات حاصل تھے اور ان سے آمدنی اور بدل کے جو فوائد حاصل ہوتے تھے ان کا خاتمہ کر دیا جائے۔ چنانچہ کچھ کم ایک صدی کے بعد ایسا ہی ہوا۔ یہ ہمیں نہیں معلوم کہ آیا عہد ہنری کے بیرن ان ہونے والے نتائج کو سمجھتے تھے یا نہیں اور ان تبدیلیوں کے مخالف تھے یا نہیں جیسے ان کو ہونا چاہیئے تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سنہ ۱۱۷۳ اور سنہ ۱۱۷۴ کی جاگیری شورش میں کچھ نہ کچھ عام سبب ضرور تھا، لیکن ہم یہ نہیں جانتے کہ وہ سبب درحقیقت کیا تھا۔ البتہ ایک دوسری پشت کے متعلق تو ہم اس قدر ضرور کہہ سکتے ہیں کہ اس وقت ہنری کے دستور کے میلانات صاف طور پر سمجھ میں آ گئے اور شاہی اختیارات کے استعمال پر حدود قائم کر دیئے گئے۔

Bibliographical Note :— G. B. Adams, *The Origin of the English Constitution*, 1920; *The Origin of English Equity, Columbia Law Review XVI* 87, 1916. M. N. Bigelow, *The History of Procedure* 1880. H. Hall, *Court Life under the Plantagenets* 1890. C. H. Haskins, *Norman Institutions*, 1918. R. L. Poole, *The Exchequer in the Twelfth Century* 1912. F. M. Powicke, *The Loss of Normandy 1913*. J. B. Thayer, *Evidence at the Common Law*, Pt , 1896.

باب ۵

منشورِ اعظم

اس بات کا بہت جلد امتحان ہو گیا کہ ہنری کے دستور میں کتنا زور استقامت ہے اور یہ صلاحیت ہے یا نہیں کہ بادشاہ کی موجودگی اور تائید کے بغیر یہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکتا ہے رچرڈ اول جو ۱۱۸۹ء میں اپنے باپ کے مرنے کے بعد تخت پر بیٹھا اس کو نہ تو امور سلطنت سے دلچسپی تھی نہ انگلستان سے ۔ جب تک اس کا بڑا بھائی زندہ تھا اس کی قسمت میں صرف اکوئی ٹین کا ڈیوک ہو کر رہنا لکھا تھا چنانچہ اسی پر آشوب صوبے میں اس کی جوانی کا تمام زمانہ گزرا اس زمانے کی جنگجو زندگی اور زمانۂ جاگیری کے روزمرہ جنگ و جدل کی طرف جس کی اس زمانے میں گرم بازاری تھی رچرڈ کو ایک طبعی میلان تھا اور اس میلان اس صوبے کے حاصل کئے ہوئے تجربوں اور تربیت سے اور بھی تقویت ہوتی گئی ۔ اپنے بادشاہ ہونے کے بعد یہ صرف دو دفعہ اور ہر دفعہ صرف تھوڑے دنوں کے لئے انگلستان آیا تھا برخلاف اس کے اس نے اپنی تمام عمر یا تو صلیبی جنگوں میں صرف کی یا بادشاہ فرانس کے ساتھ لگاتار کشمکش میں تاکہ براعظم میں اس کا پلہ بھاری ہو جائے ۔ انگلستان کے ادارات یا تو اپنے حال پر چھوڑ دئے گئے یا یوں کہو کہ کہیں تو ان عہدہ داروں کی نگرانی میں چھوڑ دئے گئے تھے جو ہنری دوم کی درس گاہ کے تعلیم یافتہ تھے اور ان عہدہ داروں نے ان ادارات کو اس عہد کے انتہا

کے مطابق چلایا۔ عدالت کا جدید نظام اس خوبی سے قائم کیا گیا تھا کہ اس میں کسی خاص نگرانی کی ضرورت ہی نہ تھی اور اس کو ہم صرف اس قدر کہہ کر ختم کر سکتے ہیں کہ منشور اعظم کے عطا ہونے کی تاریخ تک یہ فطری ترقی کے راستوں سے برابر آگے بڑھتا گیا۔

اس زمانے کی جدید پیشقدمی تمام تر مالیات کے سلسلے میں ہوئی یعنے قومی اجرائے محاصل کی داغ بیل ڈالی گئی۔ عام بات یہ سمجھنی چاہئے کہ بارھویں صدی کے آخری دس سال میں مملکت کے ذرائع آمدنی بالکل وہی تھے جو سو سال پہلے تھے۔ زرِ سکوک کا استعمال آہستہ آہستہ بڑھ رہا تھا اور اکثر صورتوں میں جنسی وصولات رقمی وصولات کی شکل میں بدل چکے تھے۔ اس صدی میں مملکت کی رقمی آمدنی میں ایک اور بدل خدمت کے ذریعے بڑھ گئی تھی جو کم از کم ہنری اول کے پچھلے زمانے سے چلا آتا ہے۔ یہ زرِ سپر (scutage) کی وصولات تھیں جو جاگیردار اپنی واجبی فوجی خدمت کے عوض میں ادا کرتے تھے۔ اس بات کا امکان ہے کہ فرانسیسی مہمات کی مشکلات اور مصارف کی وجہ سے جو اکثر ضروری ہوتے تھے انگلستان میں پہلے ہی سے تنخواہ یاب فوجوں کی ضرورت اور اس بات کی ضرورت پیدا ہو گئی تھی کہ مبارزین اپنی ذاتی خدمات کے معاوضے میں رقم ادا کریں۔ بہر حال بارھویں صدی کے تقریباً وسط سے اس وقت تک جب تک مملکت کو فوج کے لئے خاص طور پر نظام جاگیری پر بھروسہ کرنا پڑتا تھا زرِ سپر کا شمار اہم ترین وصولات میں ہوتا تھا۔ مگر ان میں سے کسی ذریعۂ آمدنی کی نوعیت قومی محصول کی سی نہ تھی۔

یہ پہلے ہم دیکھ چکے ہیں کہ نارمنوں نے محصول ڈین کو سیکسنوں سے ورثے میں پایا تھا اور یہ عام محصول اراضی کے لگ بھگ تھا۔ ولیم اول و دوم نے یہ محصول گاہے ماہے عائد کیا تھا اور ہنری اول کے عہد کے آخری حصے میں یہ ملک کے سالانہ محصول کی طرح تقریباً مسلسل عائد کیا گیا۔ اسٹیون کے عہد میں یہ پھر متروک ہو گیا تھا مگر ہنری دوم نے اس کو پھر جاری کر دیا گو گاہے ماہے اس کا استعمال ہوتا رہا اگر ہم صرف اس اثباتی شہادت پر اعتماد کریں جو ہمارے ہاں موجود ہے تو پھر اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا جا سکتا، لیکن ہماری شہادت کی نوعیت کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ اس سے یہ بات مانتے ہوئے بہت تامل ہوتا ہے کہ یہ محصول اس تمام دور میں ایسا مسلسل اور باقاعدہ جاری رہا ہو جس طرح بظاہر معلوم ہوتا ہے۔ البتہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ محصول اراضی کی یہ جو کسی قدر بدلی ہوئی شکل ہے ایک ایسا ذریعہ

ثابت ہوئی جس سے تیرھویں صدی کے حقیقی محاصل پیدا ہوئے۔
رچرڈ کے عہد سے بہت پہلے ایک اور ذریعۂ آمدنی عالم وجود میں آیا تھا اور وہ ایک عام محصول تھا جو جنگ صلیبی کی غرض سے عائد کیا گیا۔ شاید اس محصول کا خیال کچھ اس عالمگیر "عشر" سے ہوا ہوگا جو کلیسا کو ادا کیا جاتا تھا کیونکہ جنگ صلیبی میں حصہ لینا کلیسا کا فرض منصبی تھا اور کچھ جاگیری امداد و وابستگان سے پیدا ہوا ہوگا جو رئیس کے جنگ صلیبی کے لئے ادا کیجاتی تھی یہ چیز فرانس میں عام تھی اور اس ملک میں سب سے پہلے ۱۱۴۶ء میں عائد کی گئی تھی۔ فرانس کی تقلید میں ہنری دوم نے ۱۱۶۶ء میں یہی محصول اپنے تمام ممالک محروسہ میں عائد کیا اور پھر یہ ۱۱۸۴ء یا ۱۱۸۵ء میں عائد کیا گیا۔ مگر ۱۱۸۸ء کا عشر صلاح الدین (saladintithe) بھی ایک مشہور مثال ہے جس کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس سے محاصل بلاواسطہ کی بنیاد پڑ گئی یعنی ایسے عملدرآمد کا آغاز ہوگیا جو زمانۂ حال کی ملکیتیں شخصی جائداد و آمدنی پر عائد کرتی ہیں۔ اور یہ محصول اراضی سے جداگانہ ہوتا ہے۔ یہ ان تمام محاصل کی ابتدائی مثالیں ہیں جس کو مجلس عظمیٰ نے تمام طبقات سے وصول طلب قرار دیا تھا۔ "عشر صلاح الدین" کی جمع بندی ہر حلقۂ مذہبی میں ایک کلیسائی اور غالباً ماموریہ کے ذریعے عمل میں آتی تھی۔ جب کوئی شخص مقررہ محصول کے ادا کرنے سے اختلاف کرتا تو مقامی جوری اس کا فیصلہ کرتی۔ جوری کا یہ استعمال بالکل ابتدائی جوری کی طرح تھا اور اگلے سو سال کے دوران میں مملکت کے اجرائے محاصل میں بہت کثرت سے اس کی تقلید کی گئی۔

پہلا عام محصول ۔ بہت زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ حکومت اپنی ضروریات کے لئے تحصیل مالگذاری کے تمام جدید ذرائع استعمال کرنے پر مجبور ہوگئی کیونکہ ۱۱۹۳ء اور ۱۱۹۴ء میں رچرڈ کے زر فدیہ کی بابت ایک لاکھ پونڈ شہنشاہ کو ادا کرنے کے لئے رقم جمع کرنی تھی اور اس زمانے کے ذرائع آمدنی کا لحاظ کرتے یہ بہت بڑی رقم تھی۔ آج سے تقریباً تیس سال پہلے سٹبنڈ نے لکھا ہے کہ اس تاوان کی "تکمیل کے لئے جو محاصل عائد کئے گئے تھے اب تک مورخین ان کو قطعی طور پر معین نہیں کر سکتے۔" آج بھی ہم کو یہی کہنا پڑتا ہے۔ صرف چند چیزیں ایسی ہیں جو تحقیق سے معلوم ہوتی ہیں۔ پہلی مرتبہ محصول ناکافی ہوا تو سلطنت پر یکے بعد دیگرے تین مختلف زمانوں میں محاصل لگائے گئے تھے اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ انھیں تین قسموں کے محاصل اس زمانے میں رائج تھے۔ ایک محصول فوجی جاگیروں پر تھا جس کو زرسپر (scutage)

یا بعض اوقات "زرِ امداد" (Aids) کہتے تھے لیکن اوّل الذکر نام ہی صحیح ہے کیونکہ ان خدمات میں استثنا ہی کیا جاتا تھا جو ملک سے باہر انجام دینی ہوتی تھیں۔ اراضی پر ایک اور جداگانہ محصول تھا جس کو (hidage) یا ایک ہائڈ کی زمین کا محصول یا (carueage) یا ایک ہل کی زمین کا محصول کہتے تھے اس کے متعلق بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ ان زمینوں کا محصول تھا جو فوجی خدمت کے لئے مشروط نہیں تھیں۔ دوسرا محصول جائداد ذاتی اور محصول آمدنی تھا جیسے "عشر صلاح الدین"۔ اس سلسلے میں پہلی مرتبہ اس چیز کا بھی ذکر آیا ہے جو کئی پشتوں تک آمدنی کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہو گیا تھا یعنی ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مستقر شخصی راہبوں سے اُن کی ایک سال کی پیداوار حاصل کر لی گئی۔ لیکن اجرائے محاصل کی ارتقا میں بڑی چیز یہ ہے کہ ذاتی جائداد اور آمدنی کے محاصل جو صلیبی جنگوں کے لئے شروع ہوئے تھے وہ مملکت کے اغراض میں منتقل کر دئے گئے۔ ان محاصل کی گرانباری کے متعلق اس زمانے کی تاریخوں میں بڑی بھاری شکایتیں دکھائی دیتی ہیں لیکن یہ ظاہر ہے کہ انگلستان ایک مالدار ملک تھا اور اس میں دولت کے بھرپور سرچشمے تھے۔ نارمنوں کی سخت گیر حکومت کی بدولت بدنظمی اور خانہ جنگی کا سدِ باب ہو گیا تھا اور دولت جمع کرنا اور بھیڑوں کی پرورش جیسا کاروبار کرنا بہت آسان ہو گیا جو اندرونی استحکام کے بغیر نہیں پنپ سکتے۔ لیکن ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ ایک زمانے تک انگلستان ایسا ملک رہا کہ اس کی دولت اور ذرائع محاصل کا دارومدار اشیائے مصنوعہ کی پیدائش پر نہیں بلکہ پیداوار خام پر تھا۔

۱۱۹۸ء میں ایک اور قدم آگے بڑھایا گیا یعنی ذاتی جائداد پر محصول کے تعین کرنے کا طریقہ جو مقامی حلقے کے حلفی نمائندوں کے ذریعے ہوتا تھا محصول اراضی کے لئے بھی قرار دیا گیا۔ پانچ شلنگ کا ایک محصول مزروعہ زمین (carucate) پر لگایا گیا اور محصول لگانے کے لئے جو لوگ مامور کئے گئے تھے انہوں نے زمین مزروعہ (carucate) کے لئے ایک سو ایکڑ کا یکساں پیمانہ معین کر دیا جس طریقے سے تحقیقات ڈومزڈے میں ہوا ہے عدالت صوبہ ان ماموروں کے ساتھ نشست کرتی تھی۔ لیکن ہر دیہہ میں محصول کا تعین کرنے والے وہاں کے ریو اور چار اشخاص ہوتے تھے اور ہنڈریڈ میں ان کی امداد کے لئے دو منتخب مبارز لئے جاتے تھے۔ اس محصول کے تعین اور جمع بندی کے لئے وہ اعضا مقرر کئے گئے تھے جو آئندہ عہدی میں بھی تھوڑی سی تبدیلیوں کے ساتھ کام میں لائے گئے۔

ان اعضا میں اور ان کے کام میں (جو جوری کے کام سے بہت ہی قریب تھا) ان مقامی نمائندوں کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے جو یہ قومی خدمت انجام دیتے تھے۔ اس مسئلے پر بعد کو غور کرنا ہوگا کہ اس طریقۂ کارروائی کا ان مقامی نمائندوں سے جو مجلس عظمیٰ میں بڑھائے گئے یا (دوسرے الفاظ میں مبداء) پارلیمنٹ سے کیا امکانی تعلق ہے۔

باوجود ان محاصل عائد کرنے کے جو اس زمانے کے لحاظ سے حد سے متجاوز تھے رچرڈ کو ہمیشہ روپیہ کی ضرورت ہی رہی۔ اس نے خدمات، حقوق استثنا اور اختیارات خصوصی فروخت کر کے روپیہ جمع کیا۔ ۱۱۹۷ء کے آخر میں ایک نیا واقعہ پیش آیا جس کو بعض دفعہ بہت مبالغہ آمیز اہمیت دی گئی ہے۔ رچرڈ نے معمولی جاگیری بھرتی کے بجائے بیرنوں سے یہ مطالبہ کیا کہ فرانس میں ایک سال بھر کام کرنے کے لئے تین سو مبارز بہم پہنچائیں۔ مجلس عظمیٰ میں جب اس مطالبے پر غور کیا گیا تو لنکن اور سالسبری کے اسافقہ نے اس سے انکار کر دیا اور یہ دعویٰ کیا کہ ہماری جاگیرات پر یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ ہم انگلستان کے باہر خدمت کریں۔ گو ان کا یہ ادعا صحیح نہ تھا لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ وہ منصوبہ ناکام رہا۔ اس واقعے کی جملہ تفصیل سمجھنا مشکل ہے لیکن اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح اہل ملک بادشاہ کے رویے پر نظر رکھنا اور اس کو سختی کے ساتھ قانون کا پابند بنانا چاہتے تھے۔ ہم کو اجرائے محاصل کی رضامندی کا ایک زینہ نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ اس کو ہم آگے والے انقلاب کا پیش خیمہ سمجھ سکتے ہیں جو منشور اعظم کا باعث ہوا

مطلق العنانیت کا منتہا ۔ جان کے عہد میں انگریزی نارمنی مطلق العنانیت جو ہنری دوم کی مرکزیت والی تدابیر کی وجہ سے بہت مستحکم ہوگئی تھی انتہا کو پہنچ گئی۔ چارلس اعظم کے انتقال کے چھ سو سال کے بعد تک مغربی یورپ کی کسی عیسائی مملکت میں غیر محدود اور غیر متزلزل اقتدار کی کوئی ایسی مثال نہیں ملتی جو انگلستان میں جان کو حاصل تھی۔ اس نے کئی سال تک پوپ انوسنٹ سوم کے تلے ہوئے وار کا مقابلہ کیا جو قرون وسطیٰ کے تمام پوپوں میں سب سے زیادہ طاقتور تھا جس کی تائید پر ایک منظم کلیسا تھا اور جس کے اختیارات میں بظاہر کوئی کمزوری نہ تھی۔ گو انگریز بیرنوں کی روز افزوں مخالفت کلیسا کے ساتھ شریک تھی لیکن یہ متحدہ مخالفت بھی جان کو شمہ برابر اس وقت تک سرنگوں نہیں کر سکی جب تک پوپ کی منظوری سے فرانسیسی فوج انگلستان پر حملہ آور نہیں ہوئی۔ اگرچہ

اس نے فوراً ہتھیار ڈالدیئے لیکن ہتھیار ڈالنا بھی اس پائے کا تھا کہ اس نے پوپ کو اپنی تائید پر آمادہ کرلیا اور اس کو مجبور کیا کہ پوپ نہ صرف فرانس بلکہ انگریز بیرنوں کے خلاف اس کی حمایت کرے۔ یہ پوپ کا ایک "وابستہ" ہوگیا اور انگلستان کو اس نے پوپ کی جاگیر بنا دیا اگرچہ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ جاگیری خدمات برائے نام تھیں اور صرف ایکہزار مارک سالانہ ادائی تک ہی محدود تھیں۔

تھوڑے دنوں تک ایسا معلوم ہوا کہ بادشاہ کے تمام اختیارات صحیح سالم ہیں اور وہ خطرے سے بچ گیا ہے لیکن اس بات کے کثرت سے آثار پیدا ہو رہے تھے کہ ایک کھلی مخالفت ابھی سر پر ہے اس نے جو فوجیں جمع کی تھیں اور ان فوجوں کو لے کر انگلستان کی مدافعت کے لئے براعظم میں جاکر فرانس پر حملہ کرنے کا جو منصوبہ باندھا تھا وہ ناکام رہا کیونکہ بیرنوں نے ساتھ جانے سے انکار کر دیا اور بعضوں نے صاف کہدیا کہ ہماری جاگیری ذمہ واریاں ہمیں اس بات پر مجبور نہیں کرتیں کہ ہم انگلستان کے باہر جاکر اپنی خدمات بجالائیں۔ بادشاہ بہت برافروختہ ہوا اور حالت غیظ میں اس نافرمانی کی سزا دینے کے لئے تیار ہوگیا لیکن اسٹیون لنگٹن اسقف اعظم کنٹربری نے اس کو روک دیا اور یہ بات یاد دلائی کہ آپ نے ابھی ابھی عمدہ قوانین جاری کرنے کی قسم کھائی ہے اور آپ بغیر عدالت کے فیصلے کے کسی بیرن کو سزا نہیں دے سکتے۔ اس حلف میں جو اس نے پاپائی اخراج ملت کے کفارے کے وقت اٹھایا تھا یہ وعدہ کیا تھا کہ میں اپنے آباواجداد اور خاص طور پر اڈورڈ شاٹب کے قوانین (Laga Edwarde) کو بحال کردوں گا۔ غالباً یہ کوئی بھی نہیں جانتا تھا اڈورڈ تائب کے قوانین در اصل کیا ہیں۔ یہ الفاظ براہ راست ہنری اوّل کے فرمان تاجپوشی سے ماخوذ کئے گئے تھے لیکن تمام سننے والے اس کا یہ مطلب سمجھتے تھے کہ اس سے مراد اس کے باپ کے ان بدوات کو ترک کرکے جو نامنصفانہ عملدرآمد کا باعث ہوئیں تھیں پھر قدیم نظام قانون اختیار کرتا ہے جو سب کے نزدیک بہت کچھ منصفانہ تھا۔

مخالف فریق کے سرغنوں کی درحقیقت کوشش یہ تھی کہ پچھلے زمانے میں سے ایک ایسی بنیاد حاصل کیجائے کہ جس پر کھڑے ہوکر بادشاہ کے خودسرانہ افعال کو قانون کے پنجے میں جکڑ دیں۔ اسی لئے بعضوں نے یہ خیال کیا تھا کہ اس کے لئے مجلس عظمیٰ کو یا

حلفِ تاجپوشی کو ایک خاص طریقے سے استعمال کرنا چاہیئے یا فرمان ہنری اوّل کی از سرِ نو تجدید کرنی چاہیئے۔ غالباً یہ آخری چیز تھی جس سے ان کو کام کرنے کا ایک اصول یعنی یہ اساسی معاہدہ جاگیریت ہاتھ آ گیا۔ جاگیریت کے قانون و ادارات کی جملہ کارروائیوں کی تہ میں ایک معاہدہ مضمر تھا جو رؤسا و وابستگان دونوں کو یکساں طور پر پابند بناتا تھا گو شئے معہودہ ایک سی نہ تھی۔ مثلاً ایک جاگیری خدمات ہیں جن سے ملکی امور انجام پاتے تھے۔ ان کی بابت بادشاہ وابستگان سے بغیر ان کی رضامندی کے ایسے مزید مطالبات نہیں کر سکتا جو قانون و رواج سے معین نہیں تھے یعنے ایسی فوجی خدمت جو ضرورت سے زیادہ ہو اور ایسی فوجی خدمت جو غیر مشروط اوقات اور مواقع میں لی جائے۔ وہ خانگی عدالتی اختیارات کو توڑ نہیں سکتا تھا اور بیرنوں کی بوجہ جاگیری سماعت کے علاوہ کسی اور طریقۂ سماعت کے لئے مجبور نہیں کر سکتا تھا خواہ الزام کچھ ہی ہو۔ گو ہم یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ جان درحقیقت اس معاہدے کے ہر نقض کا ملزم تھا مگر اتنا تو درست ہے کہ بیرن اس کے ملزم ہونے پر یقین رکھتے تھے اور کھلم کھلا کہتے تھے۔ اس کے بدترین مظالم جو ہم تحقیق سے جانتے ہیں یہ ہیں کہ اس نے بہت سے اشخاص کو اپنے مجرد فیصلے سے سزائیں دیں اور لوگوں سے جب موقع ملا زبردستی بڑی بڑی رقمیں وصول کیں زرِ سپر بھی جو تقریباً ایک سالانہ محصولِ اراضی کی طرح جمع کیا جاتا تھا جان نے اپنے جاگیری حقوق سے زیادہ لیا اور مقدار میں ضرورت سے زیادہ بڑھا تا گیا۔ اگرچہ ہنری دوم کے اصلاحات جو ہم کو صاف نظر آتے ہیں ملک کے لئے بہت مفید تھے اور آئندہ ترقی کے لئے بنیاد کا کام دیتے تھے مگر عام معنوں میں دیکھا جائے تو بیرنوں کے خیال کے مطابق یہ ان کے حقوق اور جائداد پر ایک کاری ضرب تھی اور اس خیال کی قانون جاگیری سے کچھ تائید بھی ہوتی تھی۔

بیرنوں کا موقع۔ جب ۲۷ جولائی ۱۲۱۴ء کی جنگ بووین میں بادشاہ اور اس کے حلیفوں کو جو فلپ شاہِ فرانس کے خلاف اس نے جمع کئے تھے شکست ہو گئی تو بیرنوں کو ایک موقع ہاتھ آ گیا۔ ستمبر میں وہ فرانس سے صلح کرنے پر مجبور ہو گیا لیکن جب اکتوبر میں وہ انگلستان واپس ہوا تو بظاہر اس کا ارادہ یہ تھا کہ یہاں اپنے اقتدار کو جوں کا توں قائم کرے چنانچہ فوراً اس نے اس مہم کے لئے جو ابھی ابھی ختم ہوئی تھی زرِ سپر کا مطالبہ کیا۔ اس طرف بیرنوں نے مزاحمت کی ٹھان لی۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے غالباً

قسم کھا کر باہم ایکا کر لیا تھا اور یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ فرمان ہنری اول کو اپنے دعوے کی بنیاد بنائیں اور اس بات پر متفق ہو گئے تھے کہ عید میلاد عیسوی کے بعد سب مل کر بادشاہ کے سامنے اپنے مطالبات پیش کریں اور بادشاہ انکار کرے تو خانہ جنگی سے اس کا تدارک کریں۔ جنوری کو لندن میں ان کا اجتماع ہوا۔ اگرچہ جان کا مطالبہ کہ اپریل کے اختتام تک توقف کیا جائے منظور کر لیا گیا مگر جب بیرنوں کو اپنے خلاف جان کی تیاریاں دیکھ کر تشویش ہوئی پھر وہ ختم میعاد سے پہلے ہی میدان میں کود پڑے اور دو مہینے تک نامہ و پیام اور جارحانہ کاروائیاں عمل میں آتی رہیں، ۱ مئی کو "خلع اطاعت" کا باضابطہ فہمائش نامہ بھیجا گیا جو از روئے قانون جاگیری ہر وابستہ کو اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے جب کہ ان پر دست درازی ہوتی ہو اپنے رئیس کے پاس بھیجنا ضروری تھا۔ بیرنوں کا آخر کار لندن پر قبضہ ہو گیا۔ اس کے بعد دونوں طرف سے بیرنوں کے حقوق کو باضابطہ تسلیم کرنے کے شرائط طے ہو گئے اور اس وثیقے کو جس میں یہ حقوق منضبط کئے گئے تھے یعنے منشور اعظم (magna carta) کو بادشاہ نے ۱۵ جون کو رنی میڈ کے مقام پر جو اسٹینس کے قریب اور لندن اور ونڈزر کے بیچ میں واقع ہے منظور کر لیا

منشور اعظم - یہ اب تک کہا جاتا ہے کہ منشور اعظم کی اہمیت میں مبالغہ نہیں کیا جا سکتا اس فقرے کی صداقت اس بات پر موقوف ہے کہ اس کو کس نظر سے دیکھنا چاہئے۔ اگر وہ صرف رائج الوقت قانون کا ایک وثیقہ سمجھا جاتا ہے جس کی وثیقہ سازوں نے ممکنہ تاویل کی تھی اور وہ اس حد سے آگے نہیں بڑھا تھا جہاں تک ان لوگوں کے سیاسی اور دستوری خیالات کی پہنچ تھی تو اس صورت میں اس کی اہمیت میں مبالغہ ہو سکتا ہے اور اکثر ہوا ہے۔ جن حقوق کا اس میں مطالبہ کیا گیا ہے تقریباً سب فرانس اور یورپ کی اکثر مملکتوں کے رائج الوقت قانون میں تسلیم کر لئے گئے تھے البتہ اس سے جو دستوری نتائج برآمد ہوتے ہیں وہ صرف انگلستان ہی میں ہوئے ہیں۔ اگر اس کو اس روشنی میں دیکھا جائے کہ وہ ایک رجحان کی ابتدا ہے اور اس عمل ترقی کی پہلی منزل ہے جو اس دن سے آج تک بغیر رکاوٹ کے آگے بڑھتی رہی ہے تو پھر ایسی صورت میں اگر ہم اس کو تمام تاریخ انسانی کا اہم ترین دستوری وثیقہ بھی کہیں تو اس میں کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔ اس وثیقے کو وضاحت سے سمجھنے کے لئے اور یہ دیکھنے کے لئے کہ اس نے کیا کام کیا ہے۔ ان

دونوں زاویہ ہائے نگاہ کو جن سے اس پر غور کیا جاتا ہے جہاں تک ہو سکے ایک دوسرے سے الگ رکھنا چاہئے۔

اس منشور کے بنانے میں بیرنوں کا یہ ارادہ نہیں تھا کہ کوئی جدید قانون بنائیں۔ بادشاہ کے ساتھ ان کی تمام مخالفت اس دعوے پر مبنی تھی کہ بادشاہ کا سلوک ان کے ساتھ خلاف قانون رہا ہے اور اس سے اس بات کا وعدہ لینا چاہئے کہ وہ آیندہ قانون کی خلاف ورزی نہیں کرے گا۔ چونکہ ان کو تجربہ سے یہ معلوم ہوا تھا کہ بادشاہ پر اعتماد نہیں ہو سکتا اس لئے جو خاص امور ان کے ذہن میں تھے ایسی واجب تعمیل شکل میں قلمبند کئے گئے جو قانونی ہبہ اور انتقال جائداد کی ہوتی ہے اور صرف یہی ایک شکل تھی جس سے وہ واقف تھے۔ بادشاہ پر ان کی پابندی لازمی تھی۔ انھوں نے چند امور کا ضرور اضافہ کیا تھا جن میں سے بعض صحیح بھی نہیں تھے۔ صرف مواد قانون کے طور پر دیکھا جائے تو ان کے سارے کے سارے مطالبات بالکل واجبی تھے۔ انھوں نے کوئی جدید قانون نہیں بنانا بلکہ پرانے قانون کا اظہار کیا تھا۔ چنانچہ اس محدود نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو منشور اعظم مستقبل کا نہیں بلکہ ماضی کا ایک وثیقہ تھا اور اس زمانۂ ماضی سے متعلق تھا جو جلدی جلدی غائب ہو رہا تھا۔ انگریزوں کی آزادی کے دو وادارتی رخ جو عنقریب شروع ہو کر انگلستان کے دستور کو منقلب کرنے والے تھے منشور اعظم میں بالکل نہیں پائے جاتے۔ اجرائے محاصل کی رضامندی۔ پارلیمنٹ مع طریق نیابتی۔ احضار ملزم جیوری کے ذریعے سے سماعت اپنی تاریخی شان میں ۱۲۱۵ء میں مفقود تھے۔ برخلاف اس کے منشور اعظم میں قانون جاگیری مندرج کیا گیا ہے اور اس کی تمام بنیاد رئیس اور وابستہ کے جاگیری تعلقات پر رکھی گئی ہے۔ ان چیزوں کی قوم کے سامنے پہلے سے اہمیت غائب ہونے لگی تھی اور پچاس سال کے اندر خود بیرنوں نے ان حقوق سے بے اعتنائی کرنی شروع کر دی تھی جن کے لئے وہ شاہ جان کے عہد میں بیحد مصر تھے۔ اور اگر ہم منشور کو صرف منشور کے رنگ میں دیکھیں اور ان نتائج کا کوئی لحاظ نہ کریں جو ان سے برآمد ہوئے ہیں تو منشور کی قیمت ایسے وثیقے سے بڑھ کر نہیں ہوگی جس میں رائج الوقت قانون کے چند نکات اور بیرنوں کا نقطۂ خیال درج ہو کہ وہ شاہ جان کے کردار اور خود اپنے حقوق کے متعلق کیا سمجھتے تھے۔

منشور اعظم کی تاریخی اہمیت

منشور اعظم کی تاریخی اہمیت اس اصول میں تلاش کرنی چاہیے

جس پر یہ دستور قائم کیا گیا تھا۔ ان گنے چنے ضابطوں میں جو اس میں جمع کر دئے گئے ہیں ۱۲۱۵ء میں۔ اس اصول کے معنے صرف اس قدر تھے کہ رئیس اور وابستہ کے وہ اساسی تعلقات کیا ہیں جو معاہدے سے ماخوذ تھے اور وہ اس زمانے کے مسائل پر کس طرح منطبق ہو سکتے ہیں یعنے کسی طریقے سے اس امر کا اطمینان ہونا چاہیئے کہ آئندہ کے لئے بادشاہ معاہدے کی پابندی کرے گا۔ خوش قسمتی سے یہ اساسی اصول دستور اعظم میں اس طرح نہیں ظاہر کیا گیا کہ واضح شکل میں سامنے آجائے چونکہ یہ خود بخود مترشح ہوتا تھا اس لئے مسلمہ سمجھکر چھوڑ دیا گیا کہ لوگ خود یہ نتیجہ نکال لیں نتیجہ یہ ہوا کہ اس کو اس نوبت پر چھوڑ دیا گیا کہ اگر اس کو بعد کے آنے والے چاہیں تو پھیلا کر عام اصول کی شکل میں لا سکیں اور قومی ترقی کے بدلنے والے ہر رخ پر منطبق کر سکتے تھے۔ اصول یہ ہے کہ مملکت میں رعایا یا قوم کے لئے ایک مجموعۂ قوانین اور حقوق موجود ہے اور بادشاہ کو اس کا لحاظ رکھنا چاہیئے۔ اس کے ساتھ ایک دوسرا اصول جو اگرچہ خاص طور پر ۱۲۱۵ء کے مناسب حال تھا یہ پیدا ہو گیا کہ اگر بادشاہ ان حقوق کا لحاظ نہ رکھے تو مخالفانہ شورش اور فتنہ و فساد کے ذریعے اس کو مجبور کیا جا سکتا ہے۔ یہ اصول براہ راست قانونِ جاگیری سے اخذ ہوتا تھا اور دستور کی دفعہ ۶۱ میں صراحت کے ساتھ درج کیا گیا ہے۔ یہی دو اصول ہیں جن پر دستور کی عمارت کھڑی کی گئی ہے۔ اگرچہ باضابطہ اور مسلمہ دستور سے ان کا ایک دور کا تعلق ہے مگر اب یہ کبھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے۔ دستور اعظم نے دنیا میں آزاد حکومت کی جو بڑی خدمت انجام دی ہے تو وہ انہیں کی وساطت سے۔ یہاں دستور کے صرف انہیں حصوں پر روشنی ڈالنے کا خیال ہے جن کو آئندہ زمانے میں بہت کچھ اہمیت حاصل ہوئی خواہ وہ اہمیت حقیقی ہو یا ظاہری، یا جن کی خصوصیات صاف صاف ظاہر ہو گئیں۔

دستور اعظم کی ابتدا ایسی دفعہ سے کی گئی ہے جس میں صرف اظہار بیان ہے یعنے عطائے دستور کے پیشتر واقعات اور ان لوگوں کے نام دئے گئے ہیں جنھوں نے بادشاہ کو دستور بنانے کی صلاح دی تھی۔ اس میں بیرنوں کی جماعت کے علمبردار شامل نہیں کئے گئے۔ اس کے بعد ہی زمانہ وسطیٰ کے خیال کے مطابق کہ کلیسا کو فوقیت حاصل ہے وہ دفعہ آتی ہے جس میں کلیسا کو عام الفاظ میں اور بادشاہ کے سابقہ فرمان کے حوالے سے حقوق اور آزادیاں دی گئی ہیں جن کا خاص اندازہ ہے اس زمانے میں کلیسا کا بڑا مقصد یہ تھا

کہ اسافقہ اور راہبوں کے انتخاب میں بلا شرکتِ غیرے آزادی ہونی چاہیئے ۔ منشور کی متعاقب اشاعتوں میں تو اس دفعہ کو زیادہ زیادہ عام الفاظ میں لایا گیا تھا ۔ اور جہاں تک عمل کا تعلق ہے ہنری سوم نے تو اپنے آپ کو خود اس وعدے کا پابند نہیں سمجھا جو اس دفعہ میں باقی رہ گیا تھا ۔

پہلا باب اس دفعہ پر ختم ہوتا ہے جو عطایا سے متعلق ہے ۔ اور یہ انتقال اراضی اور دستاویزات کی نہایت پختہ اور مروجہ شکل سے لیا گیا تھا جو اس زمانے میں رائج تھی ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس شکل کے اختیار کرنے سے بیرن یہ چاہتے تھے کہ اس عطا کو قانونی طور پر ایسا واجب تعمیل کر دیں نہ تو خود بادشاہ اس کو توڑ سکے نہ اس کے جانشین ۔ یہ صحیح ہے کہ جو الفاظ اس زمانے میں رائج تھے ان کی رو سے ایک شخص دوسرے شخص کو زمین ہبہ کر دیتا تھا اور اس طریقے سے معطی اور اس کے ورثا کے مقابلے میں معطی لہ اور اس کے ورثا کو بلاشبہ ایک کامل حقیقت مل جاتی تھی مگر قانون میں اس بات کی صراحت نہ تھی کہ آیا ایک حکمران اپنے جانشینوں کو اس عطا کا پابند کر سکتا ہے تاوقتیکہ وہ خود اس کی توثیق نہ کریں ۔ لیکن دو سو سال کا عملدرآمد یہ ہے کہ آنے والے ہر بادشاہ سے ایک مرتبہ اور بعض بادشاہوں سے خاص وجوہ کی بنا پر کئی مرتبہ توثیق کرانا قرین عقل سمجھا گیا ۔

جاگیری عمل درآمد اور اجرائے محاصل ۔ ۲ سے لے کر ۶ تک تمام ابواب جاگیری عملدرآمد سے متعلق ہیں جہاں بادشاہ اور بیرنوں کے مفاد آپس میں لڑ جاتے تھے اور یہ نذرانہ، تولیت اور ازدواج کے مسائل تھے ان ابواب سے معلوم ہوتا ہے کہ منشور کے ابتدائی حصے ہی میں بیرنوں کا جاگیری مفاد بہت چھایا ہوا تھا اور ان کے مطالبات ناواجبی بھی نہیں تھے ۔ ان تمام امور میں بادشاہ کے قانونی حقوق صاف طور پر تسلیم کر لئے گئے تھے اور صرف کوشش یہ تھی کہ بدعنوانیوں سے ان کی حفاظت ہو ۔ یہ بات واضح نہیں ہے کہ آیا اس سے پہلے نذرانے کی مقدار جو بادشاہ کے معطی لہم یا کم از کم بیرنوں کے معطی لہم ادا کرتے تھے از روئے قانون معین تھی لیکن یہ اچھا ہوتا کہ وہ معین ہو جاتی کیونکہ اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ جان نے اپنے اختیارات سے ناجائز فائدہ اٹھا کر توریث جائداد کے لئے ناجائز نذرانے اور محاصل وصول کئے تھے ۔ تولیت کے معاملے میں مشکل یہ تھی کہ وارث کی جائداد جن لوگوں کے سپرد کی جاتی تھی وہ بعض مرتبہ بدرویہ ہوتے تھے اور موقع سے

فائدہ اٹھا کر محض مانے کھینچنا چاہتے تھے ۔ یہ تجویز عاراضی جاگیر کے دو آدمیوں کے سپرد کی جانے بالکل نئی تھی اور معلوم یہ ہوتا ہے کہ بعد کو اس تجویز پر کبھی عمل نہیں کیا گیا ۔ لیکن عدالتوں کے اسلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اراضی کو بربادی سے بچانے کے لئے توجہ کے ساتھ ضروری قوانین کی پابندی کرائی جاتی تھی ۔

ابواب ۱۲ اور ۱۴ ان ابواب میں شمار کئے جاتے ہیں جن کو خاص دستوری اہمیت حاصل ہے کیونکہ ان سے اجرائے محاصل کی بابت حق رضامندی کا پتہ لگتا ہے ۔ اگرچہ یہ دفعات ۱۲۱۵ء کی دوسری اشاعت میں جو قانون انگلستان کا منشور اعظم بن گئی خارج کر دیئے گئے مگر میرے خیال میں یہ یقینی ہے کہ ان دفعات نے پارلیمنٹ کے اس حق کو قائم کرنے میں بہت کام کیا ہے اور پھر یہ واقعہ ہے کہ ایک صدی ختم ہونے سے پہلے ہی منشور کی روایت کے مطابق ان ابواب کو پھیلا کر پھر قدرے شامل کر دیا گیا ۔ لیکن دوسرا سوال جو ایک مورخ کے لئے کچھ کم اہمیت نہیں رکھتا یہ ہے کہ ۱۲۱۵ء میں بیرنوں نے ان سے کیا مطلب لیا تھا ۔ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے ہم کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ اس میں اجرائے محاصل کا موجودہ مفہوم ملحوظ نہیں تھا ۔ اس ضابطہ کا تعلق صرف جاگیری امداد اور زرسپر کی جاگیری وصولات سے تھا ۔ زرامداد کئی صدیوں تک اور زرسپر ایک صدی تک جاگیری دنیا میں معمولی وصولات کے طور پر جاری رہ چکے تھے ۔ چونکہ زرامداد رواج سے معین تھا اور زرسپر ایک قانونی خدمت کا رواجی معاوضہ تھا اس لئے اگر قطعیت کے ساتھ بحث کی جائے تو ان کے لئے مجلس عظمیٰ کی کسی کارروائی کی ضرورت نہ تھی ۔ مگر زرامداد کے معاملے میں ایسی کارروائیاں بالعموم ہوتی رہی ہیں اور زرسپر کے لئے تو کم از کم ایک دفعہ ضرور ہوئی ہے ۔ لیکن یہ مطالبہ کہ زرسپر کو جائز بنانے کے لئے مجلس عظمیٰ کی رضامندی ضروری ہے اور جو لوگ مجلس میں حاضر نہ ہوں وہ اس کارروائی کے پابند ہیں کہاں تک درست تھا یقین سے یہ نہیں کہا جا سکتا ۔ کیونکہ اس سے ایک جاگیری اسامی کے حق میں یہ مداخلت ہوتی تھی کہ اگر وہ زرسپر ادا کر لینے کی جگہ خدمت کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا اور غالباً اس ضابطے کے بنانے سے بیرنوں کا منشا بھی یہ نہیں تھا ۔ اس باب کا اہم تر جز یہ تھا کہ ایسی غیر معمولی امداد کے لئے جو بافضابطہ جاگیری رواج میں داخل نہ ہو جس کی وجہ سے بادشاہ اور بیرنوں کے باہمی معاہدے سے خارج ہو اس کے لئے ادا کرنے والوں کی

"مرضی" اور رضامندی ضروری ہے۔ اس معاملے میں بیرن وہ چیز طلب کرتے تھے جو ان کو از روئے قانون حاصل تھی۔ ان کا منشا یہ نہیں تھا کہ ایک جدید حق قایم کریں بلکہ بادشاہ کو پرانے حق کا پابند بنانا چاہتے تھے۔ تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ یہاں اس حق پر جو زور دیا گیا ہے اس سے یہ فائدہ ہوا کہ یہ حق جاگیری تنظیم سے نکل کر زمانۂ حال کی مملکت کے بڑی خصوصیات میں منتقل ہوگیا۔ آخری دفعہ کا غالباً یہ مطلب تھا کہ بیرن لندن کے لئے فرانسیسی بلدیہ (Commune) کی حیثیت حاصل کرنا چاہتے تھے یعنے ایک شخصیہ کے طور پر اس شہر کے وہ تعلقات بادشاہ کے ساتھ قائم کرنا چاہتے تھے جو خود اسکے اس کے ساتھ تھے۔

جاگیری مجلس عظمیٰ ۔ باب ۱۴ کی تاویل کرنے میں سب سے پہلے ہمارے سامنے یہ مسئلہ آتا ہے کہ مرضی (Consilium) کے کیا معنی ہیں۔ اکثر علما یہ سمجھتے ہیں کہ (Consilium) اور (Concilium) کے الفاظ ہم معنے ہیں اور حقیقت میں بارھویں اور تیرھویں صدی کے وثائق میں یہ الفاظ ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے رہے ہیں کہ لیکن (Consilium) اصطلاح میں چھوٹی کونسل کا نام ہرگز نہیں ہے لیکن، ساتھ ہی یہ بھی قریب قریب اسی طرح محقق ہے کہ یہ لفظ بڑی کونسل کے لئے استعمال نہیں ہوا۔ اس کے لئے سوائے شاذ و نادر مثالوں کے (Concilium) کا لفظ استعمال ہوتا تھا تاہم (Consilium) کا لفظ اکثر بڑی کونسل کی کاروائی کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ یہ بڑی مجلس کی کاروائی ہوتی تھی کہ قوانین وضع ہوتے تھے اور فیصلے ہوتے تھے میرے خیال میں یہ بات یقینی سمجھنا چاہیے کہ یہاں سلطنت کی مجلس عام (Common council ofthe Kingdom) کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا مگر سلطنت کے عام فیصلے کے حاصل کرنے کا طریقہ بتایا گیا ہے اور اس کا تعلق بیشک بڑی مجلس سے ہے باب ۱۴ میں شہر کا مجلس کی جو تخصیص کی گئی ہے اس سے اس نکتے میں کوئی شبہ نہیں باقی رہتا۔ مجلس صرف بادشاہ کے متعلیٰ لہم سے مرکب تھی۔ بڑے بیرن علحدہ علحدہ اور چھوٹے بیرن شیرف کے وساطت سے ہر صوبہ کے عام طلب نامہ کے ذریعے بلائے جاتے تھے۔ بلانے کا یہ طریقہ وہ تھا جو بیرنوں کے بعض واجبی خدمات کے مطالبہ لے وقت بھی استعمال ہوتا تھا۔ غرض ہم اپنے پیش کردہ اصول کو اپنے الفاظ میں اس طرح ظاہر کر سکتے ہیں کہ غیر معمولی امداد کے لئے ادا کرنے والوں کی

رضامندی لازمی ہے۔

باب ۱۴ کے متعلق دو امور اور غور طلب ہیں۔ یہاں جاگیری مجلس عظمیٰ حکومت کے صرف ابتدائی فرض یعنے مملکت کے لئے روپے کی فراہمی کی ذمہ وار بنائی گئی ہے۔ اور یہ زمانہ حال کی مقننہ کا اولین فرض ہے۔ یہ اس حقیقت کی بہت اچھی مثال ہے کہ بیرنوں کی جاگیری مجلس مملکت کا مرکزی آلہ تھا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس میں نیابتی تصور نام کو نہیں تھا۔ اس مجلس کا قیام اس وجہ سے تھا کہ یہ چھوٹے بڑے معطی الہم اعلیٰ کی مجلس ہو۔ اب رہا آخری دفعہ کا یہ اصول کہ جو لوگ غیر حاضر ہوں وہ حاضرین کی کارروائی کے پابند ہوں گے کوئی اصول نیابت نہیں ہے بلکہ یہ اجرائے محاصل کی ضرورت کے اعتبار سے تھا۔ یہ یقینی ہے کہ "عشہ صلاح الدین" اور عہد رچرڈ کے اجرائے محاصل میں اس اصول پر عمل کیا گیا۔ زرسپر کے معاملہ کو مستثنیٰ کردینا چاہئے کیونکہ کم از کم نظریئے کے طور پر اس کا مطلب یہ تھا کہ ہر بیرن کو یہ اختیار ہے کہ وہ خدمت کرے یا بدل خدمت ادا کرلے۔ زمانۂ حال کے بعض نقادوں کی طرح یہ خیال کرنا کہ بیرنوں کو ان دفعات کے سیدھے سادے اور قطعی دفعات سے بہت آگے جانا چاہئے تھا اور آئندہ آنے والے خطرات کی روک تھام کے لئے کچھ عام دستوری اصول مقرر کرنا چاہئے تھا ایک ایسی خواہش ہے جو ان لوگوں کے لئے ناممکن نہ تھی۔

جدید نظام عدالت۔ ۱۷ سے لے کر ۲۲ تک جملہ ابواب براہ راست جدید نظام عدالت سے متعلق ہیں جس کی ہنری دوم نے ابتدا کی تھی۔ ان ابواب سے یہ قطعی ثابت ہوتا ہے کہ گو بیرنوں نے اس نظام کے چند پہلوؤں پر اعتراض کیا ہوگا مگر انھوں نے پورے کے پورے نظام پر کبھی ہاتھ ڈالنا نہیں چاہا۔ منجملہ اور امور کے جو ان ابواب میں شامل ہیں جدید طریقۂ کارروائی کی سادگی اور سہولت قابل غور ہے جو باوجود ہر قسم کی مخالفت کے اپنا استقلال پیدا کرچکی تھی۔ باب ۱۷ عدالت مقدمات عامہ سے (Court of Common Pleas) متعلق ہے جس کو ہنری دوم گشتی عدالتوں کے سلسلے میں قائم کیا تھا۔ پچھلے عملدرآمد کے مطابق جو کچھ دنوں تک رہا تھا اس باب نے یہ قانون بنادیا کہ خواہ بادشاہ کہیں رہے لیکن یہ مرکزی عدالت ہمیشہ ولیسٹ منسٹر میں قائم رہے گی۔ چند مقدمات وہ تھے جو مقدمات پیشی شاہی (Coram reges) کے نام سے ممتاز ہونے لگے تھے اور دو تین پشتوں تک مقدمات عدالت شاہی (King's Bench) کے نام سے یاد کئے جاتے تھے اور عدالت شاہی

(King's Bench) کے پیدا ہونے کے باعث ہوئے ۔ پادشاہ جہاں جاتا یہ مقدمات اس کے ساتھ ساتھ جاتے تھے۔ مقدمات کی ان دونوں قسموں میں اب تک کوئی بین فرق پیدا نہیں ہوا تھا لیکن اس باب کو یہ اہمیت حاصل ہے کہ اس نے قانون عرفی کی عدالتوں کو علیحدہ کر کے ایک قانونی شکل دیدی تھی

ابواب ۱۸-اور ۱۹ تین عدالتہائے قبضہ (Possessory assizes) سے بحث کرتے ہیں جو جدید نظام عدالت کے ضروری اجزا ہیں اور اب انہیں بیرونی جماعت کی باضابطہ منظوری حاصل ہو گئی ۔ باب ۱۸ میں ان عدالتوں کی کارروائی سے متعلق جو فروعات وضع کئے گئے تھے وہ اطمینان بخش ثابت نہیں ہوئے اس لئے بہت جلد منسوخ ہو گئے ۔ نظام عدالت کی اس توضیح سے ابواب ۲۰ تا ۲۲ تک بھی خود بخود سامنے آجاتے ہیں ۔ ان ابواب کا مقصد تمام طبقات آبادی کو اس بار سے بچانا تھا جس کو ہم زمانۂ حال کے قانون میں بیجا جرمانے کہتے ہیں ظاہر ہے کہ تمام طبقات مساوی طور پر اس کے تحت آجاتے تھے ۔ پچھلے دو ابواب کی نسبت یہ ابواب زیادہ وسیع ہیں کیونکہ ان میں فوجداری اور دیوانی مقدمات کے تمام جرمانے شامل ہیں ۔ ان ابواب کا صاف منشا یہ تھا کہ روپیہ کی جبر ستانی میں عدالتوں کا ہاتھ رکا جائے اور دیگر ابواب کی طرح یہ بھی جان کی طرز حکومت پر روشنی ڈالتے ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ ملکِ مطلق اور ہل بیل (Wainage) کا استثنا عام اصول پر مبنی تھا اور اس کی کیفیت ۔ تاجروں کے مال کی سی تھی اور اس سے غرض ان لوگوں کا فائدہ تھا جو اسی سے براہ راست متعلق تھے ، مگر اس سے جس طرح زمیں مینر کا فائدہ مقصود تھا تقریباً اسی طرح قابض زمین کا بھی فائدہ تھا ۔ باب ۲۰ کے آخری دفعہ کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا اس میں ایک ایسے ادارے کو تسلیم کیا گیا ہے جو جوری کے قریب قریب تھی اگرچہ اس سے پہلے باب ۱۸ میں اس کے لئے کچھ قاعدے مقرر کر دیئے گئے تھے ۔ باب ۲۱ کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بیرنوں کو جرمانوں سے محفوظ رکھنے کے لئے آزاد لوگوں کی جوری کی ضرورت ہے جو پہلے کے دفعات میں رہ گئی ہے قرین عقل بات یہ تھی کہ باب ۲۴ باب ۶۶ کے بعد ہی آجاتا کیونکہ یہ بھی نظام عدالت سے بحث کرتا ہے ۔ یہ ایک ایسا زینہ تھا جس کے ذریعے سے تمام فوجداری کا کام بالآخر بادشاہ کے ہاتھ میں منتقل ہو گیا اور اس قسم کے جملہ مقدمات رفتہ رفتہ شاہی عدالتوں کی سماعت کے لئے چھوڑ دیئے گئے

کوتوالی کے صرف خفیف مقدمات مقامی عدالتوں کی سماعت کے لئے رہ گئے۔

پھر اس کے بعد دلچسپ دفعات کا ایک سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ منجملہ ان کے ابواب ۴۰ اور ۳۱ بطور مثال ہیں کیونکہ یہ ایک مخصوص شکل میں اس اصول کو ظاہر کرتے ہیں جو زمانۂ حال کے قانونِ دستوری میں ان الفاظ سے داخل ہوگیا ہے کہ بغیر مناسب معاوضے کے کوئی خانگی ملک سرکاری استعمال میں نہیں لائی جا سکتی۔ باب ۳۴ خاص طور پر اہم ہے کیونکہ اس کی رو سے یہ ممنوع قرار دیا گیا کہ شقہ (Præcipe) کے ذریعے سے کوئی مقدمہ خانگی عدالت سے شاہی عدالت میں منتقل کیا جائے اور اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بیرن شاہی عدل گستری کے ایک پہلو کو کس نقطۂ نظر سے دیکھتے تھے۔ شاہی عدالتوں سے جو تصادم ہو رہا تھا تو اس میں بیرنوں کے عدالتی اختیارات غائب ہو رہے تھے اگرچہ بظاہر اس ضابطے کی پابندی کی جاتی تھی لیکن خانگی عدالتوں سے مقدمات کے باہر جانے کا جو سلسلہ پڑ گیا تھا وہ نہیں رک سکا۔ اور دوسری نصف صدی کے آخر تک یہ حالت ہوگئی کہ خود بیرن بھی اس سے چشم پوشی کرنے لگے۔ ابواب ۳۵ اور ۴۱ کو جو تجارتی اغراض کے لئے تھے کبھی نظر انداز نہ کرنا چاہئے کیونکہ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ منشور کا دائرہ کس قدر وسیع تھا اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ بیرن اس بات سے واقف ہو گئے تھے کہ تاجروں کی جد و جہد میں ان کا کیا مفاد مضمر ہے اور دوسری صدی میں جا کر اس میں ایک دستوری شان پیدا ہو گئی۔

اس کے بعد ابواب کا وہ مجموعہ ہے جو حکومت کے مقابلے میں افراد کی آزادی چاہتا ہے۔ اگر یہ سب نہیں تو کم از کم ان کا ایک حصہ عام الفاظ اور موجودہ دستوری زبان میں ظاہر کیا جا سکتا ہے۔ باب ۳۶ کے متعلق بعض اوقات یہ خیال کیا گیا ہے کہ وہ "احضار ملزم" کے شقے کا باعث ہوا ہے لیکن بات یہ ہے کہ شقۂ مذکور حال کے شقے کا پیشرو نہیں ہے بلکہ اس نے ایک محدود دائرہ استعمال میں اس حقیقت کی ایک حد تک تکمیل کر دی ہے۔ ۱۶۱۵ء کے بعد سے جو تجربہ ہوا اس کے بموجب باب ۳۵ کے دائرے میں توسیع کر دی گئی مگر یہ اصول وہ ہے کہ جس پر انگریزی قانون کا یہ اصول قائم ہے کہ "بڑی چوری کے احضار اور الزام کے بغیر کوئی شخص کسی جرم کبیرہ یا کسی دوسرے سنگین جرم کا جوابدہ نہیں گردانا جا سکتا" اور "سوائے ایسی امکانی علت کے جس کی حلف یا

اثبات سے تائید ہوتی ہو وارنٹ جاری نہیں ہو سکتا"۔ باب ۴۰ بھی جس کا مقصد یہ ہے کہ "انصاف کا دروازہ سب کے لئے یکساں طور پر کھلا رہے گا" انگلستان کے دستور کے "قانون حقوق" سے بالکلیہ وابستہ ہے۔ باب ۳۹ کے متعلق تو بہت کچھ بحث ہوتی رہتی ہے لیکن امر متنازع فیہ اس دستوری اصول پر جو اس میں وضع کیا گیا ہے کوئی اثر نہیں پڑتا اصول یہ ہے کہ "بغیر باضابطہ قانونی کارروائی کے کوئی شخص جان و مال اور آزادی سے محروم نہیں کیا جائے گا" اب رہا یہ سوال کہ آزاد شخص کے لفظ میں کون سے طبقات شامل کئے گئے تھے ۱۲۱۵ء کے بیرنوں کا منشاء دیکھنے کے لئے اہم ہو تو ہو۔ ورنہ اور طرح سے یہ محض علمی دلچسپی کی خاص چیز ہوگی کیونکہ منشور کے عطا ہونے کے عین بعد ہی اس میں نہ صرف بیرنی جماعت بلکہ وہ تمام لوگ جو ازروئے قانون آزاد تھے شامل کر لئے گئے۔ ہمسر رتبہ لوگوں کی تجویز کے معنی بعد کو چل کر سماعت جوری لئے جانے لگے۔ مگر ۱۲۱۵ء میں اس کے یہ معنی نہ تھے۔ اس کا اصلی مفہوم اس طرح اب تک قائم ہے کہ اراکین دارالامرا کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنے متعلق مقدمات کی سماعت وہ خود دارالامرا ہی میں کرتے ہیں۔

خلع اطاعت کا حق۔ باب ۶۱ منشور کے اہم ابواب میں سے ہے کیونکہ اس سے قانون اور حق کی وہ بنیاد جس پر بیرن اپنے کو عامل سمجھتے تھے اور وہ مقاصد جو ان کے پیشِ نظر تھے، معلوم ہوتے ہیں اگر ہم اس کو دستور مملکت کا ایک جز سمجھیں تو یہ ایک غیر معمولی چیز ہوگی کیونکہ اس سے ایسی دو چیزیں طے پا گئیں جو بظاہر ایک منظم حکومت کی منافی معلوم ہوتی ہیں۔ اولاً یہ حکومت کے اختیار سے مقدمات کے ایک خاص دائرے میں اس کا اولین فرض یعنی عدالتی فرض سلب کر لیتا ہے اور اس کو ایک خود ساختہ جماعت کے تفویض کر دیتا ہے اور دوسرے یہ کہ بادشاہ کے خلاف شورش اور جنگ کو جائز قرار دیتا ہے۔ تاہم دستور مملکت کا تصور یا ہمارے مفہوم کے مطابق دستوری قانون کا تصور ۱۲۱۵ء کے بیرنوں کے ذہن میں نہیں آ سکتا تھا اور اگر ہم منشور کو یہ سمجھیں کہ وہ صرف قانون جاگیری کا مرقع بنایا گیا تھا تو پھر یہ چیز عیاں ہو جاتی ہے کہ بیرنوں کے مقصد اور حق سے جس کا وہ مطالبہ کرتے تھے کیا تعلق ہے مغربی یورپ کا قانون جاگیری آسامی وابستہ کے اس حق کو تسلیم کرتا تھا کہ وہ اپنے کو ناانصافی سے بچانے کے لئے خلع اطاعت کر سکتا ہے اور اپنے رئیس کے خلاف تلوار کھینچ سکتا ہے اور ایسی حالت میں

اس پر غداری کا کوئی الزام نہ ہوگا۔ بیرن اس وقت اسی حق پر چلتے تھے۔ اور اس سے کچھ دنوں پہلے بادشاہ کو انھوں نے حسبِ ضرورت باقاعدہ اطلاع بھی دے دی تھی کہ ہم اپنی اطاعت کو واپس لے رہے ہیں۔ وہ جان کے اخلاق و عادات سے یہ سمجھے ہوئے تھے کہ وہ کچھ بھی وعدہ کیوں نہ کرے یہ سوال پھر از سرِ نو پیدا ہونے والا تھا کہ آیا ان کو دوبارہ ہتھیار اٹھانا چاہئے یا نہیں۔ لیکن ان کی خواہش یہ تھی کہ اس صورتِ حال کو پھر پیدا ہونے نہ دیا جائے اور اس طریقۂ کار کو نہ صرف اس کے اصول استعمال بلکہ اس کے دائرے میں بھی محدود رکھا جائے۔ انھوں نے اس غرض کے لئے یہ طریقہ تجویز کیا کہ جب بادشاہ وعدہ شکنی کرنے لگے تو اس پر ایک دباؤ ڈالا جائے اور قرارداد یہ تھی کہ تشدد کا چارۂ کار اختیار کرنے سے پہلے اس طریقے کو آزمایا جائے اس طریقے کے ناکام ہونے کی صورت میں پھر شورش کا عام حق تھا جس انھوں نے صرف اس تجویز کے آزمانے کے لئے ملتوی کر دیا تھا۔ لیکن اپنے تحریری بیان میں بیرنوں نے بادشاہ کی معزولی کے حق کو درج نہیں کیا حالانکہ اس سے یہ مطلب خود منطقی طور پر برآمد ہوتا ہے۔

اگرچہ یہ ایک بھدا اور مہمل طریقہ تھا لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ تاریخ میں اس اصول کو دستوری شکل میں لانے کی یہ پہلی کوشش تھی کہ حکومت کو مملکت کے اساسی قوانین کی متابعت کرنی چاہئے اور بیرنوں نے واقع میں اسی اصول کی پیروی کی تھی حالانکہ وہ اپنے افعال کے حقیقی معنوں سے اس طرح واقف نہیں تھے جس طرح ہم ہیں۔ پرانے تجربوں میں سے کوئی چیز ایسی موجود نہ تھی جس سے ۱۲۱۵ء کے لوگ سبق حاصل کر سکتے جو ادبی ذخیرہ ان کے ہاتھ میں تھا اس میں "محدود شاہی" کے اداراتی اشکال کی کوئی نظری بحث موجود نہ تھی۔ تاہم اس طریقۂ کار کا بھدا پن بھی یہ ظاہر کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس پہلی کوشش میں انگلستان کی تاریخ دستوری کی تہ لے لی گئی اور اس شان و شوکت کی پیش بندی کر دی گئی جو آخر میں تاریخ دستوری کو نصیب ہونے والی تھی کیونکہ سچ پوچھو تو یہ اس بات کی کوشش تھی کہ بادشاہ کو بغیر خانہ جنگی اور انقلاب کے اساسی قوانین کا پابند بنایا جائے اور خانہ جنگی اور انقلاب کو صرف آخری چارۂ کار سمجھا جائے۔ انگریزی دستور کی یہ مختصر سی مختصر شکل ہے جو یہاں پیش کی گئی ہے اور یہ حکومت کو حیثیتِ قومی کے سامنے جوابدہ بنانے کا ایک ایسا پختہ طریقۂ کار تھا کہ اس میں آئے دن ان کی خانہ جنگی کا ڈر

نہیں تھا۔

قانون کا تفوق ۔ غرض منشور اعظم کا اصلی کام یہ ہے کہ اس نے دو اساسی اصول قائم کر دئیے جو آج بھی تمام انگریزی دستور اور اس کے تمام مشتقات کی تہ میں موجود ہیں اور اسی طرح موجود ہیں جس طرح ۱۲۱۵ء میں تھے ۔ پہلا اصول یہ ہے کہ ہر مملکت کی سیاسی عضویت کی تہ میں چند ایسے قوانین ضرور ہوتے ہیں کہ ان کی بادشاہ کو یا (زمانۂ حال کے الفاظ میں) حکومت کو متابعت کرنا لازمی ہے ۔ دوسرے یہ کہ اگر حکومت ان قوانین کی متابعت سے انکار کرے تو قوم اس کو متابعت کے لئے یہاں تک مجبور کر سکتی ہے کہ حکومت کو نکال کر دوسری حکومت اس کی قائم مقام کر سکتی ہے ۔ گو تیرھویں صدی کے بعد سے اس دوسرے اصول کو باضابطہ قانونی شکل نہیں دی گئی تھی لیکن فی نفسہ یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس کا وجود نہیں تھا ۔ خود تیرھویں صدی میں یہ ظاہر ہو گیا تھا کہ قانون کی پابندی کرانے کے لئے بغاوت کا حق حاصل ہے ۔ اس حق کے یہ معنی نہیں تھے کہ وہ بادشاہ کو معزول کر سکتے ہیں بلکہ بعد کے نازک موقعوں پر جب کہ دستور کو سخت خطرہ لاحق تھا قوم اس انتہائی حق کو "جو قانون کی فوقیت" سے خود بخود پیدا ہوتا تھا بلا تامل استعمال کرتی تھی ۔ ہمیں چاہئے کہ صرف امریکہ کے "اعلان آزادی" کو مع اس کے اصولی امادے کے اپنے پیش نظر رکھیں اس کا مطلب ۔ یہ تھا کہ شاہِ انگلستان جو کچھ کر رہا ہے وہ آبادکاروں کے قانونی حقوق پر جو خود بھی انگریز ہیں دست درازی کر رہا ہے اور امریکانی آخر یہاں تک پہنچ گئے کہ "وہ یعنی انگریز کسی آزاد قوم کے حکمران ہونے کے قابل نہیں ہے"۔ جس اصول پر امریکانی اعلان آزادی کی بنیاد رکھی گئی تھی وہ بالکل وہی ہے جس پر منشور اعظم مبنی تھا ۔ صرف فرق اس قدر ہے کہ اعلان آزادی کو آبادکاروں نے پیش کیا تھا اور زمانۂ حال کی اصطلاحوں کے ساتھ پیش کیا تھا ۔ یہ لوگ قوم کے چند اجزا تھے جو تمام قوم کو انقلاب سے متاثر نہیں کر سکتے تھے ۔ تاریخ انگلستان کے ہر زمانے میں جب کبھی یہ سوال پیدا ہوا اور انگلستان کے ارتقاء آزادی کے دوران میں جب کبھی نازک موقع آیا اسی دوسرے اصول کو انگریزوں کے آباؤ اجداد اپنی بنیاد سمجھتے رہے اور اسی بنیاد پر انھوں نے رفتہ رفتہ آزاد حکومت کی وہ عمارت کھڑی کر دی جس میں آج ہم زندگی بسر کر رہے ہیں ۔ ممکن ہے کہ منشور اعظم کے پیش کئے ہوئے مخصوص اور انفرادی اصول آنے والی نسلوں کے بدلتے ہوئے

معاشرتی سیلاب میں بہہ گئے ہوں لیکن قوم کی صحیح رائے اس بات پر اڑی رہی کہ ہر بادشاہ یکے بعد دیگرے اور بعض بادشاہ کئی کئی دفعہ منشورِ اعظم کی پابندی کا وعدہ کریں اور منشور کی عطا کی ہوئی آزادیوں کی توثیق کریں۔ ان مطالبات میں انھوں نے کبھی اپنے بادشاہوں کو ایسے قوانین کا پابند بنانا نہیں چاہا جو متروک ہو گئے تھے بلکہ وہ ایسے اساسی تصور کا پابند بنانا چاہتے تھے جو ان کے مخصوص ضابطوں کی تہ میں مضمر تھا یعنے وہ تصور جس سے حاکم محکوم کا تعلق ظاہر ہوتا ہے اور یہ سیکسنی دنیا میں تقریباً ضرب المثل ہو گیا ہے جب اس کو زمانہ حال کی اصطلاحوں میں اچھی طرح ظاہر نہیں کیا گیا تو تیرھویں صدی میں تو اس کا اظہار ناممکن تھا مگر مفہوم یہی لیا جاتا تھا ان وعدوں اور توثیقات کی تجدید کا سلسلہ قرون وسطیٰ کے اواخر تک چلتا رہا یہاں تک کہ پارلیمنٹ کی فوقیت عام طور پر تسلیم کر لی گئی اور حالیہ دستور کے تمام راستے نمایاں ہو گئے لہٰذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ پندرھویں صدی میں ان کا سلسلہ صرف اس وقت منقطع ہوا جبکہ دستوری ملوکیت کا تخیل ہر انگریز دل و دماغ کے لئے ایک عادت ثانی ہو گیا تھا۔

منشور کی منظوری کے بعد جو ہفتے گزرے ان میں شاہ جان کے عمل سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اپنے کو منشور کے ضابطوں کا پابند بنانا چاہتا ہے۔ لیکن یہ کہنا خلاف قیاس نہیں ہے کہ اس نے کبھی بھی ایفاءِ وعدہ کا خیال نہیں کیا موسم گرما کے ختم ہونے سے پہلے اس نے ایک کثیر فوج جمع کر لی تھی اور ادھر پاپائی فرمان نے اس کو منشور کی ذمہ داری سے آزاد کر دیا تھا۔ اب بیرنوں کو یہ صاف معلوم ہو گیا کہ اگر بادشاہ کے مقابلے میں اپنے معاملے کو بچانا ہے تو پھر انتہائی تدابیر کی طرف قدم بڑھانا لازمی ہے۔ چنانچہ انھوں نے اپنا رشتہ اطاعت توڑ ڈالا، جان کو معزول کر دیا اور اس کی جگہ لوئی کو جو جان کی بھتیجی کا شوہر اور فرانس کے تخت کا وارث تھا اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا۔ پھر خانہ جنگی شروع ہو گئی لیکن اس وقت جان پہلے سے زیادہ طاقتور تھا اور باوجود لوئی کی تائید کے بیرن کوئی پیشقدمی نہیں کر سکے۔ یہ بتانا ناممکن ہے کہ لوئی کی کامیابی کا نتیجہ کیا ہوتا، مگر ۱۲۱۶ء اکتوبر کے مہینے میں جان کا جو اچانک انتقال ہو گیا تو بالکل بساط الٹ گئی۔ اس کا جانشین ہنری سوم صرف نو سال کا بچہ تھا۔ ظاہر ہے کہ اس کے خلاف کوئی شکایت نہ تھی اور پھر جدید رہنمائے حکومت ولیم مارشل ارل پمبروک کو بیرنوں کے مطالبات کے ساتھ خاص ہمدردی بھی تھی۔

بیرنوں نے لوئی کا ساتھ چھوڑ دیا اور حکومت کے ساتھ اتحاد کر لیا چنانچہ ۱۲۱۶ء میں منشور اعظم کی دوسری اشاعت کو پیش کر کے اس اتحاد کو اور بھی استحکام دیدیا گیا جب نومبر ۱۲۱۷ء میں باغی بیرنوں اور لوئی کو شکست ہو گئی اور لوئی واپس چلا گیا تو پھر منشور کی تیسری اشاعت کی گئی اور اس نسخے کو ہنری سوم نے فروری ۱۲۲۵ء میں از سر نو شائع کیا لیکن ان میں اس مرتبہ کوئی اہم تبدیلیاں نہیں ہوئی تھیں اور اس طرح یہ قانون انگلستان کا آخری منشور اعظم ہو گیا۔

متعاقب اشاعتوں کی تبدیلیاں۔ پہلی دو متعاقب اشاعتوں میں ۱۲۱۵ء کے اصل منشور کے کئی ابواب حذف کر دئیے گئے اور دیگر ابواب میں اہم تبدیلیاں کر دی گئیں۔ بعض لوگ محذوفات پر ضرورت سے زیادہ زور دے کر اس جذبے کا اندازہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو ان اشاعتوں میں کام کر رہا تھا منجملہ ان کے ابواب ۱۲ - ۶۱ کے متعلق اکثر یہ سمجھا گیا ہے کہ وہ غیر معمولی اہمیت رکھتے ہیں لیکن باب ۶۱ کو قائم رکھنا بہت مشکل تھا اس وقت منشور کا جاری کرنا اس وجہ سے نہیں تھا کہ یہ کامیاب انقلابیوں کا مطالبہ ہے بلکہ حکومت کی جانب سے اس کا اجرا ہوا تھا جس کو حکومت ایک واجب التعمیل قانون سمجھتی تھی اور اس کی پابندی کا وعدہ کرتی تھی ۔ اگر یہ قابل اعتماد تھا اور اس کو قابل اعتماد بنانا مقصد تھا تو پھر بادشاہ کو قانون کا پابند بنانے کے لئے خاص ضابطوں کی خواہ منشور اعظم میں اس کا ذکر ہو یا نہ ہو کیا ضرورت تھی۔ جاگیری قانون کا عام اصول تو جوں کا توں قائم رہا اور اس کی طرف ہمیشہ توجہ دلائی جا سکتی تھی ۔ یہی بات باب ۱۲ پر بھی صادق آتی ہے۔ ۱۲۱۶ء کی متعاقب اشاعت میں اصلی منشور کے کئی اصول کو مشکوک حالت میں دکھایا گیا ہے (dubitabiba) منجملہ ان کے وہ ضابطے ہیں جو زر سپر سے متعلق ہیں اور ظاہر ہے کہ باب ۱۲ میں بیرنوں کے نزدیک یہی بڑی چیز تھی ۔ اصلی بات کے اظہار میں کہ زر سپر کے متعلق مجلس عظمیٰ کو کیا کارروائی کرنی چاہئے بیرن اپنے حقیقی ارادے اور خواہش سے بہت آگے بڑھ گئے تھے ۔ ۱۲۱۷ء کے منشور کے باب ۴۴ میں یہ اصول طے کر دیا گیا کہ زر سپر صرف اسی طریقے سے لیا جائے جس طریقے سے ہنری دوم کے عہد میں لیا جاتا تھا اور اس سے غالباً اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ ۱۲۱۵ء میں بیرنوں کی حقیقی نیت کیا تھی اور آیا قطعیت قانون کا لحاظ کرتے ان کے جملہ مطالبات حق بجانب تھے۔

جان کے منشور میں جو تبدیلیاں کی گئیں ہیں ان میں یہ تبدیلی ایک معیاری تبدیلی ہے۔ یہ تبدیلیاں اس غرض سے ہوئی تھیں کہ قانون کی قطعی اور صحیح تشریح ہو جائے۔ بعض تبدیلیاں ایسی معلوم ہوتی ہیں کہ گویا وہ اس تجربہ سے ضروری ثابت ہوئیں جو منشور کو بطور قانون موضوعہ کے عدالتوں میں نافذ کرنے کے لئے کیا گیا تھا۔ بعض ان مطالبات کی ترمیم سے جو بادشاہ کے حق میں نامنصفانہ تھے اور اکثر اضافے ہیں جو قانون کی حقیقی تشریح کی غرض سے کئے گئے۔ تاہم ۱۲۱۶ء کی اشاعت میں جو جدید تبدیلیاں ہوئی ہیں اور جن میں اکثر اضافے ہوئے ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں کچھ اور اثرات کام کر رہے تھے۔ سابق فرامین کی بہ نسبت اس نسخے میں جدید قسم کی قانون سازی پائی جاتی ہے۔ یہ نسخہ ان معاملات سے وسیع بحث کرتا ہے جو حکومت اور نظم و نسق سے متعلق ہیں۔ اس کی کچھ توجہ اس طرف تھی کہ بڑے بیرنوں کے مفاد کو ان کے اسامیوں کے مقابلے میں بچانا چاہیئے۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ تمام سلسلہ ہائے مناشیر میں اس اصل اصول میں کوئی ترمیم نہیں کی گئی کہ ملک میں مسلمہ قانون کا ایک ایسا مجموعہ ہے کہ بادشاہ کو قوم کے ساتھ سلوک کرنے میں اس کی پابندی ضروری ہے۔

توثیقات کی غرض و غایت۔ ۱۲۲۵ء کی اشاعت سے لیکر قرون وسطیٰ کے اختتام تک منشور اعظم کی طرف اکثر توجہ دلائی گئی ہے گو زمانہ سابق کے بہ نسبت پندرھویں صدی میں یہ حوالے کچھ کم ہوئے ہیں۔ ان میں دو قسم کے حوالے ایسے ہیں جو اکثر ہمارے سامنے آتے ہیں۔ ایک تاریخوں میں دوسرے سرکاری وثائق اسناد اور رولوں کے کاغذات (Rolls) میں۔ تاریخی حوالے بالعموم حکومت یا حکومت کے عہدہ داروں کی خلاف ورزیوں سے متعلق ہیں جو اکثر حقوق کلیسا کے ساتھ ہوتی رہتی تھیں۔ سرکاری حوالے مختلف قسم کے ہیں کچھ تو دفعات کی متفرق یا دوسری طرح کی تاویلات ہیں یا کچھ ان کا محض الطباق ہے اور کچھ ان کے نفاذ کے متعلق ہدایات ہیں اور اکثر ایسی ہیں کہ مقدمات مرجوعۂ عدالت کے بارے میں منشور کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ اس کا قانون واجب التعمیل ہے۔ اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ تخفیف شدہ ابواب از یاد رفتہ نہیں ہو گئے تھے بلکہ یہ اب تک بعض اوقات منشور کے اجزا سمجھے جاتے تھے، اور اس بات کا ثبوت ہے کہ کبھی کبھی منشور کے متعلق یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ ایک ایسا اساسی قانون ہے کہ پارلیمنٹ بھی

اس کی تابع ہے ۔ ہنری سوم سے لے کر ہنری چہارم تک تمام بادشاہوں سے اس کی توثیق کا مطالبہ کیا گیا اور ہر بادشاہ نے کئی دفعہ باضابطہ توثیق کی تھی مگر ہنری پنجم اور ہنری چہارم نے صرف ایک دفعہ کی تھی ۔ اڈورڈ سوم کے ابتدائے عہد سے لے کر ہنری چہارم کے آخری عہد تک یہ قاعدہ ہو گیا تھا کہ پارلیمنٹ کے قوانین کا سلسلہ قوانین منشور کی توثیق سے شروع ہوتا تھا ۔ جیسے ابھی کہا گیا ہے کہ ان توثیقات سے منشور کے تمام ضابطوں کو حرف بہ حرف بطور واجب التعمیل قانون کے قائم رکھنا مقصود نہیں تھا ان میں سے کئی ضابطے متروک ہو گئے تھے ۔ ان کا مقصد صرف بادشاہ کو اس اساسی اصول کا پابند بنانا تھا کہ بعض شعبوں میں بادشاہ کے افعال قانون کے تابع ہیں ۔

BIBLIOGRAPHICAL NOTE.—G. B. Adams, *The Origin of the English Constitution 1920.* L.W. Vernon Harcourt, *His Grace the Steward and Trial of Peers, 1907.* W. S. McKechnic *Magna Carta, 1914. Magna Carta Commemoration Essays, 1917.* S.K. Mitchell; *Taxation und r John and Hendry III, 1914.* K. Norgate, *John Lackland, 1902.* F.M. Powicke, *The Loss of Normandy 1913.*

باب ۶

دستور اور قانونِ عرف کا ارتقا

منشورِ اعظم سے تاریخِ دستورِ انگلستان کا ایک عہد ختم اور دوسرا عہد شروع ہوتا ہے یہاں سے زمانۂ سابق کی مطلق العنان اور غیر ذمہ دار بادشاہی ختم ہو جاتی ہے اور اس کی جگہ محدود شاہی کا پایہ پڑتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک عرصہ تک تبدیلی خفیف اور ترقی بہت آہستہ ہوتی رہی مگر وہ اصول جس پر ایک زمانے میں دستوری ملوکیت کی تعمیر کی گئی پیدا ہو گیا تھا۔ اس کے بعد وہ کبھی محو نہیں ہوا اور اس کی اساسی اہمیت زائل نہیں ہوئی۔

منشورِ اعظم کی بذاتِ خود کوئی اہمیت نہیں ہے اگر اس کو قانونِ جاگیری کا ایک مجموعہ سمجھا جائے تو اس میں دوسرے اور مجموعۂ قوانین کی طرح کیا ترقی کی گنجائش ہے۔ یہ بات تو آئندہ آنے والے زمانہ کی خصوصیت پر موقوف تھی کہ منشور کے پیش کئے ہوئے اصول ترقی کر کے دستور پر حاوی ہو جائیں، یا از یاد رفتہ ہو کر نظر انداز ہو جائیں۔ اگر جان کا جانشین خود اس کی طرح یا اس کے پوتے ایڈورڈ اوّل کی طرح طاقتور بادشاہ ہوتا یا کوئی ایسا بادشاہ ہوتا جس کو منشور کے آنیوالے نتائج کے متعلق کچھ بھی بدگمانی ہوتی تو اس کے لئے منشور کو بالکل پس پشت ڈالدیتا اور اس کے ہر نتیجہ خیز اشارے کا سدِباب کرنا کچھ مشکل نہیں تھا۔

شاہی سلسلہ جانشینی کے واقعات میں یہ بھی ایک خوش آئند واقعہ ہے کہ منشور کے بعد ہی ایک کمزور بادشاہ کا طویل عہد حکومت آگیا۔ ہنری سوم ۱۲۱۶ء میں تخت نشین ہوا اور ۱۲۷۲ء تک حکومت کی۔ دستوری آزادی کا جو بیج ۱۲۱۵ء میں غیر شعوری طریقے سے بویا گیا تھا ہنری کے طویل عہد اور اس کے کردار نے اس بات کا فیصلہ کر دیا کہ اس کا مستقبل کیا ہوگا۔ ہنری ان معنوں میں ایک بڑا بادشاہ نہیں تھا جن معنوں میں اس کا باپ تھا۔ وہ خود سر نہیں تھا۔ اس کو یقین تھا کہ میں ایک اچھا بادشاہ ہوں اور اپنے کو اچھا حکمران ثابت کرنا چاہتا تھا کیونکہ وہ ظاہر پرست تھا اور اپنی عقل و دانش کا بہت معتقد تھا۔ لیکن اس میں ذہانت اور قوت ارادی بہت کم تھی۔ وہ ہمیشہ کسی نہ کسی شخص کی اثر میں رہتا تھا جو اس کی طبیعت پر ہمیشہ حاوی ہوتا اور اس بات کا اس کو احساس تک نہ ہوتا تھا۔ کبھی وہ اس بات کا صحیح اندازہ نہیں لگا سکا کہ عوام کے جذبات کی رو کس طرف کو جاری ہے حالانکہ اس کو سمجھنا اور اس پر غور کرنا ضروری تھا۔

بیرونی مصاحب۔ بادشاہ کے خصائص کے ساتھ ارتقائے دستور کا پہلا تعلق اس وقت پیدا ہوا جبکہ باہر سے بادشاہ کے مصاحبوں کے پلے در پلے سیلاب آ کر انگلستان میں متوطن ہونے لگے۔ پہلا سیلاب تو ان لوگوں کا تھا جو اس کے باپ کے غیر ملکی ہوا خواہوں میں سے باقی رہ گئے تھے مثلاً اسقف ونچسٹر اور پیٹر ڈے روشس۔ دوسرا سیلاب اس کی بیوی کے اقربا کا تھا جو سیوائے سے آیا تھا اور تیسرا خود اس کے اقرباد کا تھا جو اس کی ماں کے عقد ثانی کے سلسلے میں پواٹو سے آیا تھا۔ یہ لوگ نہ صرف بادشاہ کے عطا کردہ زریں انعامات پاتے مثلاً مالدار شادیاں کرتے اور بڑی بڑی جائدادوں کے ولی بنتے تھے جس سے انگریز بیرنوں کو قلبی تکلیف ہوتی تھی کیونکہ حقیقت میں خود یہ ان مواقع کے حقدار تھے۔ وہ اہم خدمات پر بھی فائز ہوتے اور حکومت میں اثر پیدا کرتے تھے۔ اور اس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہی لوگ ان عام برائیوں کے ذمہ دار ہیں جو غلط حکمت عملی اور اس کے عملدرآمد کی وجہ سے پیدا ہو رہی تھیں اور ایسی صورت میں انگریزوں کا بادشاہ کے غیر ملکی ہوا خواہوں اور انگریز رعایا کے درمیان فرق کرنا ضروری تھا۔

یہی صورت حال اس عہد کی ناگزیر مشکلات کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ نرخوں کا

برابر بڑھ گئے تھے جس سے اس کے باپ کے عہد کے مسائل پیچیدگی میں پڑ گئے تھے ہنری سوم کے عہد کے اکثر حصے میں برابر جاری رہے اجرائے حکومت کے اخراجات تو بہت بڑھ گئے مگر اس تناسب سے شاہی مداخل میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ سترھویں صدی کے بیرنوں کے لئے ان الجھنوں کا سمجھنا ممکن تھا جو ان حالات کی وجہ سے حکومت پر عائد ہو رہی تھیں۔ مگر ان کا یہ خیال بے موقع نہیں تھا کہ بادشاہ کے مسلسل رقمی مطالبات اسی وجہ سے ہوتے ہیں کہ وہ بے پروائی کے ساتھ اسراف کرتا ہے اور اپنے مصاحبوں پر روپیہ کا مینہ برساتا ہے اگر بادشاہ اس فیصلے کے جواب میں کوئی عذرات پیش کر سکتا تو وہ شاید یہ ہوتے کہ کبھی اس کو کفایت شعاری آئی نہ روپیہ کی قدر معلوم ہوئی نہ اس بات کی تمیز ہوئی کہ اپنی خواہشوں اور مملکت کی حقیقی ضروریات میں کیا فرق ہے۔ گو پچھلے تجربات تبدیلی چاہتے تھے لیکن اس کے باوجود مملکت کا پرانا تصور ابھی تک جاگزیں تھا۔ بادشاہ سلطنت کو اپنی جاگیر اور املاک سمجھتا تھا اور سلطنت کی تمام آمدنی اس کی ملک تھی کہ جس طرح چاہے اس کو تصرف میں لائے۔ بیرن ہمیشہ اپنی طرف سے یہ درخواست کرتے تھے کہ " پادشاہ کو صرف اپنی آمدنی پر انحصار کرنا چاہیئے " یعنے اپنے اور نیز مملکت کے تمام مصارف کو اپنی جائز آمدنی سے ایسا پورا کرنا چاہیئے جیسا ایک جاگیردار اپنی آمدنی سے پورا کرتا ہے۔

اس طریقے سے یہ حالات پوپ کے رقمی مطالبات کی وجہ سے جو انگلستان پر عائد ہو رہے تھے اور بھی زیادہ الجھ گئے۔ دنیوی مملکتوں کی طرح پاپائیت کے مصارف حکومت بھی روز بروز بڑھ رہے تھے اور اس وجہ سے سخت مشکلات کا سامنا تھا۔ چنانچہ اس بات کی کوشش ہو رہی تھی کہ تمام یوروپ میں آئندہ آئینی قوانین اختیار کر کے مداخل میں اضافہ کیا جائے۔ اس سلسلے میں انگلستان جو خاص طور پر مصیبت کا شکار ہوا اس وجہ سے کہ اول تو یہ پوپ کا ماتحت تھا اور دوسرے دولت کی فراوانی نے بھی اس ملک کو خاص طور پر آلۂ محصول گیری بنا رکھا تھا عشر کی مذہبی وصولات تو خیر دقیقے سے ہوتی تھیں مگر کلیسائی جانشینوں (Provisors) کے علاوہ آمد کی ترقی ایسی تھی کہ اس سے سخت شکایات پیدا ہو گئیں کلیسائی جانشینی در اصل اس حق کا نام تھا کہ کوئی کلیسائی جائداد یا پیشں امامی یا خدمت خالی ہونے کے بعد یہ کس کو دی جا سکتی یا پاپائی سفیر رفتہ رفتہ ان تقررات کے حق کو ترقی دی۔ چنانچہ ان کی مالی مشکلات میں یہ

ان کے لئے بہت اچھا اور منفعت بخش ذریعۂ ثابت ہوا پاپائی دربار سے جو عہدہ دار انگلستان کی خدمات پر مامور ہوتے تھے وہ خود تو روما میں کام کرتے تھے مگر یہاں کسی ناظر کے توسط سے اپنے فرائض انجام دیتے تھے اور ان خدمات کی تنخواہ یہاں سے وصول کرتے تھے۔ اگر انگریز پادری ان تقررات پر ناک بھوں چڑھاتے تھے اور اس کو ایک کھلی بدعنوانی سمجھتے تھے چنانچہ بیرنوں کے ساتھ یہ لوگ بھی اس صدائے احتجاج میں برابر کے شریک ہو گئے کہ انگلستان انگریزوں کے لئے ہے"۔

ایک قسم کا قومی احساس۔ ہنری سوم کے عہد میں جو دو تغیرات عمل میں آئے تھے ان کو ان حالات نے نہ صرف ترقی دی بلکہ ان کو پیدا کیا۔ ایک تو قومی احساس کا عروج ہے جس میں تو میت کے موجودہ تصور کی ابتدا تھی اور ملت کے شخصیہ ہونے کا تخیل آگے بڑھ رہا تھا کہ یہ حکومت اور مملکت سے علحدہ چیز ہے اور حکومت اس کی خدمت کے لئے ہے اس امر کی وضاحت میں کہ قومی احساس کیسے آگے بڑھا اور اس میں کیا واقعات ہوئے بہت کچھ مبالغہ کا اندیشہ ہے۔ ایسی قوم جس کو ہم زمانۂ حال میں عموماً کہتے ہیں یعنے جس میں شہر اور دیہات ہم سطح ہوں اور تمام طبقات کو مساوی سیاسی حقوق حاصل ہوں اور ہر چیز کے قرارداد کے تصوری اختیار رہوں۔ اس کا قرون وسطیٰ میں کوئی وجود ہی نہیں تھا۔ زمانۂ وسطیٰ کی قومی ملت تو ایسی چیز تھی کہ اس کے تمام طبقے الگ الگ تھے ہر گروہ کی نظر ابھی تک اپنے ذاتی مفاد پر لگی ہوئی تھی اور اس طرح سے حقیقی عضوی کیف جہتی کا صورت گیر ہونا تو بہت مشکل تھا لیکن اگر زیادہ بحث تو یہ بھی مشکل تھا کہ کم از کم ہر شخص موجودہ مملکت کی طرح آگے قدم رکھکر اپنا رجحان معین کرے اور ملکی معاملات کے ایک پہلو سے دلچسپی لے اور اسی حد تک عملی حصہ لے۔ ہنری سوم کے عہد میں جو چیز ظاہر ہوتی ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ اس عہد میں اس نتیجے کی موہوم داغ بیل پڑ رہی تھی جو بالآخر وجود میں آنیوالا تھا۔ تاہم جو کچھ بھی ہو رہا تھا وہ اس زمانے کے لحاظ سے معمولی تبدیلی نہ تھی بلکہ اس وقت بھی اس کے معنی یہ تھے کہ ایک جدید سیاسی اثر اور مملکت کا ایک جدید تخیل پیدا ہو رہا ہے اور وہ بھی دوسرا تغیر ہے جو اس عہد کو خاص طور پر نمایاں کر دیتا ہے۔

نظام جاگیری جس سے مملکت کی ایک تشکیل عمل میں آئی تھی تیرھویں صدی میں آکر اس کے تمام عملی پہلو پارہ پارہ ہو رہے تھے اس کی بڑی خدمت یہ تھی کہ اس زمانے میں جبکہ

سیاست منتشر تھی یہی مملکت کی شیرازہ بندی کرتا تھا۔ اب اس کی ضرورت باقی نہ تھی۔ اس کے متقننانہ ۔ عادلانہ ۔ فوجی اور مالی خدمات مملکت ختم ہو چکے تھے اور ان تمام خدمات کے انجام دینے کے اس سے بہتر طریقے پیدا ہو رہے تھے۔ ان کے معدوم ہونے کے ساتھ اس تغیر میں جو قومی احساس کا باعث ہوا ہے جاگیری مملکت کا عام مفہوم بھی غائب ہو گیا۔ پہلے کی طرح اب بادشاہ رئیس وابستگان نہیں سمجھا جانے لگا اور سلطنت اب اس کی ہیرنی اور اس کی جاگیر نہیں سمجھی جاتی تھی۔ کہ جس طرح چاہے اس کو تصرف میں لائے۔ اب اس کی جگہ یہ خیال پیدا ہو رہا تھا کہ بادشاہی ایک عہدہ ہے اور بادشاہ کا اصل فرض یہ ہے کہ وہ ملت کا فائدہ دیکھے اور اس کی خدمت کرے خواہ یہ فائدے خود بادشاہ کے ذاتی فائدوں سے کیوں نہ ٹکراتے ہوں یہ مجموعہ جسے معاصر "ملت" کہتے تھے اور جس کو ہم ابھی قوم کے نام سے موسوم نہیں کر سکتے آہستہ آہستہ ایک شخصی وحدت یعنے ایک متحدہ شخصیہ کی صورت میں آرہی تھی یہ بالکل قرین قیاس ہے کہ اس کے لیے ایسے اغراض اور مقاصد ہو سکتے تھے جو بادشاہ کے ذاتی مقاصد سے متصادم ہوتے اور ان کو نقصان پہنچتا۔ ایسی صورت میں بادشاہ کے مفاد کو سرنگوں ہونا چاہیئے تھا اور ملت اس بات پر اڑ سکتی تھی کہ اس کے مطمح نظر کا بول بالا ہو اگرچہ یہ منشور اعظم کا محدود تصور تھا کہ بیرنوں کو بادشاہ کی دست درازیوں سے اپنے ان حقوق کو بچانے کا حق حاصل ہے جو اپنے اساسی اصولوں سے مشتق تھے جن پر مملکت کی جاگیری عضویت تعمیر کی گئی تھی لیکن اب یہ خیال زمانۂ حال کے قومی مملکت کے تصور میں اور حکومت اور ملت محکوم کے تعلقات کی صورت میں بہت پھیل رہا تھا۔

ہنری سوم کی بدعنوانیاں ۔ جو کچھ ہو رہا تھا اس کے اصل مفہوم کی وضاحت کی کوشش میں یہ خیال نہ ہونا چاہیئے کہ یہ ایک محض نظری یا تصوری تغیر تھا یا کسی بہترین صورت حال کو پیش نظر رکھ کر اس کی اقتدا کی گئی تھی۔ بات یہ ہے کہ اس کی وجہ چند خاص بدعنوانیاں تھیں اور یہ چند خاص شکایتوں کی صورت میں ظاہر ہوا تھا۔ انگریز بیرنوں کو اس بات کی سخت شکایت تھی کہ بادشاہ نے غیر ملکی مصاحبوں پر جن عنایات کی بھرمار کی ہے وہ خود بیرنوں کا حق ہے۔ بادشاہ جس جوش و خروش سے ملک کے باہر اپنے ایسے اغراض کی تکمیل کرتا تھا جس سے قوم کو کوئی تعلق نہیں تھا مگر ان کے لیے قوم کو روپیہ بھرنا پڑتا تھا اس سے انگریزوں میں جو اپنے کو بادشاہ کی "قدرتی رعایا" سمجھتے تھے

کے خلاف ایک مجموعی ہستی اور مجموعی مفاد کا احساس پیدا ہو گیا جو لوگ اس ہل چل میں شریک تھے ان سے یہ کہا جاتا تھا کہ وہ ایک طرف انگریز اور غیر انگریز اور دوسری طرف اپنے مفاد اور بادشاہ کے جداگانہ مفاد میں تمیز کریں۔ جوں جوں یہ عہد آگے بڑھتا گیا بادشاہ اور ملت محکوم کے تعلقات کا یہ جدید تصور زیادہ روشن اور حاوی ہوتا گیا مگر ہمیشہ کی طرح اس وقت بھی قوم کی عملی ذہنیت نے اس واقعے کی ایسی نظری توجیہہ نہیں کی جو جامع ہوتی بلکہ اپنے زمانہ کے وہ اغراض جن لئے جو اس وقت مسلط تھے اور ان کو قانونی شکل میں پیش کر دیا۔ بات یہ ہے کہ بادشاہ کو مفاد ملت کا پابند بنانے کے لئے ان لوگوں نے منشور اعظم کے اصول کا ایک جدید انطباق پیدا کر دیا تھا۔

پہلے پہل یہ خیال دامنگیر معلوم ہوتا تھا کہ اگر بادشاہ سے منشور اعظم کی پابندی کا ازسر نو بیّن الفاظ میں وعدہ لیا جائے تو بادشاہ کے ہاتھ بندھ جائیں گے اور وہ ان بدعنوانیوں کے ارتکاب کی جرأت نہیں کر سکے گا جن کی بیرنوں کو شکایت تھی۔ چنانچہ منشور کی پہلی توثیق جو ۱۲۳۷ء میں عمل میں آئی وہ اسی مفہوم میں ہوئی تھی اور یہ اسی قسم کے بے شمار وعدوں کی پہلی کڑی ہے جو اگلی دو صدیوں میں عمل میں آئے ہیں۔ بادشاہ نے تجدید کو ایک خاص منشور کی شکل میں منظور کیا جس کو "منشور خرد" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اور راسقف اعظم کنٹربری نے ایک مذہبی خطبے میں قدیم اخراج ملت کے اصول کو پھر زندہ کر کے کہا کہ اس منشور کی خلاف ورزی کرنے والے سب مذہب سے خارج ہو جائیں گے۔ لیکن یہ بہت جلد معلوم ہو گیا کہ بادشاہ کے ایسے وعدے کافی نہیں ہیں جس طرح ہنری کے باپ کے عہد میں ہوا تھا ہنری کے عہد میں بھی یہ پیچیدہ سوال پیدا ہو گیا کہ اگر بادشاہ اپنے وعدوں کی پابندی نہ کرے تو اس کے ساتھ کیا تدابیر اختیار کرنی چاہیئے۔ ساتھ ہی یہ بھی ٹھیک تھا کہ جن بدعنوانیوں کی اس وقت شکایت کی گئی تھی وہ گزشتہ عہد کی بدعنوانیوں سے مختلف تھیں۔ ہنری سوم جس بات کا ملزم تھا وہ سب کچھ جاگیری قانون کی خاص خلاف ورزیاں نہیں تھیں بلکہ زیادہ تر ایسی بدعنوانیاں تھیں جو انصرام حکومت سے متعلق تھیں یعنی مملکت کا روپیہ برباد ہوتا اور مملکت کے مفاد کو خود اپنے اور اپنے مصاحبوں کے مفاد پر قربان کیا جاتا۔

ان حالات میں یہ بات بہت جلد سمجھ میں آگئی کہ اگر ان بدعنوانیوں کا صحیح مندمل

میں سد باب کرنا ہے تو بادشاہ پر دباؤ ڈالنے کی کوئی دستوری شکل ایسی دریافت کرنی چاہئے جیسے پچھلے بیرنوں نے منشور کے باب ۶۱ میں اختیار کی تھی ۔ اگرچہ تعاقب اشاعتوں میں یہ باب حذف کر دیا گیا تھا مگر ابھی یہ باب اور اس کا طریقہ کار فراموش نہیں ہوا تھا اس میں تجویز یہ تھی کہ اگر بادشاہ اپنے وعدوں کی خلاف ورزی پر اڑ جائے تو اس کو بیرنوں کی ایک مجلس کے تابع کر دینا چاہئے جو خود بادشاہ کے سامنے جوابدہ نہ ہو ۔ اس وقت جو پیچیدگی تھی وہ تمام انصرام حکومت کے متعلق تھی چنانچہ اس کے لئے مجلس عظمیٰ نے سنہ ۱۲۴۴ء میں دستور کی ایک وسیع ترمیم تجویز کر لی اور اس کو آئینی شکل میں پیش کر دیا ۔ تجویز یہ تھی کہ مملکت کے بڑے حکام جن کو مجلس عظمیٰ مقرر کرے گی اور جو مجلس کی سامنے جوابدہ ہوں گے ہمیشہ بادشاہ کے ہمراہ رہیں گے اور یہی بادشاہ کے نام سے حکومت چلائیں گے ۔ دوسرے الفاظ میں مجلس عظمیٰ نے انصرام حکومت کو بادشاہ کے ہاتھ سے نکال کر اپنے قبضے میں لے لیا اور ایک قطعی دستوری تجویز کی صورت میں اس امر کا یقین کر لیا کہ آئندہ حکومت کا انصرام بالکل اسی طرح ہوگا جس طرح مجلس چاہے گی ۔ یہ بیک نظر معلوم ہو جاتا ہے کہ اس میں اور موجودہ صورت حال میں جو موجودہ دستور کی پیداوار ہے کس قدر صریح مشابہت ہے ۔ اس وقت بھی حکومت کا انصرام ایسی ہی جماعت کرتی ہے اور بادشاہ کے نام سے کرتی ہے جو حقیقت میں پارلیمنٹ کی ایک کمیٹی ہوتی ہے لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ دونوں کے طریقہ کارروائی میں زمین آسمان کا فرق ہے موجودہ دستور میں بظاہر کوئی ادارہ ایسا نہیں ہے جو بادشاہ کے اختیارات محدود کرے ۔ بظاہر کوئی عہدہ دار رسمی طور پر پارلیمنٹ کے سامنے ذمہ دار نہیں ہے سچ پوچھو تو انگریزی دستور کی آخری منزل مقصود تھی جس کا ۱۲۴۴ء میں صرف عکس پڑا تھا ظاہر ہے کہ اس زمانے کے ادارتی تجربات اسی نتیجے کی راست رہنمائی کر رہے تھے لیکن اس نتیجے کے حاصل کرنے کے لئے ایک اچھے طریقہ کار کی ضرورت تھی جو اپنے وقت پر منکشف ہوگیا ۔

قواعد آکسفورڈ ۔ ہم یہ یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ آیا ۱۲۴۴ء کی تجویز کو فی الواقع عملی جامہ پہنایا گیا یا نہیں اگر یہ واقعہ ہے تو پھر یہ بھی صحیح ہے کہ بادشاہ بہت جلد اس سے آزاد ہوگیا ۔ اور پچھلی دغوا بازی پھر شروع کر دی اور سے چلنے لگیں ۔ اگرچہ وقفے وقفے سے اس قسم کی اصلاح کی کوششیں ہوتی رہیں تاآنکہ ... ۱۲۵۸ء

کی کوشش خاطر خواہ تھی جس سے بادشاہ پر قابو پانے کے طریقے تجویز کئے گئے۔ اس وقت ایک دستور تجویز کیا گیا جو مکمل کہا جاسکتا ہے اور یہ کم و بیش کئی مہینوں تک پورے طور پر زیر عمل رہا اپریل ۱۲۵۸ء میں لندن میں مجلس عظمیٰ کا اجلاس ہوا جس کو اس زمانہ میں رفتہ رفتہ پارلیمنٹ کا نام دیا جارہا تھا۔ اور اس سے بادشاہ نے درخواست کی کہ مالی مشکلات میں اس کی مدد کرے۔ اس زمانے میں یہ مالی مشکلات حد سے زیادہ ہوگئی تھیں اور اس کی وجہ صرف یہ نہیں تھی کہ بادشاہ فضول خرچ تھا اور بیرونی مصاحبوں پر داد و دہش کرتا تھا جو اس وقت دربار میں بہت ذی اثر تھے۔ بلکہ بادشاہ نے زبردستی اپنی مشکلات خود بڑھالی تھیں اور وہ اس طرح کہ پوپ کی طرف سے اپنے بیٹے اڈمنڈ کے لئے سسلی کا تاج قبول کرلیا تھا اور اس جزیرے کو خاندان ہوہن شٹوفن سے فتح کرنا پڑرہا تھا۔ بیرنوں نے بادشاہ کو روپیہ منظور کرنے سے انکار کردیا اور اصلاحات کا مطالبہ کیا ہنری کو سپر ڈالنی پڑی اور ضروری تغیرات کو عمل میں لانے کے لئے ۲۴ ارکین کا ایک ماموریہ مقرر کیا گیا جس میں ۱۲ آدمی بادشاہ کے اور ۱۲ بیرنوں کے مقرر ہوئے تھے اس ماموریہ نے جون میں اکسفورڈ کی مجلس عظمیٰ کے ملتوی شدہ اجلاس کے سامنے اپنی رپورٹ پیش کی اور اس وقت جو دستور اختیار کیا گیا تھا وہ "قواعد اکسفورڈ" کے نام سے موسوم ہے۔

جیسے اکثر کہا گیا ہے اس جدید دستور نے درحقیقت بادشاہی کو ماموریہ کی صورت میں بدل دیا۔ بادشاہ فی الواقع گویا معطل کردیا گیا اور حکومت میں جو بادشاہ کی جگہ تھی اس پر مجالس اور ماموریوں کے وہ سلسلے قائم ہوئے جو مجلس عظمیٰ کے سامنے ذمہ وار تھے گویہ بادشاہ کے نام سے کام کرتے تھے۔ جملہ محکمہ جات حکومت کی نگرانی کرنے اور بادشاہ پر گرفت رکھنے کے لئے ۱۵ آدمیوں کی ایک مجلس بنائی گئی جو ایک مستقل کمیٹی کے طور پر کام کرنے لگی۔ اس کے ارکین میں سے ۵ ارکین بیرنوں کی جماعت میں سے تھے۔ ۱۲ آدمیوں کی ایک دوسری جماعت علیحدہ بنائی گئی کہ یہ سال میں تین مرتبہ ۱۵ آدمیوں کی کمیٹی کے ساتھ اجلاس کرکے پارلیمنٹ کے اقتدار اور فرائض کو کام میں لائے ۲۴ آدمیوں کی پہلی جماعت اس غرض سے بحال رکھی گئی کہ وہ کلیسا کے متعلقہ مسائل پر غور کرلے۔ اس کے علاوہ ۲۴ آدمیوں کی ایک اور جماعت مقرر کی گئی جو بادشاہ کی مطلوبہ امداد کا فیصلے کرتی تھی یہ بھی طے کیا گیا کہ بڑے عالی مرتبہ عہدہ داران مثلاً صدر اعظم۔ چانسلر۔ اور مہتمم خزانہ اور

مقامی حاکمانہ عہدہ دار مثلاً شیرف کو جدید حکومت مقرر کرے اور یہ لوگ جدید حکومت کے سامنے ذمہ دار ہوں۔

آگے چل کر یہ ثابت ہوگا کہ اس جدید دستور نے اس مواد کو جس کی ۱۲۱۵ء میں خام بنیاد رکھی گئی تھی اور ۱۲۴۴ء میں اس کی کچھ توسیع ہوئی تھی بہت پھیلا دیا۔ اس نے بادشاہ کو بالکل مسلوب الاختیار کر دیا جس پر کوئی بھروسہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اور ایک ایسی حکومت مقرر کر دی جو براہِ راست پارلیمنٹ کے سامنے ذمہ دار تھی۔ اگرچہ یہ پارلیمنٹ اس زمانے میں ایسی نیابتی جماعت نہیں تھی جیسے بعد کو ہوئی مگر یہ بیرنوں کی حد تک اس طبقۂ ملت کی نائب تھی جو اس زمانے تک تنہا انصرام مملکت میں براہ راست حصہ لیتا تھا۔ جیسے پہلے بیان کیا گیا ہے ۱۲۵۸ء کا تجربہ جس کی کوشش یہ تھی کہ منشور اعظم کے تصور کو عملی اور قابلِ عمل ادارات کی شکل میں ظاہر کیا جائے تیرھویں صدی کی بڑی کامیابی ہے۔ ان معنوں میں یہ آئندہ زمانے کے لئے زمانۂ وسطیٰ کے تجربے کی ایک موثر نظیر تھی یعنے کوشش یہ تھی کہ محدود شاہی کو ایسے اداراتی قالب میں لایا جائے جو زمانۂ موجودہ کی بالواسطہ طریقۂ ذمہ داری کے برخلاف پارلیمنٹ کے سامنے بلاواسطہ ذمہ دار ہو۔

حقیقی کام کے لحاظ سے "قواعد اکسفورڈ" کچھ دیر پا ثابت نہیں ہوئے بادشاہ کو بہت جلد بیرنوں کے خلاف ایک مخالف جماعت کھڑے کرنے کا موقع مل گیا اور ۱۲۶۱ء میں اس نے "قواعد" کی آیندہ پابندی سے انکار کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ ۱۲۶۳ء کے آخر میں یہ سمجھوتہ ہوا کہ بادشاہ اور بیرنوں کے باہمی نزاعات شاہ فرانس لوئی نہم کے فیصلہ ثالثی کے سپرد کئے جائیں۔ لیکن جب شاہ فرانس نے "قواعد اکسفورڈ" کے خلاف فیصلہ صادر کیا تو اس کو بیرنوں نے نہیں مانا۔ اگرچہ شاہ فرانس نے یہ شرط قرار دی تھی کہ بادشاہ کو منشور کی پابندی کرنی چاہیئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جنگ کا سلسلہ جاری رہا۔ ۱۲۶۴ء کے موسم بہار میں جنگ لیوئس میں بیرنوں کی فوجوں نے سائمن ڈی مانٹفرٹ ارل لیسٹر کے ماتحت شاہی فوجوں پر فیصلہ کن فتح پائی اور خود بادشاہ اور اس کے بیٹے اڈورڈ کو قید کر لیا۔ سائمن نے ایک سال سے زیادہ بادشاہ کو گرفتار رکھا اور بادشاہ کے نام سے خود حکومت کی۔ یہ کام ایسا تھا کہ اس میں بہت سی مشکلیں تھیں اور اس سے پارلیمنٹ کی شروعات کے سوا کوئی دستوری ترقی عمل میں نہیں آئی۔

بیرنوں کی مخالفت ۔ ماہ اگست ۱۲۶۵ء کی جنگ ایوشام کے بعد جس میں سیمن ڈی مانٹفرٹ قتل ہوگیا اور اس کی فوج تتر بتر ہوگئی تھی اڈورڈ جس کی فوجی تدبیر سے یہ کامیابی حاصل ہوئی تھی حکومت پر حاوی ہوگیا۔ اکثر واقعات سے مترشح ہوتا ہے کہ اڈورڈ کو فریق مخالف کے تمام مطالبات کے ساتھ جو واقعی بدعنوانیوں سے متعلق تھے پوری ہمدردی تھی اور ۱۲۶۷ء میں جو "قانون مارلبرہ" پاس کیا گیا تو اس میں معتد بہ اصلاحات شریک کی گئیں اور یہ قانون تیرھویں صدی کے نصف ثانی کے عظیم الشان سلسلۂ قوانین کی پہلی کڑی ہے تاہم اس میں "قواعد اکسفورڈ" کی وہ اداراتی تبدیلیاں اختیار نہیں کی گئیں جس کا مقصد بادشاہ کے اختیارات کی حدبندی کرنا تھا لہذا اس بحرانی کیفیت کے اثرات صرف اس قدر ثابت ہوئے کہ محدود شاہی کا خیال بالکل تازہ ہوگیا اور اس کو عمل میں لانے کی گو چند دنوں کے لئے سہی ایک مثال قایم ہوگئی ۔ ان واضح نتائج کے علاوہ ایک اور چیز بھی یاد رکھنی چاہئے اور وہ مخالفت کا وجود ہے جو بیرن بادشاہ کے ساتھ کرنے لگے تھے ۔ اگرچہ یہ چیز بہت کم محسوس ہوتی تھی لیکن کم موثر نہ تھی ۔ اس سے مراد جاگیردار بیرنوں کی مخالفت نہیں ہے جو شاہی اقتدار سے باہر نکل کر اپنی چھوٹی علداریوں میں آزاد ہونا چاہتے تھے ۔ بلکہ ایک بڑے طبقے کی مخالفت مراد ہے جس میں ایک مجموعی وحدت کا نمایاں جذبہ پایا جاتا تھا اور تمام ملت محکوم کی نمایندگی کا مدعی تھا ۔ اور نیز مدبیر مملکت اور مرکزی نظم ونسق کے انصرام میں اپنے خاص حقوق کا طلبگار تھا ۔ ہنری سوم اور اس کے جانشینوں کے عہدہائے حکومت میں بیرنوں کی جو کشمکش ہوی اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بیرن محض خود غرضانہ طور پر خود اپنا جلب منفعت چاہتے تھے اور موقتی فائدے کے علاوہ کوئی بہت بڑا مدعا ان کے ذہن میں نہیں تھا ۔ مگر بات یہ ہے اسی مخالفت کی بدولت بادشاہ کو قابو میں لانے کی بہت سی نظیریں جمع ہوتی گئیں اور قانون اور آئینی وثائق میں بعض عظیم الشان دستوری اصول مدون ہوگئے ۔ بیرنوں کی مخالفت میں اگرچہ آخری انجام کار کی کوئی پیش بینی نہ تھی اور وہ اپنی تدابیر کے صحیح مفہوم سے بہت کم واقف تھے تاہم اس سے دستور کی حفاظت ہوگئی اور پارلیمنٹ کے آنے تک دستور میں ایک جان پڑ گئی یہ پارلیمنٹ انجام کار کیے دیکھنے میں اسی طرح قاصر تھی جیسے خود بیرن تھے ۔ لیکن اس کی حکمت عملی میں استقلال اور تسلسل تھا اور یہ دستور کی حفاظت اور ترقی کے لئے تیار تھی

جاگیروں کے اثرات کا زائل ہونا۔ ان عظیم الشان دستوری نتائج کے علاوہ جو اس عہد میں بادشاہ اور بیرنوں کی باہمی کشمکش کی بدولت ظہور میں آئے تھے۔ بے شمار چھوٹی چھوٹی تبدیلیاں بھی واقع ہوئیں۔ جن کی اہمیت ناقابلِ فراموش ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جس میں سیاسی جاگیریت جلد جلد زائل ہو رہی تھی۔ سلطنت ہر طرف سے بیرنوں کی خدمات سے بے نیاز ہو رہی تھی حالانکہ یہ خدمات ایک زمانے میں انصرام حکومت کے لئے ناگزیر تھیں۔ فوجی جاگیری خدمت بھی جو ایک زمانے میں مملکت کا بڑا سہارا تھی اب غیر ضروری ہو کر رہ گئی تھی۔ اس کی بجائے تنخواہ یاب سپاہیوں کی بہت قدر ہونے لگی تھی اور ان بیرنوں اور ان کے خدام سے زیادہ فائدہ اٹھایا جا رہا تھا جو اگرچہ بالکل تنخواہ یاب سپاہی نہ ہوں مگر اپنی خدمت کی جاگیری میعاد ختم ہونے کے بعد تنخواہ لے کر میدان میں ٹھہرتے تھے۔ اس خدمت کی قدر و قیمت اس قدر گھٹ گئی تھی کہ اب بیرنوں سے بہت کم مطالبہ ہوتا تھا کہ اپنے ذمے کی فوجیں، پوری کی پوری میدان میں لائیں۔ اور اس قسم کی جلد جلد نظیریں قائم ہو رہی تھیں کہ اگر بیرن اپنی معینہ تعداد مبارزاں میں سے ایک مختصر تعداد بھی بہم پہنچا دیں تو ان کی ذمہ داری پوری ہو جاتی ہے۔

جاگیرداروں کی عدالتی خدمت میں جو تغیر ہو رہا تھا وہ بھی اسی تیزی سے ہو رہا تھا۔ اگر مجلس عظمیٰ کی عدالتی حیثیت دیکھی جائے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کی معیار رکنیت اور طریقۂ کارروائی جوں کی توں رہی۔ اور یہی بات چھوٹی کونسل پر بھی جبکہ وہ بطور عدالت کے کام کرتی تھی صادق آتی ہے۔ یہ عدالتی مجلسیں اب تک اسی حالت میں تھیں جیسے جاگیری زمانے میں تھیں۔ لیکن جب ہم جدید عدالتی ادارات اور کونسل کی دوسری شاخوں پر غور کرتے ہیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ جن خطوط پر بارھویں صدی میں ترقی شروع ہوئی تھی انہی خطوط سے یہ ترقی برابر سرعت کے ساتھ آگے بڑھتے جاتی تھی۔ پیشہ ور عادل ان جدید عدالتوں کے لازمی اجزا ہو گئے تھے اور بیرنی مجلس کا پرانا نظریہ از یاد رفتہ افسانہ ہوتا جا رہا تھا۔ یہ ادعا بھی باقی نہ تھا کہ یہ عدالتیں بیرنوں کے لئے عدالتہائے امرا کے طور پر کام دیں گی۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ چیز چھوٹی یا بڑی کونسل کے کسی نہ کسی شکل میں پوری ہو جاتی۔ شغلوں کی کثرت اور نالشات کی تفریق اور منفصلہ مقدمات کی کثیر تعداد کی وجہ سے قانون عرفی بہت ترقی کر گیا تھا۔ اور زمانہ سابقہ کے

برخلاف اب اس کے لئے خاص معلومات کی ضرورت تھی۔
قانون عرفی پر دوسرا بڑا مقالہ برکٹن (Bracton) کا ہے جو اس صدی کے قریب قریب وسط میں لکھا گیا ہے۔ اگرچہ اس میں پہلے مقالے گلینویل کے عام اسلوب کی تتبع کی گئی ہے لیکن یہ حجم میں اس سے کہیں زیادہ ہے۔ اس مقالہ میں ایک بہت ترقی یافتہ قانون پیش کیا گیا ہے اور مفصلہ مقدمات کی سیکڑوں نظائر گنائے گئے ہیں۔ لیکن بادشاہ کے اختیارات خصوصی کے صریح مظہر ہونے کی وجہ سے قانون عرفی کی اشکال میں اب تک جو لچک اور اقسام مقدمات پر منطبق ہونے کی قابلیت تھی وہ زائل ہو رہی تھی۔ اور قانون عرفی اب جامد ہو رہا تھا اور اس کا مقتضا یہ تھا کہ ہر جدید مقدمے کو اگر قانون عرفی کی عدالت میں دائر کرنا ہو تو اس کے معینہ دفعات کے تحت لانا چاہئے۔ ان عدالتوں کے نقصان کی تلافی کرنے کے لئے چھوٹی کونسل نے نہایت کشادہ دلی کے ساتھ عام عدل گستری کا کام شروع کر دیا تھا کہ خاص مقدمات کی دادرسی کے لئے بادشاہ کے پاس عرضداشتیں پیش کی جائیں تاکہ اس طریقے سے زیادہ آزادی کے ساتھ بادشاہ کے آلۂ اختیار خصوصی کا کام دیں کیونکہ ہر شخص کے لئے انصاف کرنا بادشاہ کا کام ہے۔ اس طرح طریقہ چانسری اور قانون نصفت کی ترقی کا راستہ پڑ گیا۔ ضابطۂ فوجداری میں "آزمائش غیبی" کو (جو جوری کے قرارداد الزام کو جانچنے کا ذریعہ تھا) چھوڑنے سے ایک بہت بڑا تغیر شروع ہو گیا۔ اور یہ کلیسا کے مخالفانہ فیصلے کی پیروی تھی۔ لیکن عدالتیں اب تک ایک ایک چیز کو ادل بدل کر تجربہ کر رہی تھیں۔ اور دوسری جوری یعنے بڑی یا الزامی جوری اور چھوٹی جوری کے موجودہ نظام کو صورت گیر ہونے کے لئے ایک اور صدی کی ضرورت تھی۔ اس عہد کے دوران میں ششماہی عدالتوں (Assizes) اور خاص طور پر ایسے عاملوں کا جو ان عدالتوں کے لئے عارضی طور پر مقرر کئے جاتے تھے بہت رواج ہو رہا تھا۔ برخلاف اس کے مرکزی گشتی عدالت وسیع تر دائرہ اختیار کے ساتھ وقتاً فوقتاً صوبوں میں دورہ کرتی تھی اور عرضے تک نصفت کے اختیار خصوصی کو بھی استعمال کرتی تھی کیونکہ اس کے متعلق خاص طور پر یہ سمجھا جاتا کہ یہ بادشاہ کی خاص طور پر نیابت کرتی ہے۔ عدالت اور قانون کی یہ تمام ترقیاں جاگیری اثر سے آزاد تھیں یا اگر اثر تھا بھی تو بہت ہی موہوم سا تھا۔
اسی طریقے سے جاگیرداروں کے خانگی اختیارات عدالت کی سمت میں بھی

صاف معلوم ہوتا تھا کہ جاگیری اثر اور جاگیری مفاد زائل ہو رہا ہے ۔ اس انقلاب کے نتائج جو ۱۲۵۸ء میں قواعد اکسفورڈ کے بننے کے باعث ہوئے ہیں ۔ خانگی اختیارات عدالت پر بہت کچھ روشنی ڈالتے تھے لیکن یہ ظاہر ہے کہ اس زمانے کی غرض و غایت اس سے مختلف تھی جو ۱۲۱۵ء کے منشور میں ظاہر کی گئی تھی ۔ اس وقت بیرنوں کا مقصد یہ نہیں تھا کہ بادشاہ سے اپنی آزادی قایم رکھیں یا اپنی سیاسی حیثیت کو بچائیں بلکہ ان کا مقصد بالکل مالیاتی تھا ۔ سب سے بڑی بحث انتظام عدالت اور سماعت مقدمات کے متعلق تھی اور یہ بادشاہ اور بیرنوں کے درمیان نہیں بلکہ بیرنوں اور ان کی عدالتوں کے اہل معاملہ کے مابین تھی ۔ اہل معاملہ اپنے آپ کو اس انتظامِ عدالت سے علحدہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے اور بیرنوں کو اپنے حقوق کے بچاؤ میں بڑے مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا ۔ یہ تنازع اکثر و بیشتر ان عدالتہائے عامہ سے متعلق تھا جو خانگی ہاتھوں میں تھیں اور ممکن ہے اس کارروائی کا بہت پہلے سے سلسلہ پڑ گیا ہو ۔ چنانچہ اس صدی کے آخر میں اس نے عدالتی اختیارات خانگی یا بیرنی یا دوسرے الفاظ میں جاگیری عدالتی اختیارات کا خاتمہ کر دیا یہاں تک کہ بیرنی عدالت برائے نام اور اس کے اختیارات صرف خیالی ہو کر رہ گئے ۔ اس کا باعث دراصل بادشاہ کے اختیارات قانون عرفی کی ترقی تھی جس کے خلاف منشورِ اعظم کے دفعہ (۱۸) نے قدیم جاگیری قانون کی طرف توجہ دلائی تھی ۔ جو بے فائدہ ثابت ہوئی باب ۱۸ میں مقدمات قبضہ آراضی کی جو منظوری دی گئی تھی وہ ایک جھلک رعایت تھی اور بیرنی عدالت کے لئے ممکن نہ تھا کہ شاہی عدالتوں کے مستحکم اور باضابطہ عدل گستری کے مقابلے میں اپنا قدم جما سکے ۔ نیز ان عدالتہائے عامہ کے خلاف جو بیرنون کے قبضے میں تھیں بادشاہ نے پہلے ہی سے تحقیقات وثایق (Qus warrents) کی کارروائی شروع کر دی تھی ۔ اس میں امر کو قانونی شہادت سے یہ ثابت کرنا ہوتا تھا کہ انھوں نے کس حق کی بناء پر عدالت پر قبضہ کیا ہے ۔ اور اسی کارروائی کی بدولت آیندہ عہد حکومت میں اس قسم کی بہت سی "آزادیاں" مملکت کے مقامی اختیارات عدالت میں ضم ہو گئیں ۔

انتظامی تبدیلیاں ۔ انتظامی ادارات کے شعبے کو دیکھو تو اس میں بھی نظام جاگیری سے موجودہ طریق نظم و نسق کی طرف اسی طرح تحویل ہو رہی تھی جس طرح دوسرے

شعبوں میں تھی۔ لیکن یہاں ایسی وضاحت ممکن نہیں ہے جیسے دیگر مضامین میں ہو سکتی ہے کیونکہ تیرھویں صدی کی تاریخ نظم ونسق کا اب تک پورے طور پر مطالعہ نہیں ہوا ہے تاہم ہم کو ہنری کے عہد میں ان تغیرات کے شروعات ملتی ہیں جن کے اگلے مدارج سے ہم زیادہ واقف ہیں۔ جس طرح فوجی مشروط الخدمت میں افواج مملکت کے جاگیری عطیات تھے اسی طرح سارجنٹیاں نظم ونسق کے جاگیری عطیات تھیں۔ سارجنٹی کی مشروط بخدمت کا رقمی ادائیوں کی صورت میں منتقل ہو جانے سے جو بہت ہو رہا تھا اور جس کو تاجر (Arrentation) کہتے تھے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مملکت کو محض جاگیری خدمات سے بہتر جو انتظامی ضروریات کے لئے دوسرے خدمات مل رہی تھیں اسی طرح شاہی محل کے بڑے بڑے عہدوں کا نام اعزازی خطابات میں آہستہ آہستہ بدل رہے تھے، اور اصلی فرائض ماتحتین انجام دینے لگے تھے جو محل کے حقیقی ملازم ہو گئے تھے۔ اگرچہ چانسلر اور مہتمم خزانہ جیسے چند عہدہ داروں میں ایک دوسرا تغیر ہوا تھا کہ یہ پہلے سے زیادہ کارآمد عہدہ دار ہو گئے تھے مگر اس تغیر کے بھی یہی معنی ہیں۔

ایک تفریق جو اس عہد میں آہستہ آہستہ ہو رہی تھی جس کا اب تک پورے طور پر مطالعہ نہیں ہوا ہے وہ چھوٹی کونسل کا زمانۂ مابعد کی جماعتوں میں تقسیم ہونا ہے یعنی عدالت شاہی (King's Bench) عدالت نصفت اور انتظامی یا مجلس صلاح کار ہے۔ اس طرح یہ عدالتی اور انتظامی دونوں قسم کی تبدیلی تھی۔ یہ زمانۂ مابعد کی کونسل جہاں تک اس کے فرائض اور درجے کا تعلق ہے، سابق کونسل کے ساتھ ساتھ جاری رہی ہم یہ بھی یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ کونسل حسب حال رہی یعنے اگرچہ اس نے چند فرائض کی خاص انجام دہی کو جدید جماعتوں کے سپرد کر دیا مگر اس کو اختیار رہا کہ جب چاہے وہ اپنے فرائض کو اپنے قبضے میں لے لے۔ کیونکہ یہ بادشاہ کے اختیار خصوصی کا گویا ایک آلہ تھا۔ بحیثیت مجلس انتظامی کے کونسل میں جو تبدیلی ہنری سوم کے عہد میں ہوئی وہ یہ ہے کہ اس کے مشیرانہ فرائض میں بہت زور پیدا ہو گیا، یعنے ایک بادشاہ کو مشورہ دینے کا فرض اور دوسرے تدبیر مملکت کی رہنمائی میں خاطر خواہ حصہ لینا۔ اس مفہوم میں رکن مجلس کا ایک جداگانہ عہدہ بن گیا جس کے تقررات بہت احتیاط سے کئے جاتے تھے اور عہدے کا حلف بھی مقرر تھا گو یہ ظاہر ہے کہ کوئی صلاح کار کونسل علیحدہ نہیں بنائی گئی تھی۔

ایڈورڈ اول جس نے عرصے تک امور سلطنت میں بطور کارآموز کے کام کیا تھا ۱۲۷۲ء میں اپنے باپ ہنری کا جانشین ہوا۔ اس کا ۳۵ سالہ عہد حکومت اسی تعمیری کام کی وجہ سے عظیم الشان حکومتوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ جو انگلستان کی سیاسی اور دستوری دونوں تاریخوں میں عمل میں آیا۔ اس عہد کے دستوری شعبے میں ہم کو دو موضوع ملتے ہیں جو بہ لحاظ اہمیت دوسرے موضوعات سے بڑھ چڑھ کر ہیں۔ ایک قانون عرفی اور عدالتی ادارات کی ترقی اور دوسرے پارلیمنٹ کی شروعات اور اس کا ارتقا۔ اس باب میں ہم دونوں موضوع پر بحث کرتا ہے۔

ایڈورڈ کو انگریز جسٹی نین کے لقب سے موسوم کیا جاتا ہے اور ایک مفہوم میں یہ نامناسب بھی نہیں ہے لیکن اس لقب میں اتنے وسیع معنی نہیں ہیں جتنے اسے پہنائے جاتے ہیں۔ جسٹی نین جس قانونی جدوجہد کے لئے خاص طور پر مشہور ہے وہ صرف ضابطہ سازی ہے، جدید ترقی نہیں، لیکن اڈورڈ میں ہم کو یہ دونوں اسباب شہرت نظر آتے ہیں۔ اگرچہ اڈورڈ کے عہد کے پہلے نصف حصے میں جو بڑے بڑے قوانین کا سلسلہ تیار ہوا وہ سب کچھ قانون عرفی کی سابقہ ترقی کی ضبط تحریر پر مشتمل تھا اور وہ کچھ اس طریقے سے کہ ہم اس کو صحیح طور پر ضابطہ سازی کہہ سکتے ہیں بشرطیکہ اس لفظ کے معنی بہت تنگ اور محدود نہ سمجھے جائیں۔ لیکن جن قوانین کو ضبط تحریر میں لایا گیا وہ سب کچھ محض عدالتوں کا بنایا ہوا مجموعۂ قانون نہیں تھا جو اس وقت رائج تھا۔ بلکہ دراصل ان امور کا ایک سلسلہ تھا جو اس عہد کی عمل ترقی کی ترجمانی کرتا تھا۔ لیکن ان امور کا اثر ایک طرف قانونی اور دوسرے طرف عدالتی ادارات پر اس قدر حاوی تھا کہ یہ دونوں زمانۂ سابق کے مرادف تھے اور ان قوانین کو آیندہ ترقی کا ایک ابتدائی زینہ بنا رہے تھے۔ تاہم اکثر قانون موجہ جو براکٹن میں ہم کو نہایت واضح اور روشن حالت میں ملتا ہے اور جو قانون عرفی کے آئندہ مجموعے میں جاری رہتا ہے اس کا قوانین موضوعہ میں کوئی وجود نہیں۔ اور ان قوانین کا اکثر حصہ ایسا ہے جو یا تو براکٹن میں نہیں پایا جاتا یا براکٹن کے قانون کو ایک درجہ آگے بڑھا دیتا ہے۔

لفظ "قانون موضوعہ" (Statute) ایڈورڈ کے زمانے میں ہر نوع ضابطہ کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ جو حکومت کے اختیار سے جاری ہو اور وہ ہی سمجھا جائے

اور اس بات کے کسی حوالے کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی تھی کہ یہ کس طریقے سے وجود میں آیا ہے۔ چنانچہ اس کے کوئی خاص معین اور اصطلاحی معنی نہیں تھے جو بعد کو پیدا ہوئے۔ آگے چل کر یہی نام ایسے ہی ضابطوں کے لئے اختیار کر لیا گیا۔ اور یہ کچھ نامناسب بھی نہیں تھا کیونکہ قانون کی ترقی پر ان کا خاصہ اثر تھا۔ مگر ہر صورت میں یہ نہیں فرض کرنا چاہئے کہ ہر موضوعہ قانون اس زمانے کی ابتدائی پارلیمنٹ نے وضع کیا ہوگا۔ ان معنوں میں قوانین موضوعہ کی ایک طویل فہرست ہے جو پہلے بیس سال کے دوران میں پاس ہوئے۔ قانون موضوعہ ویسٹ منسٹر اول اپنے مقام سے موسوم ہے جہاں یہ وضع ہوا۔ یہ ۱۲۷۵ء میں بنا۔ یہ ایسا جامع ہے کہ اکثر امور پر حاوی ہے۔ دوسرے سال قانون ریگمین (Rageman) کے نام سے اس کا ضمیمہ نکلا۔ قانون گلوسسٹر ۱۲۷۸ء میں پاس ہوا جو السائز عدالتوں اور تحقیقات وثائق کی کارروائی سے متعلق ہے۔ قانون دست مردہ (Mortmain or *De viris religiosis*) ۱۲۷۹ء میں بنا۔ قانون اکٹن برنل یا قانون تجاراں ۱۲۸۳ء میں بنا اس میں اس رواج کو قانونی کی شکل میں لایا گیا تھا جو اکثر مقامات میں مروج تھا کہ تاجروں کے وصول طلب قرضے درج رجسٹر ہونے چاہئیں تاکہ قانونی تصفیے کے بعد یہ بہت جلد وصول ہو جائیں۔ قانون ویلز اور قانون رہڈلن (Rhuddlan) ۱۲۸۴ء میں بنے۔ متقدم الذکر نے قانون عرفی کو ملک ویلز میں جاری کیا۔ اور دوسرے کا منشا یہ تھا کہ قانون عرفی کے مقدمات کی سماعت عدالت خزانہ میں نہ ہونی چاہئے۔ بشرطیکہ ان سے بادشاہ کو براہ راست تعلق نہ ہو۔ قانون ویسٹ منسٹر دوم، قانون ونچسٹر اور (*Circumspecte agatis*) ۱۲۸۵ء میں بنے۔ متقدم الذکر قانون سے جو اراضی اور دیگر مضامین سے بحث کرتا ہے اور دوسرا اسلحہ اور کوتوالی سے متعلق ہے اور تیسرا مذہبی عدالتوں کا دنیوی عدالتوں سے تعلق ظاہر کرتا ہے۔ قانون ویسٹ منسٹر سوم یا قانون انتقال اراضی (*Quia emporters*) ۱۲۹۰ء میں بنا۔

"سختہ جات ہنڈریڈ" تخت پر بیٹھتے ہی ایڈورڈ نے اس تحقیقات کا کام سرعت سے از سر نو آغاز کیا جو اس کے باپ کے زمانے میں شروع ہوا تھا مگر اس کو اپنے تک نہیں پہنچایا گیا تھا۔ تمام سلطنت کے طول و عرض میں اس نے عمال روانہ کئے تاکہ ہر مقامی حلقے میں اس زمانے کی مخصوص کارروائی کے مطابق اس بات کی تحقیق کریں

کہ خانگی روساء کے ہاتھ میں کس قسم کے "حقوق" یا اختیارات ہیں جو عام معدلت گستری کے راستے میں خارج ہوتے ہیں۔ اس تحقیقات کا مواد "تختہ جات منڈریڈ" (Hundred Rolls) میں جمع کیا گیا ہے۔ مقامی روداد کا یہ مجموعہ تیرھویں صدی کے لئے اس قدر اہم ہے۔ جس قدر تحقیقات کتاب بندوبست گیارھویں صدی کے لئے اہم ہیں۔ تحقیقات وثایق Qus warrants کی تمام کارروائیاں انھیں تختہ جات پر مبنی ہیں۔ ان کی پہلی شکل قانون گلوسٹر سے وجود میں آئی۔ اس میں ماموروں کو یہ حق دیا گیا تھا کہ ملک میں دورہ کریں۔ اور رؤسا سے یہ دریافت کریں کہ وہ کس حق کی بناء پر عوام کی معدلت گستری کے فرائض انجام دینے کے مدعی ہیں۔ بریکٹن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات انگریزی قانون میں مستحکم ہو چکی تھی خواہ قبضہ کتنا ہی طویل کیوں نہ ہو بادشاہ کے خلاف حق بر بنائے قدامت نہیں پیدا ہو سکتا۔ جن قانون دانوں نے ماموروں کے روبرو بادشاہ کی نیابت کی انھوں نے اس بات پر زور دیا کہ بیرنوں کو عطائے "استحقاق" کے متعلق فرمان یا یا کوئی دوسری قانونی شہادت پیش کرنی چاہئے ورنہ یہ حقوق بادشاہ کے طرف عود کر جائیں گے۔

مشکل سے کوئی صورت ایسی ہوگی جن میں مطلوبہ ثبوت پیش ہو سکا اور اس تحقیقات کی بیرنوں نے بڑی سخت مخالفت کی۔ تاہم اڈورڈ کو نہ اس کی پروا تھی اور نہ اسے عقلمندانہ فعل سمجھا کہ جو اسے حاصل ہو چکا تھا اس پر اضافہ کرنے کی کوشش کرے ۱۲۹۰؁ء میں اس نے یہ تسلیم کر لیا کہ رچرڈ اول کی تخت نشینی سے ایک صدی کا طویل تصرف حقیت کا کافی ثبوت ہے۔ اگرچہ اکثر و بیشتر صورتوں میں مقامی عدالتی اختیارات خانگی قبضے سے نہیں چھوٹ سکے مگر کم از کم اس بات پر سختی سے زور دیا گیا کہ یہ حق عطائے شاہی کے تابع ہے اور اس حق کے استعمال میں مملکت کا حق افضل ہے اس کے علاوہ حدود و اختیارات جو غصب کئے جا سکتے تھے اور جدید پیدا ہوتے تھے ان کا سدباب کر دیا گیا۔ ان اصولوں کے مطابق تحقیقات کا اس قدر کامیابی کے ساتھ عمل میں آنا خود ظاہر کرتا ہے کہ اس وقت سے جب سے ہنری دوم نے اپنی اصلاحات شروع کی تھیں سو سال کے دوران میں نظام عدلیہ یعنے قومی معدلت گستری کے اصول اور مملکت کے اراضی اور ان کی وسعت میں عظیم الشان ترقی ہو رہی تھی۔ یہ بات غور طلب ہے کہ یہ کارروائیاں

عدالتہائے ملک یعنے عدالتہائے ہنڈریڈ سے متعلق تھیں جو خانگی قبضے میں تھیں۔ اور ان میں بالعموم ایسے امور بھی شامل ہوتے تھے جیسے ضمانت امن (Frank pledge) شاہی تنقیح جات کا اجرا اور مقدمات (شاہی فوجداری) (Pleas of the Crown) کی سماعت ملزم کی سزا اور اکثر صورتوں میں سنگین سزا یا ایسے مقدمات میں جرمانوں کی تحصیل اور ان کا تصرف مینروں کے مخصوص حدود اختیار جن کا تعلق ان کے معاشی مفاد سے تھا، جوں کے توں باقی رہے اور یہ امریکہ کے توطن کے بعد وہاں کی نوآبادیوں تک میں موجود تھے۔ اسی طریقے سے ٹمیٹ بیرنی یا جاگیری عدالتی اختیارات بھی علیٰ حالہ باقی رہے لیکن وہ اس قدر گھٹ گئے تھے کہ صرف چھوٹے معافی داروں کے مقدمات کی جن کا رتبہ مینر سے زیادہ نہیں تھا سماعت کرتے تھے اور عدالت مینر کے ساتھ مل کر کام کرتے تھے۔ اس کی گزشتہ عظمت کی دو یادگاریں باقی رہ گئی تھیں۔ ایک تو اس کا نام تھا "عدالت بیرنی" دوسرے یہ قاعدہ تھا کہ مقام عدالت کے لئے کم از کم دو معافی دار ضروری ہیں کیونکہ غیر آزاد آسامی جاگیری اسامی کا کام انجام نہیں دے سکتے تھے گو یہ واقعہ ہے کہ حقیقی جاگیری آسامی اب شریک نہیں ہوتا تھا۔

قوانین اراضی۔ ایڈورڈ کی تمام قانون سازی میں قوانین اراضی کا پلہ بہت بھاری ہے کیونکہ آئندہ زمانے پر ان کا گہرا اثر ہے اور یہ آج تک قریب قریب اسی شکل میں قائم ہیں جس میں وہ مرتب کئے گئے تھے۔ یہ قوانین ان بیشمار مسائل کو سلجھانے کی غرض سے مرتب کئے گئے تھے جو نظام جاگیری کے زوال سے ظہور میں آئے تھے۔ اس زوال کا نتیجہ یہ تھا کہ اراضی کے معاشی اغراض باقی تھے اور سیاسی اغراض غائب ہو چکے تھے۔ ایڈورڈ کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ اس قانون سازی سے اس کا مقصد یہ تھا کہ امارت کا زور توڑ کر شاہی طاقت مضبوط کرے اور اس نے سیاست اور قانون میں اس قدر گہری بصیرت پائی تھی کہ اس کے متعلق ہم اچھی طرح یقین کر سکتے ہیں کہ وہ دیگر سلاطین سے بہت زیادہ اس معاملے کو سمجھتا تھا کہ آخری نتیجہ اس کے لئے مفید ہوگا لیکن یہی مسائلِ جاگیریت کے زوال کے ساتھ یورپ کی اکثر سلطنتوں میں بھی پیدا ہو چکے تھے اور اسی طریقے سے حل کئے گئے تھے چنانچہ اس میں کوئی شک نہیں کہ انگریز مقنن ان مسائل سے باخبر تھے اور ایڈورڈ کے پیدا ہونے کے پہلے ہی انھوں نے اس کے حل کرنے کی کوشش کی تھی۔

اس تبدیلی سے جو جاگیری تعلقات سے زمانۂ حال کے تعلقات کے طرف عمل میں آ رہی تھی ان اسامیوں کا جو "خدمتگزار جاگیر" کے قابض تھے علانیہ فائدہ ہو رہا تھا اور جاگیردار کا نقصان۔ جاگیری قانون کی نظر میں ایک اسامی محض اسامی تھا اور اس قانون کی غلط تاویل کی وجہ سے اس کو مالک کے کوئی حقوق نہیں دیئے جاتے تھے۔ یہ اس زمانے کا قوی میلان تھا کہ اسامی ہی کو مالک سمجھنا چاہئے اور اس کو مالک کے جملہ حقوق دینے چاہئیں اور تیرھویں صدی شروع ہوتے ہی یہ میلان زیادہ قوی ہو گیا۔ یہ میلان آخر میں بارور تو ہوا مگر ایڈورڈ کی قانون سازی اس کے خلاف ایک ردِ عمل ثابت ہوئی، اور ردِ عمل بھی ایسا تھا کہ اس کی وجہ سے انگریزوں کے قوانین الاراضی پر آج تک جاگیری اثر قائم ہے اور اس سے زیادہ ہے جو دوسرے ممالک میں پایا جاتا ہے چونکہ پارلیمنٹ بڑے بڑے بیرنوں کے ہاتھوں میں تھی اس لئے یہ لوگ بادشاہ کے ذریعے سے (جو سب سے بڑا زمیندار تھا) ایسے قوانین منوا لیتے تھے جن سے ان کا فائدہ ہوتا۔ اس بات کے سمجھنے کے لئے کہ قانون اراضی کی کس طرح ابتدا ہوئی اور اس کے ارتقا کے منازل کیا ہیں اور پھر قانون کے دوسرے پہلو کیا ہیں جو انیسویں صدی تک اس سے پیدا ہوئے تو یہ بات ضرور یاد رکھنی چاہئے کہ قانون داں اصحاب اور عدالتیں اسامیوں کے ساتھ خاص ہمدردی رکھتی ہیں اور یہ سمجھتی تھیں کہ اسامیوں کو بھی اراضی کے ساتھ من مانے تصرف کرنے کا حق حاصل ہے اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ قانون اراضی کی ترقی گویا مقننہ اور عدالتوں کے مابین ایک طرح کا مجادلہ تھا۔

قانون سازی کے مدارج پہلے درج کر دئے گئے ہیں۔ اب یہاں ہم ان مدارج کا لحاظ کئے بغیر آسان مسائل کو چھوڑ کر پیچیدہ مسائل حل کرنے کے لئے آگے بڑھیں گے۔ جوں جوں معاشی منفعت یعنے آمدنی کی طرف زیادہ توجہ بڑھتی گئی زمیندار کی نظر میں جاگیری لوازم یعنے نذرانہ، تولیت، ازدواج، بازگشت کی قدر و قیمت بھی بڑھتی گئی۔ اصل جاگیریت میں ان لوازم سے کبھی معاشی فائدہ مقصود نہیں ہوتا تھا بلکہ ان سے یہ بات ثابت ہوتی تھی کہ زمیندار مالک ہے اور وابستہ ایک اسامی۔ بازگشت اس وقت عمل میں آتی تھی جب کہ وابستہ کی نسل ختم ہو جاتی یا وہ کسی سنگین جرم کی سزا پاتا۔ بازگشت کو اس وجہ سے خاص اہمیت تھی کہ اس سے تمام جاگیر مع اپنی تمام مالیت کے زمیندار کے قبضے میں عود کر جاتی تھی۔ اس کے بعد منفعت کے اعتبار سے تولیت کا درجہ ہے کیونکہ اس سے وارث کی کمسنی کے دوران

میں زمیندار کو جاگیر کی تمام آمدنی حاصل ہوتی تھی، صرف شرط یہ تھی کہ وہ وابستہ کی اولاد کی تعلیم و تربیت ان کی حیثیت کے مطابق کرے حقِ ازدواج تولیت میں داخل تھا لڑکی کے وارث ہونے کی صورت میں یہ مسئلہ درپیش ہوتا تھا اور قسمت سے جب اچھی بولی لگ جاتی تو اس کی مالیت کے قریب قریب آمدنی ہو جاتی۔ سب سے کم اہمیت نذرانے کی تھی لیکن اس سے بھی ہر پیڑھی میں ایک مرتبہ جاگیر کی یکسالہ آمدنی حاصل ہو جاتی تھی۔

انتقالِ اراضی — سب سے آسان مسئلہ وہ تھا جب کہ معطی لہم اپنی خواہش سے کلیسا اور خانقاہ کو اپنی کل یا کچھ زمین دیتے تھے اور یہ قرون وسطیٰ میں اکثر معطی لہم کرتے تھے کلیسا اور خانقاہ کے لئے تو کوئی موت ہی نہ تھی نہ اس کی شادی ہوتی تھی چنانچہ بازگشت، تولیت، ازدواج یا نذرانہ جیسے جاگیری اتفاقات کی کبھی کوئی صورت پیش نہیں آتی تھی جس سے زمیندار کا فائدہ ہوتا۔ زمین گویا ایک مردہ ہاتھ میں چلی جاتی تھی یعنی "دستِ مردہ" کو عطا کر دی جاتی تھی۔ اس کا ایک بہت آسان علاج تھا جو تمام یورپ میں اختیار کیا گیا۔ "قانون دستِ مردہ" اس قسم کی انتقالِ اراضی کو قطعاً مسدود کر دیا کہ ایسا انتقال معطی لہ اعلیٰ کی صریح رضامندی کے بغیر ممکن ہی نہیں اور اس کے خلاف ورزی کی صورت میں ضبطی کی سزا مقرر کی گئی۔ اگر اس پر عمل ہوتا تو ظاہر ہے کہ بہت آسان علاج تھا لیکن اس کے لئے کثرت سے اجازے دے جاتے تھے اور پھر اس قانون نے خود ایسے طریقے پیدا کئے جو قانون دانوں کی معنی آفرینی اور عدالتوں کی عیاری سے ملکر اس تمام قانون سازی پر پانی پھیر دیتے تھے۔

جس مسئلے کو قانونِ انتقالِ اراضی حل کرنا چاہتا تھا وہ اس سے بہت الجھا ہوا تھا۔ ابتدائی جاگیریت نے ذیلی انتقالات کے عمل کو روکنے کی طرف کبھی توجہ نہیں کی بلکہ ہر معطی لہ کو یہ آزادی تھی کہ خود اپنی جاگیر کے حصے بہ ماتحت جاگیردار پیدا کرے جو معطی کو بالا دست جاگیردار سمجھے اور وہ خدمات انجام دے جو خود اس کی جاگیر کے لئے مشروط تھیں حقیقتاً نظامِ جاگیری کا اصول یہی چاہتا تھا کہ جہاں تک ہو سکے یہ کارروائی جاری رہے بشرطیکہ سلطنت کے کاروبار کا پورے طور پر لحاظ ہوتا ہو۔ یہ مسئلہ اس وقت اس وجہ سے پیدا ہوا تھا کہ جاگیری تعداد میں بڑا فرق پڑ گیا تھا۔ فرض کرو کہ [illegible] جاگیردار ہے جو اپنے اراضی کا ایک حصہ عطا کرتا ہے [illegible]

کی بازگشت ہو جائے یا اس کے سلسلے میں تولیت واقع ہو تو ا کو اس تمام حصے کے منافع سے ہاتھ دھونا پڑے گا جو ج کے قبضے میں ہے ۔ وہ صرف ان خدمات کا دعوے کرسکتا ہے جن کے معاوضے میں ج نے ب سے اراضی حاصل کی تھی اور یہ خدمات مالیت یا دگان کے اعتبار سے بہت کم تھیں قانون انتقال اراضی کے ذریعے سے بالادست جاگیرداروں نے یہ کوشش کی تھی کہ کم از کم ایک حد تک اپنے آپ کو اس نقصان سے بچائیں ۔ اس میں یہ طے پایا کہ اوپر کی مثال میں اور ایسی تمام صورتوں میں ب خوشی سے اپنی آراضی منتقل کرسکتا ہے مگر جب وہ آراضی منتقل ہو جائیں تو ج ب کے ماتحت نہیں بلکہ ا کے ماتحت ہوگا اور وہ ا کو ب کی خدمات کا حصہ ادا کرے گا جو ب کی اراضی میں سے اس کو حاصل ہیں ۔ یعنے دوسرے الفاظ میں اس قانون کے معنی یہ ہیں کہ ذیلی انتقالات سے جو حقیتیں وجود میں آئیں ان کے تمام جاگیری لوازم ب کی طرف نہیں بلکہ اس کے بالادست جاگیردار ا کے طرف منسوب ہوں گے اصولاً انہیں جاگیردار کو نقصان سے بچنے کے اس سے پہلے بھی مواقع حاصل تھے اور وہ جب چاہتا ذیلی انتقالات کو روک سکتا تھا کیونکہ معطی لہ زمین کی منتقلی کے لئے اس کی رضامندی حاصل کرنے پر مجبور تھا لیکن اس قاعدہ کا نفاذ علے العموم (سوائے بادشاہ کے متاجرین اعلےٰ کے) نہیں ہوتا تھا ۔ اب اس قانون نے ان لوگوں کو جو ملک دوامی کے حقدار تھے حق مطلق دے دیا تھا کہ وہ اپنی جدید شرائط کے تحت انتقال اراضی کر سکتے ہیں۔ بادشاہ کے متاجرین کے متعلق کچھ نہیں کہا گیا ۔ ان لوگوں کو انتقال اراضی کے لئے ویسے بھی اجازت کی ضرورت تھی لیکن عملاً قانون کے دوسرے حصے ان لوگوں پر منطبق کر دئے گئے اور اس طرح جاگیری مفہوم میں ذیلی انتقال آراضی کا خاتمہ کر دیا گیا ۔ اس عمل آمد کا قدرتی منشا یہ تھا کہ تمام زمیندار جو جاگیری حقیت رکھتے تھے رفتہ رفتہ بادشاہ کے سلتھ براہ راست وابستہ ہو جائیں اور متاجرین اعلیٰ کی تعداد بڑھے اور اس ذریعے سے جاگیرانہ خودمختاری اور جاگیری حقوق میں وسعت نہ ہونے پائے ۔

قانون عطا ہائے مشروط قانون ویسٹ منسٹر دوم کا ایک حصہ ہے ۔ اگرچہ اس کا تعلق ایک بہت ہی پیچیدہ معاملے سے ہے مگر اس وقت سے بھی زیادہ آئندہ زمانے کے لئے اس کی اہمیت تھی ۔ یہ عام جاگیری عملدرآمد تھا کہ معطی خریدار کا مطلق ملک دوام

منتقل نہیں کرسکتا تھا بلکہ ایک محدود حق ملکیت عطا کرتا تھا۔ اور صورتوں کی طرح اس میں بھی قانون جاگیری قدیم ٹیوٹانی اصولوں کا تتبع کرتا تھا۔ جاگیریت کے اساسی اصول کی رو سے ہر فروشندہ کے لئے یہ جائز تھا کہ وہ عطا کے ساتھ جس قسم کے شرائط چاہے وابستہ کرے۔ کیونکہ اس صورت میں بھی جب کہ مطلق ملک دوام منتقل کی جاتی تھی اطاعت اور خدمت کے متعلق مختلف شرائط عائد کئے جاتے جس کی پابندی لازم تھی ورنہ زمین مسترد ہو جاتی تھی کیونکہ جاگیریت کے معاشی پہلو کا پلہ سیاسی پہلو کے مقابلے میں بھاری ہو رہا تھا اس سے وہ مواقع کثرت سے پیدا ہو رہے تھے جن کی بنا پر زمین بذریعہ بازگشت واپس ہو جاتی تھی اور اس میں معطی کا کھلا فائدہ تھا۔ اس کے علاوہ اس میں خریداروں کو جو زمینداریاں قائم کرنا اور ان کو مستحکم کرنا چاہتے تھے فائدہ نظر آنے لگا کیونکہ اس طریقے سے وہ اپنی اولاد کو انتقال ملکیت یا نقصان سے بچا سکتے تھے۔

عود اراضی ۔ ایک ہی مثال لیجئے جو عام شائع ہے اور جس کی مختلف تحلیلیں ہو سکتی ہیں فرض کیجئے کہ ا فروشندہ ہے اور وہ ب اور اس کی اولاد نرینہ کو جو قانونی اور جائز اولاد ہے زمین عطا کرتا ہے۔ اگر یہ عطا قانون کے مطابق ہے تو ظاہر ہے کہ مقررہ ورثا کے علاوہ کوئی دوسرے لوگ اس عطا کے وارث نہیں ہو سکتے۔ اور اس میں بازگشت کا بہت موقع ہے۔ ایسی بازگشت کے لئے جو مشروط عطا سے متعلق تھی عود کی اصطلاح استعمال ہونے لگی کہ زمین معطی کو عود یعنے واپس ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ نہ تو معطی لہ کو نہ اس سلسلے کے قابض مابعد کو یہ اختیار تھا کہ اپنے ورثا کو زمین سے بے دخل کر دے کیونکہ عطا میں تمام ورثا اور متعلقین کے نام تو درج نہیں کئے جاتے تھے۔ مگر چند مخصوص ورثا کا نام ضرور معطی لہ کے ساتھ دستاویز میں مندرج ہوتا تھا ہر قابض کو یکے بعد دیگرے زمین سے صرف حین حیات فائدہ اٹھانے کا حق تھا۔ اس عطا سے جاگیر بالکلیہ منتقل نہیں ہوتی تھی بلکہ اس میں سے گویا کچھ حصہ منقطع (taille) کر لیا جاتا تھا اس لئے خریدار کو ملک دوام نہیں بلکہ "ملک منقطع" حاصل ہوتی تھی۔ اور اس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ وہ "ملک منقطع" (entaille) کا قابض ہے یعنے اس کی جائداد منقطع ہے۔ مشروط عطا کی وجہ سے عود کے جو مواقع پیدا ہو گئے تھے وہ خود ایسے حقوق تصور کئے جاتے تھے جو معطی کے قبضے میں باقی رہ گئے ہوں اور وہ انھیں اپنی حسب خواہش ایک تیسرے فریق کے ہاتھ فروخت کر سکتا تھا۔ یعنے وہ اپنے حق عود کو فروخت کر سکتا تھا یا اگر وہ چاہے تو اس کو تقسیم بھی کر سکتا تھا اور اصل عطا میں

یا بعد کی عطا میں اس کا ایک قطعہ دوسرے کو منتقل کر سکتا تھا۔ وہ اپنی زمین (ا) اور اس کے جائز اولادِ نرینہ کو عطا کر سکتا تھا اور اس کا حقِ عود اس کے بھائی ج یا اس کی بیٹی کو عطا کر سکتا تھا اور اس کے متعلق وہی شرائط ہو سکتے تھے جو ورثاء کے سلسلے میں تھے یعنی اس صورت میں ا ب کو پہلی نسل ختم ہونے کی صورت میں زمین مسترد نہیں ہوتی تھی بلکہ قائم رہتی تھی یا ج کے دوسرے سلسلے کو مل جاتی تھی۔ اس طریقہ سے حقِ بقیہ پیدا ہو گیا اور حقدارانِ بقیہ کا سلسلہ قائم ہو گیا۔

یہ سب کچھ جاگیری اصولوں کی سیدھی سادی توسیع تھی اور اس کو قانونی بنانے کے لئے کسی قانون سازی کی ضرورت نہ تھی لیکن اس سے آزادانہ انتقالِ اراضی کا راستہ بند ہو گیا تھا اور اگر بقیہ کا وارث اپنے حقوق بیچنا چاہتا تو اس کو وہ منفعت نہیں ہوتی تھی جو اصل معطی لہ کو ہوتی تھی۔ دوسری صورتوں کی طرح قانون داں اور عدالتیں جائداد کی بیع مطلق بیع و شرا کے مؤید تھے اور انہوں نے ایک رسمی تاویل کر کے "انقطاع" کو توڑنے کی ایک سبیل نکال لی تھی۔ عطا کے متعلق یہ تاویل کر لی گئی کہ یہ ب اور اس کے ورثاء کی ہے بشرطیکہ خود ب کے نرینہ وارث ہوں اور وارث نرینہ کے پیدا ہوتے ہی ب اس بات کا مجاز گردانا گیا کہ وہ ملک دوام کو دوسرے شخص کے نام منتقل کر سکتا ہے حالانکہ وہ خود اس پر اب تک قابض نہ تھا۔ قانون عطایائے مشروط اس فیصلہ کے خلاف مرتب کیا گیا تھا جو عدالتیں صادر کر رہی تھیں۔ اس قانون نے اس تاویل کو غیر قانونی قرار دیا اور اس بات کا اعلان کیا کہ عطیات مشروطی کی تاویل شرائط عطا کے مطابق کرنی چاہیے اس سے جاگیریت کی ترقی از سرِ نو انہیں اصول پر دوبارہ شروع ہو گئی جو اس کے لئے مناسب تھے اور طریقِ انقطاع ہمیشہ کے لئے مستقل ہو گیا۔ لیکن حقیقتاً اس چیز نے قانون دانوں کو اس بات پر مجبور کر دیا کہ انقطاع کو توڑنے کا کوئی اور طریقہ پیدا کریں۔

انسدادِ انقطاع۔ کتاب ہذا کے اغراض کا لحاظ کرتے ہوئے اس تمام تاریخی ارتقاء کی تفصیل دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے جس میں ایسے قوانین کو اور بالخصوص قانون عطایائے مشروط کو توڑنے کی غرض سے جو آزادانہ انتقالِ اراضی کے مخالف تھے متعدد تدبیریں مستقل طور پر اختیار کر لی گئیں حالانکہ ان کی مخالفت میں پارلیمنٹ کی طرف سے کئی قوانین نافذ ہوئے تاہم دو بڑے نتائج کو مختصر طور پر یہاں ظاہر کر دینا لازمی ہے۔ عطائے "دستِ مردہ"

کے خلاف سابق میں جو ضابطے بنے تھے ان کو "سازشی مقدمات" سے جس کو "مقدمات استحصال" کہتے تھے سابقہ پڑتا تھا۔ ا ایک قطعۂ زمین لا کی خانقاہ کو دینا چاہتا ہے مگر اس کو اس عطا کی اجازت نہیں ملتی۔ باہمی سمجھوتہ سے خانقاہ زمین مذکور کے لئے ا کے خلاف عدالت میں مقدمہ دائر کرتی ہے اور زمین مذکور پر ا سے زیادہ اپنا حق ثابت کرتی ہے اور ا مقدمے کو عدم پیروی میں کھو دیتا ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عدالت کے فیصلے سے زمین خانقاہ کے نام منتقل ہو جاتی ہے۔ یہ چیز اس کاروائی کی بنیاد ہو گئی جس کو بعد میں "استحصال عام" کہنے لگے اس کو پندرھویں صدی کے آخر میں ایک مستقل شکل دے دی گئی اور انقطاع کو توڑنے اور اس کے انسداد کرنے کے لئے استعمال کی جانے لگی۔ یہ استحصال عامہ ایسی چیز تھی جس کو اصول "ضمانت نامہ" (Doctrine of warranty) نے بہت پھیلا دیا۔ گو اس اصول کی بعض شکلیں سیکسنوں کے زمانہ سے چلی آتی ہیں۔ لیکن یہ شکل جدید خاص طور پر مالک کی حقیت کو زیادہ مستحکم بنانے کے لئے استعمال ہوتی تھی۔ ل سے ایک "منقطع جائداد" خریدنے کی خواہش میں ب متذکرۂ بالا مقدمہ دائر کرتا ہے لیکن ا بجائے عدم پیروی کے ایک تیسرے شخص ج کو شہادت کے لئے طلب کرتا ہے اور ج کے متعلق وہ بیان دیتا ہے "میں نے اس شخص سے زمین حاصل کی ہے اور وہ اس بات کا "ضامن" ہے کہ میری حقیت ثابت کرے" ج عدالت میں حاضر ہوتا ہے اور ذمہ داری تسلیم کرتا ہے اور اس طریقہ سے عدالت میں ا کا قائمقام ٹھہر جاتا ہے لیکن پھر غائب ہو کر مقدمے کو عدم پیروی کی علت میں کھو دیتا ہے تاکہ عدالت کے فیصلے میں زمین ب کے نام منتقل ہو جائے اس طریقۂ عمل سے ا کے ورثاء کے دعاوی قطعی طور پر سوخت ہو جاتے ہیں کیونکہ ان ورثا سے یہ کہا جائے گا کہ تم کو ب کے خلاف نہیں (جو درحقیقت قابض ہوتا تھا) بلکہ ج کے خلاف چارہ جوئی کرنی چاہئے۔ ج کے فرائض ادا کرنے کے لئے بہ نظر احتیاط ایسا شخص منتخب کیا جاتا تھا جس کی کوئی جائداد نہیں ہوتی تھی اور یہ بالعموم عدالت کا کوئی ملازم ہوتا تھا۔ امتداد زمانہ سے اس بناوٹی سماعت کی کاروائی کی بھی ضرورت نہیں رہی اور اب یہ کافی سمجھا جانے لگا کہ عدالت میں مثلہ اس طرح مکمل ہو جائیں کہ گویا سماعت عمل میں آئی تھی اور وہ جبھی رسوم عدالت ادا ہو جائیں استحصال عام کا سلسلہ انیسویں صدی تک جاری رہا۔ اور اب آکر انسداد انقطاع کے آسان تر طریقے

پیدا کئے گئے ۔

آزادانہ انتقال اراضی کے ان مخالف قوانین کو توڑنے کا ایک دوسرا طریقہ یہ تھا کہ جائداد برائے نام ایک شخص کے نام منتقل کر دی جاتی تھی کہ اس سے دوسرا شخص فائدہ اٹھائے یہ بھی ایک پرانے عملدرآمد کی ترقی یافتہ شکل تھی اور اس سے دوسرے بے شمار اغراض پورے ہوتے تھے ۔ ملکیت قانوناً الف کے قبضے میں ہوتی تھی اور عملاً اس جائداد کا تمتع و تصرف ب کو حاصل ہوتا تھا ۔ اس طریقۂ عمل سے جو ایڈورڈ اول کی قانون سازی کے بعد ترقی پا گیا اصول تمتع کی نشو و نما ہوئی اور ہمارے زمانے میں جب کہ اس میں اور بہت سے وسیع اغراض شامل ہو گئے یہی قانون امانت بن گیا ۔ جس طرح "اصول استعمال" کی ترقی ہوئی اسی طرح اس کی تاریخ بھی ارتقائی مدارج ظاہر کرتی ہے ۔ ابتدائی مراحل بالکل سیدھے سادے ہیں مگر ارتقاء اس قدر منطقی ہے کہ یہ ابتدائی مراحل خود انتہائی مراحل کی تشریح کرتے ہیں ۔

اگر الف کسی کلیسا یا خانقاہ کو کوئی جائداد اراضی دینا چاہتا تو وہ قانون "دست مردہ" کے بموجب براہ راست نہیں دے سکتا تھا اس لئے وہ بجائے کلیسا کو دینے کے ب کے نام منتقل کرتا تھا ۔ ہبہ نامہ میں اس امر کا اظہار کرتا تھا کہ یہ زمین کلیسا کے تمتع کے لئے دی جاتی ہے ۔ قانوناً یہ ہبہ کلیسا کے نام نہیں بلکہ ب کے نام ہوتا تھا اور معنی ب کو اس جائداد کا امین بناتا تھا کہ کلیسا کو اس زمین کے انتظام اور تصرف کی اجازت دے ۔ (یہ امانت کے لئے بدل ضروری تھا کیونکہ اگر ب کلیسا کو اراضی کے انتظام اور تصرف کا موقع نہ دے تو اس کے خلاف کوئی قانونی چارہ جوئی نہیں ہو سکتی تھی) ۔ دستاویز کے ظاہری ثبوت کی بناء پر زمین ب کی ہوتی تھی اور قانون عرفی اس واقعے کے سمجھے نہیں جاتا تھا ۔ تاہم قانون "دست مردہ" سے تو پہلو بچ جاتا تھا کیونکہ بظاہر کلیسا کو کوئی زمین نہیں دی جاتی تھی ۔ اگرچہ ایک دوسرے قانون سے یہ طریقۂ عمل اپنی اس سادہ شکل میں بہت جلد ممنوع ہو گیا تھا مگر چونکہ یہ اکثر بہت سی ضروریات میں کام آ سکتا تھا اور اس کی شکل میں تبدیلی کرنی بھی آسان تھی اس لئے اس کا بے شمار اغراض میں کثرت سے استعمال ہونے لگا ۔ اس کے ذریعے سے لوگ اپنی لازمی جاگیری ادائیوں سے بچ سکتے تھے، قانون عطایائے مشروطہ کے مطابق انقطاع کو توڑ سکتے تھے، غداری کی بعض سزاؤں سے بچ سکتے تھے اور چونکہ مشروط جاگیری اراضی وصیت نامہ کے ذریعے

دوسرے کو ورثے میں نہیں دی جا سکتی تھیں اس لئے یہ نہ کیا جا سکتا تھا کہ یہ اراضی اپنی آخری وصیت اور بعد ہی کے تمتع کے لئے چھوڑی جاتی۔ بجائے ایک کے کئی امین نامزد کئے جاتے تھے اور ان کو اختیار دیا جاتا تھا کہ جو جگہ خالی ہو اس کو وہ پُر کر دیں تاکہ اس طریقہ سے ایک ایسا برائے نام مالک حاصل ہو جائے جو کبھی نہ مرے۔ ان مختلف شکلوں کو توڑنے کی غرض سے مختلف قوانین بنا لئے گئے مگر وہ سب بیکار ثابت ہوئے۔ ان سے بچنے کا کوئی نہ کوئی طریقہ نکال لیا گیا۔ چند دنوں کے بعد ہی قانون نصفت نے اس پر توجہ کی اور انصاف اور نیمہ شناسی کا لحاظ کر کے خاص طور پر پندرھویں صدی میں امانت پر زور دینا شروع کر دیا۔ غرض اس کی ابتدا تو معمولی تھی لیکن آگے چل کر اس طریقۂ عمل نے غیر معمولی ترقی کی جو اب تک موجود ہے۔ اسی کے دوش بدوش قانون نصفت کا بھی ایک بہت بڑا مجموعہ تیار ہو گیا۔

G B. Adams, *The Origin of the English Constitution 1920.* J. F. Baldwin ; *The King's Council, 1913.* C. Bemont, *Simon de Montfort 1884.* F. G. C. Hearnshaw, *Leet Jurisdiction in England, I908.* C. L. Kinsford, *The Song of Lewes 1890* K. Norgate, *The Minority of Henry III, 1912.* R. Pauli *Simon de Montfort,* Translation of U. M. Goodwin 1876. G. W. Prothers, *Simon de Montfort 1877.* T. F. Tout, *The Administrative History of Medical England,* 2 vol., 1920, Edward I, 1893.

باب ۷

پارلیمنٹ کی ابتدا

جس طریقے سے تیرھویں صدی کی قانونی ترقی تمام مسکنی دنیا کے لئے غیر معمولی اہمیت رکھتی تھی اسی طریقے سے اور اسی زمانے میں ایک اور اداراتی تبدیلی وقوع پذیر ہو رہی تھی جس کے اثرات بھی عالمگیر ہیں کیونکہ اس کے نتائج انیسویں صدی میں اس قدر وسیع ہو گئے کہ اس سے تمام اقوام عالم مستفید ہونے لگے۔ اس تغیر کی نوعیت یہ تھی کہ مجلس عظمیٰ پارلیمنٹ کی شکل میں بدل گئی اور یہ تحویل انیسویں صدی کے ختم ہونے سے پہلے کلیتہً نہیں تو قریب قریب مکمل ہو گئی۔

اس تحویل کو ایک تبدیلی کے نام سے موسوم کرنا نہایت مناسب ہوگا لیکن حقیقت یہ ہے کہ قدیم مجلس عظمیٰ خفیف سی تبدیلیوں کے ساتھ جدید پارلیمنٹ کی صورت میں قائم رہی اور آج دارالامرا میں قریب قریب اسی طرح قائم ہے جس طرح ہنری دوم کے زمانے میں تھی۔ جس طریق عمل سے پارلیمنٹ صورت گیر ہوئی وہ یہ تھا کہ مجلس عظمیٰ کے اجلاسوں میں قوم کے چند ایسے عناصر شریک کئے گئے جن کی اس زمانے میں جب کہ

نظامِ جاگیری کا سکہ رواں تھا مجلس میں کوئی وقعت نہ تھی۔ پارلیمنٹ کی ابتدا کی ٹوہ لگانے کے لئے ہم کو ان مراحل کا پتہ لگانا چاہیئے جن سے یہ عناصر شریک کئے گئے اور یہ دیکھنا چاہیئے کہ اس جدت کے ممکنہ اسباب کیا تھے۔

تیرھویں صدی میں ایک ایسا عظیم الشان معاشی اور معاشرتی تغیر وقوع پذیر ہو رہا تھا جس کا ایک اثر اس صدی کے وسط کے بعد ہی فوراً محسوس ہونے لگا۔ یہ تبدیلی دراصل قدیم جاگیری حکمران طبقے کے ساتھ ساتھ دو جدید طبقات کا ملکی معاملات میں دلچسپی لینا تھا اگر یہ کہنے میں مبالغہ ہے کہ یہ دلچسپی اس حد تک پہنچ گئی تھی جس کو ہم زمانہ حال میں سیادت مملکت سے تعبیر کرتے ہیں تو کم از کم اس دلچسپی کا تعلق اس سیاسی مسلک سے ضرور تھا جس کا اثر خود معاملات عامہ پر پڑتا تھا۔ یہ جدید طبقات اپنی تائید اور ذرائع کی بدولت خود حکمران طبقات یا دوسرے الفاظ میں اس زمانے کی حکومت کے لئے بھی نہایت اہم ہو گئے۔ ان دو طبقات میں ایک صوبجات کے مبارز تھے اور دوسرے قصبات کے بلدی تھے۔

مبارز اور بلدی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مبارزوں کا طبقہ تو پرانا تھا اور جاگیری طبقات میں ان کا شمار تھا لیکن اس تبدیلی کی وجہ سے جو تیرھویں صدی میں وقوع پذیر ہو رہی تھی یہ چند حیثیتوں میں جو انگلستان کے لئے خاص تھیں ایک جدید طبقہ بن گیا تھا۔ اس کے انوکھے پن اور اہمیت پر بعد کو بحث کی جائے گی۔ مبارز چھوٹے بیرنوں میں سب سے چھوٹا سمجھا جاتا تھا اور چونکہ اس کے پاس ایک مبارزی جاگیر یا اس سے بھی چھوٹی جاگیر ہوتی تھی اسے بھی بادشاہ کے مستاجرین اعلیٰ میں شمار کیا جاتا تھا۔ لیکن اسے سیاسی جاگیریت سے کوئی بڑا تعلق نہیں تھا۔ اس کو صرف ایک عدالت پرگنہ حاصل تھی جس سے اس کو کسی قسم کی سیاسی خودمختاری کی توقع نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کی فوجی خدمت کوئی بڑے فخر کی چیز نہ تھی اور جو درباری فرائض اس کو بادشاہ کے ہمراہ انجام دینے ہوتے تھے تو جہاں تک ہم کہہ سکتے ہیں ان کا یہ حال تھا کہ سوائے خاص مواقع کے یہ کبھی پورے نہیں ہوتے۔ جب تیرھویں صدی میں سیاسی جاگیریت کے زوال سے جملہ جاگیری طبقات پر اثر پڑا تو اس سے مبارز بھی بہت جلد متاثر ہوئے اور دوسروں سے زیادہ ہوئے۔ یہ حقیقت ان مطالبات کی روشنی میں زیادہ واضح ہوتی ہے جو

قواعد اکسفورڈ کے سلسلے میں ہوئے تھے۔ اسی اثنا میں یہ طبقہ بہ نسبت پہلے کے بہت پھیل رہا تھا ان چھوٹے اسامیان اعلےٰ اور ذیلی اسامیوں میں جو ایک ہی مبارزی جاگیر پر متصرف تھے اور درمیانی رؤسا کے ماتحت تھے صرف ایک رسمی اور مصنوعی فرق تھا اور یہ رسمی فرق بھی ایڈورڈ اول کے طویل عہد کے اول میں مٹ گیا۔ بیس[2] پونڈ مالیت کے تمام صاحبان اراضی خواہ وہ کسی کے تحت کیوں نہ ہوں سب کو ایک ہی طرح کے فوجی ضوابط اور ایک ہی طرح کے قیود مبارزیت میں جکڑ دیئے گئے۔ اس صدی میں جب قیمتیں چڑھیں شکمی جاگیروں کے مالکوں کو بھی کافی آمدنی ہونے لگی اور از روئے قانون وہ ایسے مبارز ہو گئے جیسے وہ حقیقت میں اس سے پہلے ہی رواج کی بنا پر اس گروہ میں شامل تھے۔ اس طبقے کا وجود انگلستان کے دیہاتی شرفا کی ابتدا سمجھنی چاہئے۔ ان لوگوں کو گشتی نظامِ عدالت کی وجہ سے غیر معمولی اہمیت حاصل کر چکے تھے اضلاع کے انتظامات میں خاص سیاسی دلچسپی ہونے لگی اور رفتہ رفتہ ان کو محسوس ہونے لگا کہ انھیں جو ذاتی یا پبلک دلچسپی ہے وہ اس دلچسپی سے مختلف ہے جو بڑے بیرنوں کو ہے۔ یہ ایک ٹھوس طبقہ تھا جس کی بہت ہی مضبوط حیثیت تھی اس طبقے کی دیہی خاصی آمدنی تھی اور اس کا رنگ مقامی تھا۔ جوں جوں طبقہ واری احساس ترقی کرتا گیا یہ طبقہ اپنے مطمحِ نظر اور مفاد کی ترجمانی اور حفاظت کے لئے تیار ہوتا گیا۔

بلدی طبقہ مبارزوں کے طبقے سے جدید تھا۔ زمانۂ ماضی میں تو کجا خود زمانۂ حال میں بھی اس کی بہت زیادہ قدامت نہ تھی۔ اس طبقے کی طاقت اس بات میں مضمر تھی کہ اس کی دولت تجارت کی روز افزوں ترقی کی وجہ سے بڑھ رہی تھی۔ دوسرے ان کے ہاتھ میں نقد سرمایہ تھا۔ انگلستان میں خاص طور پر خام اشیاء پیدا ہوتی تھیں جس کی وجہ سے تجارت جو خاص طور پر قصبات میں نظر آتی تھی ابتدائی صنعت و حرفت کے مقابلے میں ملک کے لئے بیحد مفید تھی کیونکہ صنعت و حرفت کا دائرہ ابھی وسیع نہیں ہوا تھا ملک بیرونی حملوں کے خطرے اور تباہ کن خانہ جنگیوں سے آزاد ہو گیا تھا اس لئے وہ ان کی پیداوار کو بہت جلد ترقی دینے کے قابل ہو گیا تھا جو آئندہ ملک کی خاص پیداوار بن گئی خود بارھویں صدی میں اس امر کی طرف توجہ ہو چلی تھی کہ ان کی تجارت سے حکومت کو بہت کچھ آمدنی حاصل ہو سکتی ہے۔ رچرڈ اول کے عہد تک منشوری قصبات کی تعداد علانیہ بڑھتی گئی اور جان کے عہد میں تو اس کی رفتار اور بھی تیز ہو گئی تھی۔ جب نارمنی فتح

سے نظام جاگیری کی اشاعت ہوئی تھی تو اس سے مقامی آبادی میں جو سکسنوں کے مقامی تنظیم کی بدولت قائم تھی کوئی فرق نہیں آیا تھا لیکن اتنا ضرور ہوا تھا کہ قصبات بادشاہ یا دیگر رئیسوں کے تابع ہو گئے اور اکثر قصبات اساقفہ اور کلیساؤں کے قبضے میں آ گئے۔ چونکہ قصبات رئیس سے متعلق ہو گئے اس لئے وہ اراضی جاگیر میں شامل ہو گئے اور اس لئے زرعی غلاموں کی طرح قصبات بھی محاصل اور جکڑبندیوں کی مار میں آ گئے تھے

ہر قسم کے حقوق کو کو بذریعہ منشور منتقل کرنے کا طریقہ جو انجام جاگیریت میں بہت ترقی پا چکا تھا ایسی چیز تھی جس سے ذی اختیار بلدیات کو کم و بیش مذکورہ بالا حدبندی سے دامن چھڑانے کا اچھا موقع تھا۔ انگلستان میں بلدیات کو بذریعۂ منشور جو حقوق دئے گئے ان میں جملہ حقوق تو صرف ان کو دئے گئے جن پر نظر عنایت تھی ورنہ کسی کو کچھ اور کسی کو کچھ دئے گئے۔ ان حقوق کی چار قسمیں ہو سکتی ہیں۔ ایک اس حق سے آزادی جو کسی رئیس کو زرعی علاقوں پر حاصل تھا مثلاً اس ازدواج کے سلسلے میں اس کو جرمانہ لینے کا حق حاصل تھا دوسرے معاشی حقوق مثلاً محصولِ راہداری یعنی میلہ وغیرہ کے حق سے آزادی۔ تیسرے قانونی حقوق یعنے قیام عدالت کا حق اور وہ اس طرح سے کہ دیگر عدالتوں اور سماعتِ جوری سے بے نیاز ہو جائے چوتھا حکومتی حق یعنی سرکاری عمال کے بغیر شاہی مطالبات یعنے "محصول بلدیہ" (firma burgi) خود جمع کر سکیں اپنے عمال کا خود انتخاب کریں اور اپنی مقامی حکومت کے لئے خود ہی قواعد بنائیں اکثر منشوری بلدیات جن کو کامل حقوق حاصل تھے ایسے تھے جن کی حیثیت صوبے میں جداگانہ ہنڈریڈوں کی سی ہو گئی تھی لیکن ان میں سے چند ایسے تھے جو قرون وسطیٰ کے اختتام سے پہلے ہی صوبوں کی حیثیت حاصل کر چکے تھے اور اس میں ان کو خود اپنے ناظم صوبہ یعنے شیرف ضلع کے انتخاب کا حق حاصل تھا ان بلدیات کو کامل حقوق حاصل تھے ان کی عدالت صوبے میں جداگانہ اکائیوں کے طور پر نمائندگی ہوتی تھی اور جو گشتی عدالتوں کے ساتھ اجلاس کرتے تھے۔

طریق نیابت۔ اگرچہ یہ واقعہ ہے کہ مجلس عظمیٰ کی شرکت کے لئے بعض اوقات ایسے لوگ بھی بلائے جاتے تھے جن کا بادشاہ سے کوئی جاگیری تعلق نہ ہوتا تھا تاہم بارھویں صدی میں انگلستان کے لئے یہ بات ناممکن تھی کہ مجلس میں کثیر اراکین

بلالحاظ زمینداری اس لئے بلائے جائیں کہ وہ غیر جاگیری طبقات اور طبقوں کی نمایندگی کریں۔ یہ بات تیرھویں صدی میں جاکر ممکن ہوئی اور یہ اس کی پوری علامت کہ جاگیری خیالات روبہ انحطاط تھے۔ پارلیمنٹ کی تشکیل اس طرح ہوئی کہ جاگیری مجلس عظمیٰ میں جدید عناصر بلالحاظ جاگیریت داخل کئے گئے تاکہ آبادی کے ان طبقات کی نمایندگی ہو جو جاگیری نہ تھے۔ یہ ایک نوعی تغیر تھا اور یہ تغیر اسی طرح ہوا تھا جس طرح اس سے پہلے قدیم ٹیوٹنوں کی قومی مجلس جاگیری مجلس عظمیٰ میں مبدل ہو گئی، یہ گویا جدید اصول ترکیب یعنے اصول نیابت کا جاری کرنا تھا لیکن تبدیلی کی وسعت میں مبالغہ نہیں کرنا چاہئے۔ یہ بات یاد رہے کہ پارلمنٹ میں جو جدید عناصر داخل کئے گئے ان کے متعلق ہم یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ اس صدی میں ان عناصر کو سوائے اپنے مفاد کے دوسرے طبقوں کے متعلق بھی اپنے فرائض استعمال کرنے کی اجازت تھی یا مواقع حاصل تھے۔ نیز ساتھ ہی ساتھ قدیم مجلس عظمیٰ بھی جوں کی توں قائم رہی۔ باوجود اس تغیر کے اس نے مدت تک تنہا پارلمینٹ کا کام کیا اور ایک زمانے تک اس کے متعلق اختیارات اور فرائض کے آثار باقی رہے اس موقع پر صرف جدید عناصر اس کے ارد گرد جمع ہو گئے مگر یہ عناصر اس میں ضم ہو کر اس کے ایسے اعضاء نہیں بنے کہ اسکی نوعیت بدل جائے۔

اس طریق نیابت کے ماخذ کے متعلق علما آپس میں متفق نہیں ہیں۔ غالباً آخری فیصلہ یہ ہو گا کہ اصول تو ایک ماخذ سے حاصل ہوا ہے اور ادارتی تشکیلیں جن کے توسط سے یہ اصول دستور میں رونما ہوا ہے دوسرے ماخذ سے حاصل ہوئے ہیں۔ بہر حال یہ یقینی ہے کہ نیابت کا اصول سب سے پہلے کلیسائی اجتماعات و مجالس کے متعلقہ وثائق میں پایا جاتا ہے اور اس کے لئے جو اصلاحات ہیں ان سے قریب قریب وہی مفہوم ظاہر ہوتا ہے جو اس وقت ہے۔ دوسری طرف یہ بات بھی ظاہر ہے کہ جن ابتدائی اور رسمی مدارج سے غیر جاگیری نمایندوں کو مجلس عظمیٰ میں شامل کیا گیا تھا ان پر کلیسا کا قطعی اثر نہیں تھا۔ ان واقعات میں جو اس وقت ظہور پذیر ہوئے ہم کو پہلے یہ دیکھنا ہے کہ جب کہ مقامی مجموعوں کے مبعوث مجلس میں لائے گئے تو اس وقت موجودہ مفہوم میں نیابت کا تصور موجود نہیں تھا کیونکہ اس تصور کے یہی صرف یہی معنی نہیں ہیں کہ وفد اپنے مجموعے کے تیار کی ہوئی قرار دادوں کو مجلس

میں لاکر پیش کریں بلکہ یہ بھی معنے ہیں کہ جب یہ وفد مجلس میں آئیں تو ان کو اس بات کے پورے اختیارات ہوں کہ وہ مجلس میں حصہ لے سکیں اور مجلس کے دیگر اراکین کے ہم پلہ اپنی ملت کی ترجمانی کر سکیں اور غیر منفصلہ مسائل پر بحث کرکے ان کو طے کر سکیں جن میں سے بعض مسائل ایسے بھی ہوں جو مبعوثین کے انتخاب کے بعد پیدا ہوئے ہوں پھر دوسری چیز ہمیں یہ دیکھنی ہے کہ جب مبعوثین کو طلب کرنے کا طریقہ روز بروز بڑھتا گیا تو کس طرح نیابت کا اصول داخل ہوگیا۔ اگرچہ یہ تصور اس قدر واضح نہیں تھا جس طرح بعد کو تیرھویں صدی میں واضح ہوا لیکن آتا تو تھا کہ لوگ اس کو جان بوجھ کر استعمال کرنے تھے۔ یہی ابتدائی مراحل ہیں جن سے یہ دونوں چیزیں مسلسل تجربوں کے ساتھ ترقی کرتی گئیں اور زمانہ حال کے نیابتی تصور میں صورت گیر ہوگئیں۔

ان واقعات کے حقیقی تسلسل پر غور کرتے ہوئے جو مجلس عظمیٰ کو پارلیمنٹ کی صورت میں مبدل کرنے کے باعث ہوئے ہیں اس معنے خیز نکتہ کو فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ اس وقت کسی شخص نے یہ محسوس نہیں کیا تھا کہ کوئی اہم تبدیلی وقوع پذیر ہو رہی ہے اس کی طرف کوئی خاص توجہ بھی منعطف نہیں ہوئی وثائق دیکھے جائیں یا تواریخ ان دونوں میں کہیں اس بات کا ثبوت نہیں کہ اس تبدیلی کے متعلق کوئی چیز غیر معمولی سمجھی گئی تھی اور یہ خیال ہوا تھا کہ متداولہ طریقہ عمل میں کوئی خلل پڑ رہا ہے ابتدائے پارلیمنٹ کے متعلق جو بھی توجیہ کی جائے اس کی نوعیت ایک ہی ہوگی، یعنے اس کے ابتدائی مدارج انہیں خطوط پر طے ہوتے تھے جو پہلے سے مانوس تھے۔ اور جو اپنے طریقہ عمل میں عام رواج اور موجود الوقت خیالات سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھے۔ شاہی عدالت میں جن عناصر کا اضافہ ہوا اور اس اضافہ کے بعد سے پہلی نصف صدی میں یہ لوگ جو کام کرتے تھے وہ اس کے عین مماثل تھا جو اسی طبقے کے اراکین پہلے سے کرتے تھے اور حالات بھی وہی تھے۔ اس طرح اس زمانہ کے لوگوں کو یہ نہ معلوم ہو سکا کہ روزمرہ حالات میں کوئی خاص فرق پڑ رہا ہے۔

استرضائے صوبہ۔ بالعموم خیال کیا جاتا ہے کہ پارلیمنٹ کے ارتقا میں جو مسلسل ہوا ہے سب سے پہلا قدم وہ تھا جو ۱۲۵۴ء میں اٹھایا گیا تھا۔ اس سنہ

کے اوائل میں بادشاہ گیسکنی میں تھا اور اس کو اپنے مصارف کے لئے روپیہ کی غیر معمولی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے سوچا کہ انگلستان میں ان لوگوں سے زر امداد حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے جو اصالۃً بادشاہ کی امداد کے لئے نہیں آئے تھے پچھلے سنین میں اس کو جو تجربے حاصل ہوئے تھے وہ کچھ خوشگوار نہ تھے جس قدر اس کو رضامندی کی توقع تھی اسی قدر انکار کا بھی ڈر تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ کے کسی صلاح کار نے یہ رائے دی کہ اگر صوبوں کی رضامندی قبل از وقت حاصل کر لی جائے اور یہ رضامندی سرکاری طور پر کونسل کے سامنے پیش کر دی جائے تو پھر کامیابی کی زیادہ توقع ہو سکتی ہے غالباً یہ بھی خیال کیا گیا کہ اگر بادشاہ کی ضرورتیں واضح طور پر ظاہر کر دی جائیں اور شیرف ان کو صحیح روشنی میں عدالتہائے صوبہ میں پیش کر دیں تو وہ اس محصول کے لئے فوراً تیار ہو جائیں گے۔ بہر حال یہی قرار داد ہوئی۔ دوسری فروری کو ملکہ اور نواب کارنوال نے جو بادشاہ کی عدم موجودگی میں اجرائے حکومت کرتے تھے شیرفوں کے نام اس حکم کا مراسلہ جاری کیا کہ وہ اس تجویز کے مطابق عمل کریں۔ مراسلے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ فیصلہ عدالت صوبہ میں ہونا چاہیئے اور مبارزوں کا کام صرف اس قدر ہو کہ اس کو مجلس شاہی میں پیش کر کے اس کی سرکاری طور پر تصدیق کرا دیں ہماری اس تاویل کا صحیح ہونا اس مراسلے کے الفاظ سے اور زیادہ مصدقہ ہو جاتا ہے جو اسی روز اسقف اعظم کنٹربری کے نام جاری کیا گیا تھا جس میں اس کو ہدایت کی گئی تھی کہ اپنے ماتحت پادریوں کا جلسہ منعقد کرے اور ان کو توجہ دلائے کہ وہ بھی دل کھول کر امداد دیں اور ان میں سے چند ہوشیار آدمی کونسل میں جائیں اور مقدار اور طریقہ امداد کی تصدیق کریں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ وفیدوں کا کام صرف اس فیصلے کو پیش کر دینا تھا جس کو مقامی جماعت پہلے ہی طے کر لیتی تھی۔ یہاں زمانۂ حال کی نیابت کا کوئی مفہوم نہیں پایا جاتا سوائے اس کے توفیہ میں سے یہ معنے نکال لئے جائیں کہ مبارز اپنے ضلع کے فیصلے کو ظاہر کر کے اپنے ضلع کی ترجمانی کرتے تھے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ ۱۲۵۴ء میں اختیار کیا گیا اور اضلاع سے مبارز طلب کئے گئے بہت دیرینہ تھا اور یہ اس طرح تھا کہ عدالت صوبہ کے مقدمات منفصلہ کی مثلیں مرکزی عدالت شاہی میں بھیجی جاتی تھی۔ یہ عمل درآمد کوئی غیر معمولی نہیں تھا

اور عدالتوں کی امثلہ میں اس کا اکثر ثبوت ملتا ہے جس میں سنہ ۱۲۵۴ء کے واقعے کی جملہ خصوصیتیں موجود ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہاں عدالت صوبہ اور شاہی مجلس کو براہ راست رشتۂ اتحاد ظاہر ہوتا ہے جو پہلے سے قائم تھا اور اکثر استعمال ہوتا تھا۔ سنہ ۱۲۵۴ء میں مبارزین نے بھی یہی کیا تھا۔ یعنے یہ لوگ شاہی کونسل میں بغرض تصدیق ایسی مثل لاتے تھے جو عدالت صوبہ میں پہلے سے طے ہو چکی تھی۔ یہ بات بھی ظاہر ہے کہ ان لوگوں کا یہ کام جوری کے کام سے بہت کچھ ملتا جلتا تھا۔ یہ لوگ مجلس شاہی کو مقامی عادات اور قرار دادوں سے واقف کراتے تھے۔ اس کا عملی نتیجہ بھی اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے۔ لیکن اگر دونوں کارروائیوں کا پہلو بہ پہلو مقابلہ کیا جائے تو بلاشبہ یہ بات واضح ہو جائے گی کہ سنہ ۱۲۵۴ء میں دو مبارزوں کا فعل جوری کے بہ نسبت ان مبارزوں کے فعل سے ملتا جلتا ہے جو عدالت کی مثل لے جاتے تھے۔

مبارزی نیابت - یہ کام تو سنہ ۱۲۵۴ء میں ہوا لیکن تقریباً سو سال پہلے سے مبارزین امور مملکت میں حصہ لیتے تھے۔ ہم پڑھ چکے ہیں کہ جب ہنری دوم نے مرکزی عدالتی تنظیم قائم کی تو اس کے تحت یہ لوگ سب سے پہلے صوبہ کے کاروبار میں اس طرح شریک ہوئے کہ یہ اول تو سنہ ۱۱۹۴ء کے ماہوئیے کے بموجب قرار جرم کے لئے جوری کا انتخاب کرتے تھے اور اگر مبارزین کافی ہوتے تو انھی سے یہ جوری مرتب ہوتی تھی۔ اسی طریقے سے امائزوں کی جوری کا گرانڈ اسائز کی جوری کا بھی انتخاب کیا جاتا تھا۔ ان چار مبارزین کے طریقۂ انتخاب کے متعلق جو عدالت صوبہ میں یہ امور انجام دیتے تھے یہ کہا جا سکتا ہے گو یقینی نہیں کہ انھیں مجلس عدالت میں منتخب کیا جاتا تھا بہرحال سنہ ۱۲۵۴ء میں بھی انتخاب کی ایک صورت موجود تھی۔ عدالت صوبہ کی جو دوسری کارروائیاں تھیں جیسے صوبے کی جانب سے دوسری عدالت میں مثل مکمل کرنا۔ عذر غیر حاضری کی تحقیقات کرنا۔ اور حدود کے تعین کی غرض سے اراضی کا معائنہ کرنا وغیرہ ان میں یہ طریقے استعمال کئے جاتے تھے۔ یہ بھی ہم دیکھ چکے ہیں کہ یہ لوگ اجرائے محاصل میں (جس کی نوعیت قومی تھی) مقامی ادارات کے لئے کام کرتے تھے اور بعض صورتوں میں (جن کی طرف اب تک توجہ نہیں کی گئی) یہ لوگ مجلس شاہی میں اپنے صوبوں کی جانب سے ایسی روداد پیش کرتے تھے جو انتظامی

خصوصیت رکھتی تھی ہینری سوم کے عہد میں یہ صورتیں حسب ذیل تھیں ۱۲۲۰ء میں عدالت صوبہ میں دو مبارز اس غرض سے منتخب کئے گئے کہ صوبہ کے لئے ہل کے محصول کا تعین کریں اور جمع کریں۔ ۱۲۲۵ء میں ہر ہنڈریڈ سے چار مبارز اس غرض سے منتخب کئے گئے تھے کہ پندرھویں حصے کا تعین کریں اور جمع کریں ۱۲۲۶ء میں ہر آٹھ صوبوں میں سے چار چار مبارز اس غرض سے بلائے گئے تھے کہ کونسل کو یہ رپورٹ دیں کہ شیرف اپنے صوبوں میں کیا رویہ رکھتے ہیں اور پھر ۱۲۲۷ء میں ۳۲ صوبوں سے ایسے مبارز طلب کئے گئے تھے اور اس کی غرض بھی یہی تھی۔ مبارزوں کو ۱۲۳۲ء میں یہ کام سپرد ہوا کہ چالیسویں حصے کا جو تعین ہوتا تھا اس کی نگرانی کریں اور ۱۲۳۷ء میں یہ کام تھا کہ تیسویں حصہ کی نگرانی کریں۔ ۱۲۳۵ء اور ۱۲۴۴ء میں یہ کام تھا کہ زر سپر کی جمع بندی میں امداد دیں پھر ۱۲۵۸ء میں یعنی ۱۲۵۴ء کے واقعہ کے چار سال کے بعد ہر صوبے میں چار مبارز اس غرض سے منتخب کئے گئے تھے کہ شیرفوں کے متعلق رپورٹ پیش کریں۔ لہٰذا ۱۲۵۴ء میں مبارزوں کا مجلس شاہی میں اس غرض سے بلایا جانا کہ صوبے کی جانب سے اس فیصلے کا اظہار کریں جو ایک مجوزہ محصول کے متعلق عدالت صوبہ میں طے ہوا تھا ہر شخص کو بالکل معمولی اور روزمرہ کی کارروائی معلوم ہوتی ہوگی۔

لیکن ۱۲۵۴ء میں مبارزوں نے جس مجلس کے سامنے رپورٹ پیش کی وہ بڑی کونسل نہ تھی بلکہ چھوٹی کونسل تھی اور ظاہر ہے کہ ان کا کام بھی بہت محدود تھا ممکن ہے کہ یہ پہلا قدم ہو لیکن یہ بہت بڑا قدم نہیں تھا اور ابھی بہت کچھ کرنا باقی تھا ہاں یہ ممکن ہے کہ تیرھویں صدی میں یہ اس سے زیادہ اہم معلوم ہوا ہو جو ہم کو نہیں معلوم ہوتا کیونکہ بعد کے واقعات جلد جلد وقوع پذیر ہوتے گئے ستمبر ۱۲۶۱ء میں ہنری سوم نے شیرفوں کے نام شقّے جاری کئے اور اس میں یہ بتلایا کہ شوریدہ پشت بیرنوں نے ہر صوبے سے تین مبارز طلب کئے ہیں "تاکہ سینٹ آلبنز پر ان سے مل کر ایس تاریخ کو "سلطنت کے عام امور کے متعلق بحث کریں"۔ شیرفوں کو یہ ہدایت کی گئی کہ ان مبارزوں کو بادشاہ سے ونڈسر میں ملنے کے لئے جمع کریں تاکہ یہ لوگ بادشاہ سے اسی دن گفتگو کریں جس روز بیرن بادشاہ سے مل کر صلح کی گفتگو کرنے والے تھے۔ اگرچہ مبارزین صوبوں سے کسی مرکزی جماعت کے ساتھ نشست کرنے کے لئے

بلائے گئے تھے لیکن اس کے علاوہ شقے میں ایک اہم بات یہ ہے کہ جو مبارز بادشاہ اور بیرن دونوں کی جانب سے بلائے گئے تھے وہ ایسے ملکی امور پر بحث کرنے کے لیئے بلائے گئے تھے جو کبھی صوبوں میں اس سے پہلے بغرض فیصلہ زیر بحث نہیں آتے تھے۔ چنانچہ باوجود اس کے کہ ان مبارزوں کے طریقۂ انتخاب کا ہم کو علم نہیں نہ ہم یہ جانتے ہیں کہ انہوں نے کس جماعت کے ساتھ نشست کی تھی ہم اس کو تشکیلِ پارلیمنٹ کے سلسلے میں ایک کڑی تصور کر سکتے ہیں۔

اس کے بعد کی پیش قدمی بالکل ظاہر ہے اور اس میں وہ تمام چیزیں شامل ہیں جن کی اس زمانے سے توقع کی جا سکتی ہے۔ لیوس کی فتح کے بعد سائمن ڈی مونٹ فورٹ نے سنہ ۱۲۶۴ء جون کے مہینے میں واقعی حکمران انگلستان کی حیثیت سے (گو بادشاہ کے نام سے) یہ حکم جاری کیا تھا کہ آئندہ اجلاس پارلیمنٹ کے لئے ہر صوبہ سے چار قانون دان اور ہوشیار مبارز لندن بھیجے جائیں اور اس کے لئے ان کا انتخاب صوبے کی رضامندی اور تمام صوبے کی جانب سے عمل میں آئے تاکہ اکابر ملک و مذہب کے ساتھ مل کر بادشاہ اور سلطنت کے امور پر بحث کریں۔ اس واقعے میں پہلی دفعہ وہ تمام چیزیں جمع ہو گئیں جو تبدیلی کی ابتدا کے لئے ضروری تھیں۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ اس وقت نیابت کا تصور موجود تھا یا طریق نیابت قائم کر دیا گیا تھا۔ جس پیش قدمی کا ہم سراغ لگا رہے ہیں وہ گویا محض ایک اداراتی تیاری تھی لیکن اس تیاری کا سلسلہ اب بہت آگے کو نکل گیا تھا گو ابھی مکمل نہیں ہوا تھا۔ اور اس میں یہ قابلیت پیدا ہو گئی تھی کہ جب نیابتی تصور کا وقت آ جائے تو اس کا وہ پورے طور پر مظاہرہ کر دے۔ یہ بات ہمیں نہیں بھولنی چاہئے کہ چوتھی جون کا مراسلہ جو بظاہر بادشاہ کا مراسلہ تھا حقیقت میں ان شورہ پشت بیرنوں کی جانب سے جاری کیا گیا تھا جو ابھی ابھی لیوس میں کامیاب ہوئے تھے۔ یہ جدّت انقلابی فریق کی جانب سے عمل میں آئی تھی جو انقلابی تاثرات سے متاثر تھے۔ مگر ان میں ایسی کہ جتنی نہیں تھی جس طرح ہونی چاہیئے اس لئے یہ جدت ایسی نہیں تھی جیسے ایک دیرینہ اور مرتب حکومت کی طرف سے عمل میں آتی۔ اور بالکل ممکن تھا کہ اس تبدیلی کے باضابطہ اختیار کرنے میں کچھ دیر لگے۔

ڈی مونٹفرٹ کی پارلیمنٹ ۔ اور اتنی تیاری کی تکمیل کے لئے ۱۲۶۴ء کی پیش قدمی کے بعد ایک اور قدم اٹھانا ضروری تھا سائمن ڈی مونٹفرٹ نے دسمبر ۱۲۶۴ء میں مراسلات جاری کرکے جنوری ۱۲۶۵ء کی مشہور پارلیمنٹ طلب کی ۔ جنگ لیوئس کے بعد سے بیرنوں میں ارل سائمن کا فریق بہت ہی کمزور ہوگیا تھا اس لئے اس پارلیمنٹ میں صرف پانچ ارل اور اٹھارہ بیرن بلائے گئے اور غالباً سائمن نے ہر صوبے سے دو مبارز اور اس کے علاوہ جو اس پارلیمنٹ کی خاص اختراع ہے شہروں اور بلدیات سے دو دو نمایندے اس غرض سے بلائے تھے کہ طبقۂ متوسط سے تعلقات پیدا کرکے اپنی طاقت بڑھائے ۔ اس آخری صورت کے لئے جو مراسلات جاری کئے گئے تو شیرف کے نام نہیں بلکہ قصبات کے نام جاری کئے گئے تھے گو بعد میں یہ شیرف کے نام بھی جاری ہونے لگے تھے ۔

ان شقوں میں پہلے جون کے شقوں کی بہ نسبت سوائے شہریوں اور بلدیوں کے نام طلب ناموں کے کوئی بات نہ تھی اور جو ثبوت ہم کو ملتا ہے اس کے زور سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ڈسمبر کے طلبنامے اتنے صاف اور واضح نہیں ہیں جیسے جون کے ہیں ۔ تاہم یہ اغلب ہے کہ سمجھنے والے ان کے معنے ایک ہی طرح سے سمجھے ہوں گے اور ایک ہی طرح سے ان پر عمل ہوا ہوگا ۔ اگر ہمارا یہ مفروضہ درست ہے تو ہم کو یہ فرض کرنا پڑے گا کہ جون اور دسمبر دونوں میں انتخاب اور نیابت ہوئی ہوگی اور امور زیر بحث میں تعاون ہوا ہوگا ۔ میرے خیال میں یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ جون کے شقوں میں مونٹفرٹ کا اتنا ہی ہاتھ ہے جس قدر کہ ڈسمبر کے شقوں میں اور دونوں کو درحقیقت ایک ہی صورت سمجھتی چاہئے اس طریقے سے اس پوری اختراع کا سہرا اسی کے سر ہوگا اور اس کا ہمارے پاس تازہ ترین اور خاطر خواہ ثبوت موجود ہے ۔ اس ثبوت میں نہ صرف بلدیوں کی شرکت نظر آتی بلکہ صوبوں کے مبارزوں کی شرکت بھی ہے جن کو مجلس شاہی میں جہاں تک کہ طلبناموں کے الفاظ سے مترشح ہوتا ہے پورا رتبہ دیا گیا تھا خواہ بحث و مباحثہ میں ان کا یہ رتبہ نہ ہو ۔ بشپ استبز کے بیان کے بموجب یہ بات یقینی ہے کہ یہ جلسہ دراصل کوئی دستوری جلسہ نہیں یہ بیرنوں کے فریق کی ایک انقلابی مجلس تھی لیکن ان اشکال کے اعتبار سے جن کی

پابندی کی گئی یہ مجلس دستوری ضرور تھی ۔ ظاہر ہے کہ سب باتوں کے لئے بہت جانفشانی بھی کی گئی تھی ۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سائمن ڈی مونٹفرٹ اور اس کے مؤیدین کے نظریئے کے مطابق یہ قانونی طور پر مجلس عظمیٰ کی ایک شکل تھی ۔

اگرچہ سائمن ڈی مونٹفرٹ کی اس پارلیمنٹ میں انگلستان کی تاریخی پارلیمنٹ کے تمام ترکیبی عناصر موجود ہیں مثلاً امراء، اراکین صوبہ اور اراکین بلدیہ، مگر اس بات کا بھی امکان ہے کہ آیندہ زمانے پر اس کے اثرات دکھانے میں مبالغہ کیا جائے ۔ بات یہ ہے کہ سب باتوں کے باوجود اس پارلیمنٹ کا تعلق اس دور سے ہے جس کو تیاری کا دور کہنا چاہئے ۔ یہ آغاز تغیر کا عہد ہے تکمیل کا نہیں ۔ سوائے اس محدود مفہوم کے کہ اس میں پہلی دفعہ جدید عناصر جمع ہوئے تھے کسی اور مفہوم میں اس کو دارالعوام کی ابتدا سمجھنا غلط ہوگا ۔ اس وقت نہ کوئی بات طے ہوئی اور نہ کوئی خاص ضرورت پوری ہوئی، بلکہ اس سے صرف امور آئندہ کا عکس پڑ رہا تھا اور ہمارے لئے اس کی اہمیت صرف اس واقعے میں ہے کہ وہ وسیع معاشی اور معاشرتی تغیرات حکومت کے اشکال پر اثر ڈالنے لگے تھے جن سے آخر میں دستوری اور قانونی صورتیں معین ہوگئیں، اور اس بات کا ہم پتہ لگا سکتے ہیں کہ اگر یہ تغیرات پہلے سے نہیں تھے تو اس صدی کے شروع سے انگلستان میں پیدا ہو رہے تھے ۔ یہ محرکات اس نتیجے کو پیدا کئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے ۔ اس زمانے میں جبکہ جاگیریت کے زیادہ شدید تصورات سرعت کے ساتھ غائب ہو رہے تھے اور صرف طبقات کی حکومت رائج تھی یہ بات لازمی تھی کہ اہل بروکا بیساہین طبقہ جس کے حکومت کے ساتھ خاص اغراض وابستہ تھے نیز جس کی طاقت روز بروز بڑھ رہی تھی اور طاقت کو خاطر خواہ موثر کرنے کے ان کو ذرائع بھی حاصل تھے، مرکزی مجلس میں خود بخود کھنچ آئے اس شرکت میں اس کی طرف سے اس قدر خواہش اور زور نہیں تھا جس قدر خود اس طبقے کی تائید اور رضامندی لازمی سمجھی گئی تھی یہ تغیرات یورپ کے اکثر ممالک میں رونما تھے اور ان سے یہی دستوری نتائج نکل رہے تھے ۔ اگر اس تحریک کی تاریخ دیکھی جائے تو انگلستان کا درجہ دیگر ممالک سے پیچھے ہی ہے ۔

گو اہل بروکا قدیم تمدادارے میں شریک ہونا یقینی تھا مگر نہ اس میں کوئی ایسی

چیز تھی نہ اس زمانے کے حالات اس جدید ادارے کی شکل و نوعیت معین کر سکتے تھے، اور یہ مسئلہ آیندہ زمانہ کے لئے غیر معمولی اہمیت رکھتا تھا۔ دستور کا وجود اس سوال کے جواب پر منحصر تھا اور اسی قدر منحصر تھا جس قدر منشورِ اعظم کے ان تصورات پر جو باقی رہ گئے تھے اور وسیع کر دئے گئے تھے، کیونکہ بیرنوں کی مخالفت تو بے اثر تھی خود پارلیمنٹ نے ایک صدی کے اندر ہی محدود ملوکیت قائم کر دی۔ حقیقت یہ ہے کہ چودھویں صدی کے وسط کے پہلے سے بیرنوں نے اپنے آپ کو توقع کے مطابق تعمیری کام کے نااہل ثابت کر دیا تھا۔ ضوابطِ اکسفورڈ کو ان کی کوششوں کی معراج سمجھنا چاہیئے اس لئے اس حد سے وہ آگے نہیں بڑھ سکتے تھے۔ دستور کا مستقبل یعنے محدود ملوکیت کا امکان اس جدید ادارے کی نوعیت پر منحصر تھا جو اس تشکیلی زمانے میں رونما ہو رہا تھا۔

دورِ تبدیلی۔ ۱۲۹۵ء سے ۱۲۹۶ء۔ یہاں صرف اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم ان اشکال کا مطالعہ کریں جو تجربے کے اس دورِ ارتقا میں ۱۲۶۵ء سے ۱۲۹۵ء تک اس ادارے نے اختیار کیں ان سے یہ بات سمجھ میں آ جائیگی کہ اس ادارے کو موجودہ صورت کے علاوہ کسی دوسری کمزور شکل میں ڈھالنا بہت آسان تھا، یا دوسرے الفاظ میں، بالکل معمولی کوشش کسی حقیقی اور ذی اثر پارلیمنٹ کے قیام کو روک سکتی تھی۔ ہنری سوم کے عہد کے بعد کی دو پارلیمنٹوں میں جو ۱۲۶۷ء اور ۱۲۶۹ء میں منعقد ہوئیں سوائے مجلس عظمیٰ کے ارکان کے کسی اور کا ثبوت نہیں ملتا۔ ایڈورڈ اول کی پہلی پارلیمنٹ میں جو ۱۲۷۵ء کے موسم بہار میں منعقد ہوئی شیرف کے توسط سے چار مبارز ہر صوبے سے اور چار بلدی ہر بلدیے سے بلائے گئے تھے مگر ۱۲۹۵ء سے پہلے پھر اس شکل کی پیروی نہیں کی گئی۔ یہ لوگ اس وجہ سے بلائے گئے تھے کہ اکابر ملک کے ساتھ مل کر امور سلطنت طے کریں۔ ۱۲۸۲ء کے موسم خزاں میں ایڈورڈ جب کہ وہ صوبوں اور بلدیات سے علیحدہ علیحدہ مراسلت کر کے روپیہ جمع کرنے کی کوشش کر چکا تھا دو مجلسیں طلب کیں۔ شمال کے پانچ صوبوں کی یارک میں اور دیگر صوبوں کی نارتھمپٹن میں بلائی گئیں۔ ان میں ہر صوبہ سے چار مبارز اور ہر بلدیے اور شہر سے دو نمایندے بلائے گئے تھے اور اس بات کا تصفیہ ہو گیا تھا کہ مبارزوں اور شہری نمایندوں کے اختیارات پورے ہوں گے۔ ۱۲۸۳ء ستمبر کے مہینے میں

ایک مجلس شہر وزبری کے مقام پر اس امر کو طے کرنے کے لئے بلائی گئی کہ داؤد شاہ ویلز
کے ساتھ (جو گرفتار ہو گیا تھا) کیا سلوک اختیار کرنا چاہیے۔ مبارزین کے لئے شیرفوں
کے نام مراسلے بھیجے گئے کہ ہر صوبے سے دو مبارز بھیجے جائیں اور دیگر شہروں کو براہ راست
مراسلے بھیجے گئے کہ ہر جگہ سے دو نمایندے آئیں۔ مراسلات کے بموجب مبارزوں اور
نمایندوں کا کام یہ تھا کہ داؤد کے مسئلے کو طے کریں۔ مبارزوں کے متعلق تو یہ معلوم
ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنی حد تک یہ مسئلہ طے کر لیا تھا مگر ممکن ہے کہ بلدیوں نے اس مسئلے سے
اپنے کو علیحدہ کر لیا ہو کیونکہ رفتہ رفتہ اس کی صورت مقدمۂ غداری کی سماعت کی سی ہو گئی
تھی اور اس میں انھیں قانوناً حصہ لینے کا کوئی اختیار نہ تھا چنانچہ اغلباً انھوں نے تنہا
ایکٹن برنل میں اس قانون کو جسے "قانون تجاران" (De mercatoribus) کہتے ہیں
منظور کر لیا ہو گا جو قانونی شکل میں "بادشاہ اور مجلس شاہی" کا حکم تھا۔ سنہ ۱۲۹۰ء مئی
کے آخر میں اساقفہ اور بیرنوں کی ایک مجلس عظمیٰ منعقد ہوئی جس نے پارلیمنٹ میں
بادشاہ کی بیٹی کی شادی کے لئے امداد منظور کی۔ یہ امداد اپنے لئے اور تمام قوم کے لئے
جس حد تک کہ وہ اس کے قائم مقام تھے منظور کی۔ جولائی کے مہینے میں دوسری مجلسوں
کے لئے ہر صوبے سے دو مبارز بلائے گئے اور ان کو بحث اور منظوری کے پورے
اختیارات تھے مگر "قانون انتقال اراضی" بغیر ان کی انتظار شرکت کے پاس کیا گیا
اگرچہ مبارزوں کے اغراض براہ راست اس قانون سے وابستہ تھے۔ پادریوں نے
سنہ ۱۲۹۴ء میں اپنی ایک علیحدہ مجلس میں بادشاہ کے لئے امداد منظور کر دی اور دنیوی امرا
نے خود اپنے طور پر ایک اور علیحدہ مجلس میں امداد منظور کر دی جس کے لئے ۸ اکتوبر کو صوبے سے
دو مبارز بلائے گئے تھے تاکہ سنہ ۱۲۹۴ء کے الفاظ میں "مشورہ کریں اور منظوری دیں"
دوسرے روز وہ دو اور بلائے گئے تاکہ "یہ لوگ بحث سنیں اور جو کچھ ہم کہیں ان پر
عمل کریں"۔ لیکن کوئی بلدی قائم مقام نہیں بلایا گیا۔ اور اسی سال تاجروں نے
بادشاہ کے لئے ان پر زائد محصول منظور کر لیا۔
اس فہرست میں جو چیز سب سے زیادہ معنے خیز ہے وہ ایسے ممالک ہیں
جہاں یہ دو شکلیں دکھائی دیتی ہیں یعنی ایک مرکزی پارلیمنٹ کا صوبہ واری مجلسوں
میں اور دوسرے پارلیمنٹ کا مختلف طبقات کی جداگانہ مجلسوں میں بٹ جانا

رہی وہ چیز ایسی ہے جس سے بعد میں شاہان فرانس نے "مجلس طبقات" کو کمزور کرنے اور اس کو بادشاہ کی خدمت کا پابند بنانے میں خاطر خواہ کام لیا تھا۔ جب تشکیلیں پیدا ہوئیں تو نہ کسی نے اس کی مخالفت کی نہ اس کی طرف کوئی خاص توجہ کی اور اس میں جو خطرہ تھا وہ بروقت صاف نہیں دکھائی دیتا تھا۔ اگر مختلف تاریخوں میں یکجا جائے تو یہ مجلسیں اپنے علیحدہ علیحدہ میدان عمل میں دوسری صدی کی پوری پارلیمنٹ سے کچھ کم طاقتور نہیں تھیں۔ اس بات کا پتہ نہیں کہ آیا پارلیمنٹ ان نظائر کا راستہ اختیار کر کے ترقی کرتی تو اس میں کوئی مشکل حائل ہوتی یا نہیں۔ یہ سچ ہے کہ بادشاہوں نے بعض اوقات پارلیمنٹ کی وقت سے بچنے کے لئے بعض طبقات سے علیحدہ علیحدہ گفت و شنید کا سلسلہ جاری رکھا تھا اور یہ طریقہ چھوڑا تو صرف اس وقت جب انہوں نے دارالعوام کے ارکین کو مختلف طریقوں سے ہموار کرنے کا عمل جاری کیا، اور رکینیت کی بدعنوانیاں تو کم از کم ایڈورڈ اول کے عہد تک میں جاری رہیں یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اگر یہ نظائر موثر ہوتے تو انگریزی مفہوم کے مطابق نہ پارلیمنٹ بنتی نہ دستور۔

اس بحران سے پارلیمنٹ اور دستور محض لاعلمی اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے بچ گئے۔ شاہان فرانس چارلس پنجم اور چارلس ہفتم کی طرح جو چند پشتوں کے بعد برسر حکومت ہوئے اگر ایڈورڈ اول بھی پارلیمنٹ کے آیندہ مستقبل کو پہچاننے کے قابل ہوتا اور یہ سمجھ سکتا کہ طاقتور پارلیمنٹ کا ارتقاء ملوکیت کے لئے خطرناک ہے تو جہاں تک اب ہم غور کر سکتے ہیں وہ پارلیمنٹ کا غالباً سدباب کر دیتا، اور یہ اس کے لئے کچھ ناممکن بھی نہ ہوتا۔ ایڈورڈ اول کے عہد کے ختم ہونے کے بعد سدباب ناممکن ہوگیا اور ایڈورڈ دوم کے تخت سے معزول ہونے کے بعد تو یہ قطعی ناممکن ہوگیا۔

ترقی کے آثار۔ اس دور کی تمام بدنظمیوں میں غور سے دیکھا جائے تو کچھ نہ کچھ ترقی ضرور نظر آئے گی۔ ایک چیز تو یہ ہے کہ کونسل میں اکابر ملک و مذہب کے ساتھ مقامی رقبوں کے نمایندوں کی شرکت روز بروز رواج پذیر ہو رہی تھی گو اب تک اس بات کا ثبوت نہیں ملا کہ کس قسم کے قواعد اور متعین تشکیلیں طے ہو رہی تھیں لیکن یہ عملدرآمد روز بروز عام ہو رہا تھا۔ اس دور میں یہ واقعہ بھی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عدالت شاہی

میں نمایندے بھی بلائے جاتے تھے جو قدیم اراکین کے ساتھ نشست کر کے ملکی امور میں حصہ لیتے تھے لیکن یہ بات ثابت کرنے کے لئے کوئی مواد نہیں کہ یہ لوگ بعد کے زمانے کی پارلیمنٹوں کی طرح کچھ آزادانہ بحث کے لئے بلائے گئے ہوں اور فیصلہ طلب امور میں ان کو حقیقی رائے دینے کی اجازت دی گئی ہو۔ یہ دونوں چیزیں غیر یقینی ہیں۔ ممکن ہے کہ اپنے متعلقہ معاملات میں ان کو یہ بات حاصل ہو۔ لیکن یہ لوگ جو مقامی رائے پیش کرتے تھے وہ اہم سمجھی جاتی تھیں اور فیصلہ کرنے والے اپنے عمل میں دوسری چیزوں کے ساتھ اس کو بھی پیش نظر رکھتے تھے۔ شقوں میں یہ خواہش ظاہر کی گئی تھی کہ نمایندے "کامل اختیارات" سے ملبوس ہوں اس کے معنے غالباً صرف اس قدر تھے کہ ان لوگوں کے پاس مناسب وثایق ہونے چاہئیں تاکہ ان کی رپورٹ مصدقہ بھی جائے اور قوم امور منفصلہ کی پابند ہو۔

اس دور کے واقعات سے یہ بات بھی ثابت ہونی چاہیے کہ مجلس میں جدید عناصر کو شامل کرنے کی یہ غایت نہیں تھی کہ اجرائے محاصل میں قبل از وقت مقامی رضامندی حاصل کی جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بھی ایک بڑا محرک تھا۔ متوسط طبقے سے (جواب جدید قائم ہو رہا تھا اور حقوق زمینداری حاصل کر رہا تھا اور جس کے ہاتھ میں بہت کچھ قابل محصول ذرایع موجود تھے) غیر معمولی مداخل وصول کرنے کے لئے پرانے جاگیری طریقے کافی نہیں تھے اور اکثر بلدیات کے لئے تو جو اراضی صرفخاص سے باہر تھے ان طریقوں سے قطعی کام نہیں چل سکتا تھا۔ تیرھویں صدی کے حالات کی وجہ سے یہ جاگیری اصول کہ غیر معمولی محصول کے لئے قبل از وقت منظوری ضروری ہے حکومت میں اس قدر جاگزیں ہو گیا تھا کہ ۱۲۱۵ء کے بعد سے پھر اس کی خلاف ورزی نہیں ہوی یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ جوں جوں اجرائے محاصل کی وسعت ہوتی گئی یہ اصول بھی پھیل کر جملہ محاصل پر منطبق ہو گیا لیکن یہ بھی ظاہر ہے اور داؤد کے مقدمے کے سلسلے میں جو شقے جاری ہوئے تھے ان سے اور زیادہ واضح ہو جاتا ہے کہ مسائل حکومت اور بالخصوص ان مسائل کے متعلق جن میں کوئی خاص شبہ ہوتا تھا باوجود غیر معمولی مصارف کے باعث ہوتے تھے حکومت مقامی رقبوں کی یکساں منظوری حاصل کرنا چاہتی تھی۔ چونکہ

قرونِ وسطیٰ میں ذرائعِ آمد و رفت کی وقت تھی اور رائے عامہ کے حصول اور اظہار کے وہ ذرائع نہ تھے جو اب حاصل ہیں اس لئے اس وقت مجموعی رائے کی دریافت اور تعین کا یہی ایک ممکن طریقہ تھا کہ صاحب علم و فہم مبعوثین ایک جگہ جمع کئے جائیں اور یہ طریقہ حکومت اور اجرائے محاصل دونوں مسائل کے کام آتا تھا یہ واقعہ بڑی حد تک بعد کو آنے والی باتوں کی کلید ثابت ہوتا ہے ۔ اگر ہم اس مسئلے کی اصل حقیقت سمجھنے میں کامیاب ہو جائیں جو تیرھویں صدی کے ذرائع رسل و رسائل کی مشکلات کی وجہ سے پیدا ہوا تھا جب کہ لوگ اس بات سے واقف ہونے لگے تھے کہ مشترکہ اغراض کیا ہیں اور جدید طبقات کون سے ہیں جن کی رائے معلوم ہونی چاہیئے اور ان کے ذرائع ملک کی خدمت میں صرف ہونے چاہیئں تو اشکال و مقاصد سب ہمارے سامنے آجائیں گے ۔

۱۲۹۵ء کے نمونے کی پارلیمنٹ ۔ ۱۲۹۵ء کے نام نہاد نمونے کی پارلیمنٹ میں تیس سالہ تجربہ گویا جمع کر دیا تھا اور جیسے بعد کے زمانے کا خیال ہے اس میں وہ تجربہ مستحکم اور محفوظ کیا گیا ۔ صرف اسی مفہوم میں اس پارلیمنٹ کو نمونہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ پہلی ترقی کی معراج ہے ۔ اور اس سے یہ مطلب نہ لینا چاہئے کہ یہ کسی مطمح نظر کے مطابق تھا یا بعد کو اس کی تقلید کی گئی کیونکہ اس نے صرف بلحاظ ترکیب نمونے کا کام دیا تھا نہ بلحاظ تنظیم ۔ تاہم یہ پارلیمنٹ غیر معمولی طور پر قوم کے تمام طبقات کی نمایندہ تھی ۔ ۱۲۹۵ء میں موسم گرما کے اختتام کے قریب ایڈورڈ اول سخت مشکلات میں گھرا ہوا تھا ۔ ویلزی باغیوں کی کشمکش ابھی ابھی ختم ہوئی تھی جس میں بہت روپیہ صرف ہوا تھا ۔ فرانس کے خلاف جنگ ہنوز جاری تھی اور اسکاچستان کی جنگ کا آغاز ہو رہا تھا ۔ اس کو ضرورت بھی تھی اور خواہش بھی کہ قوم اس کے خارجہ مسلک میں تائید کرے اور حسبِ ضرورت بھاری بھر کم اخراجات برداشت کرنے کے لئے تیار ہو جائے ۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں محرکات جو ایڈورڈ کے دل میں کام کر رہے تھے وہ اس پارلیمنٹ کی خاص نوعیت کے باعث ہوئے ۔

اکابر ملک و مذہب کے سوا، جو قدیم مجلس عظمیٰ کے ارکین تھے صوبوں سے دو دو مبارز اور بلدیات سے دو دو بلدی بلائے گئے ۔ نیز ان شقوں کے نام نہاد

(premumientes) فقرے کے ذریعے سے جو اساقفہ کے نام جاری کئے گئے تھے ذیلی پادری بھی بلائے گئے تھے۔ پادریوں کے یہ نمایندے پارلیمنٹ کا فی الوقت ایک عنصر بن گئے، مگر یہ عنصر مستقل نہیں ہوا۔ جب پارلیمنٹ جمع ہوئی تو یہ جاگیری معاشرے کے تین "طبقات" کے مطابق تین ایوانوں میں تقسیم کی گئی جن میں سے ایک میں پادری دوسرے میں بیرن اور تیسرے میں بلدی نشست کرتے تھے۔ مبارز بیرنوں کے ساتھ شریک ہوکر دوسرا طبقہ بن گئے اور حقیقت میں جاگیری تصورات کے مطابق اسی سے ان کا تعلق بھی تھا۔ ہر طبقے نے اپنے اوپر جداگانہ محصول عائد کیا اور ہر طبقے کی شرح بھی دوسروں سے مختلف تھی۔ یہ ترکیب اور تنظیم وہ ہے جو فرانس کے مجلس طبقات میں بالآخر مستقل ہوگئی اور یہ مجلس طبقات بھی قریب قریب اسی زمانے میں بن رہی تھی۔ ایڈورڈ اس قاعدے میں کسی قسم کا دستوری اصول یا نظیر نہیں سمجھتا تھا اور اس نے بعد کو جو (۱۲) پارلیمنٹیں طلب کیں تو ان میں صوبوں اور قصبات کا کوئی نمایندہ نہیں تھا، بلکہ صرف تین پارلیمنٹیں ایسی ہیں جن میں ۱۲۹۵ء کی تقلید کی گئی۔

۱۲۹۵ء کی پارلیمنٹ طلب کرنے سے اس دور کے اکثر طالب علم یہ سمجھتے ہیں کہ ایڈورڈ اول کے ذہن میں طریق نیابت کا روشن تصور موجود تھا اور اس نے دانستہ اس بات کا ارادہ کر لیا تھا کہ مرکزی حکومت کے آلۂ قانون سازی میں اس طریق نیابت کو ہمیشہ لکھتے لیکن یہ تصور اصل واقعات کے مطابق نہیں ہے۔ ایڈورڈ انگریز بادشاہوں میں ایک برآمد ضرور ہے لیکن اگر وہ مستقبل کی اس درجہ پیش بندی کرسکتا تو تاریخ میں شاید سب سے بڑا مدبر مانا جاتا۔ اس کا تدبر اس بات میں مضمر تھا کہ اس نے صاف طور پر یہ دیکھ لیا کہ اس کو کیا کرنا ہے، اور خاص طور پر اس بات میں کہ اس نے انگلستان کی عظمت کو جیسے وہ عظمت سمجھتا تھا بڑھانے کی کوشش کی۔ نیز اس کا تدبر اس بات میں مضمر تھا کہ وہ ان آلات کو جن سے اس کو کام کرنا پڑتا تھا اپنے مقصد میں لگانا چاہتا تھا اور اس میں پوری نہیں تو نمایاں کامیابی ضرور ہوئی۔ غالباً اس کو اس رومن مقولے کے استعمال سے جو ۱۲۹۵ء کے شقوں میں درج کیا گیا تھا اور جس کا اس سلسلے میں اکثر حوالہ دیا گیا ہے یعنی Quod omnes tangit ab omnibus approbetur) جو چیز سب سے متعلق ہو سب اس کو منظور کریں۔ اسوقت تک دقیت

نہیں ہوئی جب تک اس نے اسے اپنے شقوں میں دیکھ نہ لیا غالباً اس کے معنے اس کے نزدیک یا اس شخص لئے جو اس کے درج کرنے کا ذمہ دار تھا ان پچھلے فقروں سے زیادہ نہیں تھے جن پر پہلے روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ ہم صاف طور پر دیکھ سکتے ہیں کہ ایڈورڈ اول اس کے زمانے کے لوگ حقیقت میں کیا کر رہے تھے کیونکہ ہم کو معلوم ہے کہ کس قسم کے واقعات پیش آنے والے تھے، لیکن وہ پیش بینی نہیں کر سکتے تھے اور یہاں اکثر موقعوں پر نہ پہلے سے کوئی منصوبہ باندھا گیا تھا نہ سوچ بچار کر کے اس کا ارادہ کیا گیا تھا۔ ہم کو حقیقت میں یہ کہنے کا کوئی حق نہیں کہ تیرھویں صدی کے اختتام تک انگلستان میں جو کچھ ہوا وہ نوعیت اور معنوں کے اعتبار سے اس کام سے بالکل مختلف تھا جو اسی زمانے میں مغربی یورپ کے اکثر ممالک میں ہو رہا تھا۔ انگریزی پارلیمنٹ کو تاریخ میں جو عظمت حاصل ہے تو اس وجہ سے ہے کہ جب اس کے ابتدائی مراحل گزر گئے تو اسے چند خاص طریقوں سے استعمال کیا گیا اور اس کو خاص معنے پہنائے گئے۔

بعض لوگ پارلیمنٹ کو ان عناصر کے اعتبار سے جس سے یہ مرکب ہوئی ہے اس گشتی عدالت کی مجلس سے مطابق کرتے ہیں جو ہنری دوم کے اصلاحات کے لحاظ سے قائم ہوئی تھی لیکن یہ خلاف قیاس ہے۔ اس صدی کے وسط کے شقوں سے جو عدالت صوبہ کے لئے جاری ہوئے تھے، معلوم ہوتا ہے کہ عدالت میں تین عناصر کا اجتماع ہوتا تھا، ایک بیرن جن میں مذہبی بیرن بھی شامل ہیں، دوسرے آزاد لوگ، تیسرے بلدی۔ مبارزوں کا درجہ بیرنوں اور آزاد لوگوں کے بیچ میں پڑتا تھا۔ تیرھویں صدی کے اختتام تک بھی یہ بات پایۂ یقین کو نہیں پہنچی تھی کہ مبارز کسی عنصر کے ساتھ اپنے کو ہمیشہ کے لئے مربوط کریں لیکن یہ بات تو اس وقت ظاہر ہو گئی تھی کہ وہ جدید عنصر جن کی قدیم کونسل میں کوئی نشست نہ تھی زائد کئے گئے تھے اور ان طبقات کے لحاظ سے جو اس میں شامل تھے اس کو عدالت صوبہ سے مطابق کیا گیا، یہ دو عناصر کم از کم نظریئے کے طور پر زمانہ حال تک بیرنوں کے عنصر سے اور ایک دوسرے سے پارلیمنٹ میں علیٰحدہ رہے۔

ان اضافوں کا آخر کو یہ اثر ہوا کہ مجلس عظمیٰ میں ایک ترکیبی تغیر عمل میں آیا یعنے جدید اور قدیم میں ایک ادارتی فرق پڑ گیا۔ یہ ایسا تغیر تھا کہ اپنی نوعیت اور معنوں کے

اعتبار سے ٹھیک اس تغیر کے مشابہ تھا جس سے سکسنوں کی قومی مجلس جاگیری دور کی مجلس عظمیٰ میں منتقل ہوئی تھی ۔ یہ تغیر بھی گزشتہ تغیرات کی طرح جدید اصول ترکیب کے پیدا ہونے سے وجود میں آیا تھا ۔ یہ اصول ترکیب اصول نیابت تھا یا وہ اصول تھا جو بعد میں چل کر اصول نیابت بن گیا ۔

اگر ابتدائے پارلیمنٹ کے دور کے متعلق یہ کہیں کہ وہ ۱۲۹۵ء کی پارلیمنٹ پر ختم ہو جاتا ہے تو کچھ بیجا نہ ہوگا لیکن اس وقت تک جدید ادارہ پورے طور پر بنا نہیں تھا نہ حکومتی ادارات میں اس کی جگہ مشخص ہوئی تھی ۔ ابھی یہ پارلیمنٹ اس بڑے کام کی اہل نہیں ہوئی تھی جو آخر میں وہ انگریزی دستور کی تشکیل کے سلسلے میں کرنے والی تھی یعنے منشور اعظم کی جاری کردہ روایت کی حفاظت کرنا اور اس کو آگے بڑھا اور مثال کے بعد مثال جمع کرنا جس سے محدود ملوکیت پیدا ہوئی ۔ اگر اس روایت کو باقی رکھنا تھا تو فی الحال بیرنوں کی مخالفت ہی اس کو ترقی دے سکتی تھی ۔ اگرچہ یہ مخالفت بہت زیادہ قابل اعتماد اور یکجہت نہیں تھی لیکن اس روایت کی محرک بن چکی تھی ۔ یہ ایک دلچسپ بات ہے کہ ۱۲۹۵ء کی پارلیمنٹ کے بعد ہی دوسرا قدم آگے کو اٹھایا گیا اور جو اصول اس وقت قائم کیا گیا تھا اسی پر دوسری صدی کی تمام پارلیمنٹی ترقی قایم کی گئی ۔

محاصل بلا منظوری جاری کئے گئے ۔ ۱۲۹۵ء کی پارلیمنٹ کی رسمی منظوریاں ایڈورڈ کو اس کی مالی مشکلات سے نجات نہیں دلا سکیں اور جنگ فرانس اور اسکاٹستان کی مشکلات اور ناکامیوں کی وجہ سے یہ مشکلات بڑھتی ہی رہیں ایڈورڈ کی طرح نہ بیرنوں کو جنگ سے دلچسپی تھی نہ عوام کو اور اس کو حسب ضرورت پے در پے منظوریوں سے روپیہ حاصل کرنا ناممکن معلوم ہوا ۔ پادری بھی ملکی اجزائے محاصل کی مخالفت کر رہے تھے اور ۱۲۹۶ء میں پوپ بانی فیس ہشتم کے فرمان (Clericus Laicos) "پادری اور عامانی" سے پادریوں کو یہ حکم ہو گیا تھا کہ وہ اس قسم کے محاصل مملکت کو نہ دیں ۔ ان حالات میں ایڈورڈ نے یہ سمجھ لیا کہ ملک کی حفاظت کے لئے بغیر قبل از وقت منظوری کے محاصل لگانا مناسب ہوگا ، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کا ایسا سمجھنا لہ ایمانداری پر مبنی تھا ۔ انھی اسباب کی بنا دیر، اس نے قوم کو توجہ دلائی کہ میرا یہ فعل حق بجانب ہے ۔ ایک بے ضابطہ مجلس میں اس نے

جو طلب نامہ اور ترکیب کے اعتبار سے نہ پارلیمنٹ تھی نہ مجلس عظمٰی، بیرنوں اور شہریوں سے رقمی منظوری کا ایک وثیقہ حاصل کرلیا اور ان اُون کو جو تاجر باہر بھیجنا چاہتے تھے ضبط کرلیا اور قیمت ادا کرنے کا رقعہ دیدیا؛ نیز پادریوں کو تو اس نے قریب قریب قانون بدر کرکے ان کے اراضی کا ایک بڑا حصہ ضبط کرلیا۔

بیرنوں کی شکایات ۔ یہ محاصل اڈورڈ کی تمام طبقات رعایا پر بہت گرانبار ثابت ہوئے اور ان سے عام مخالفت بھڑک اٹھی۔ بڑے بیرنوں کے لئے تو اور اسباب تھے جن سے وہ تحقیقات وثائق کی کارروائیوں میں بہ حیثیت طبقہ کے اپنی اپنی انفرادی شکایتوں میں بادشاہ کی مخالفت پر آمادہ ہوگئے۔ ان لوگوں نے مخالف فریق کے رہنماؤں کا اسی طرح ہاتھ بٹایا جس طرح انہوں نے ۱۲۱۵ء اور ۱۲۵۸ء میں کیا تھا، لیکن یہاں بہ نسبت پچھلے زمانے کے یہ صاف دکھائی دیتا ہے کہ شخصی اسباب اور خودغرضانہ خواہشات کا اثر تھا۔ اگر بیرنوں کا یہ منشا تھا کہ عام موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنے اغراض پورے کریں تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت انہیں ایک اچھا موقع مل گیا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ اس وقت اسکو ایک دستوری بحران سمجھنا چاہیئے تھا۔ اگر یہ ایک پشت کے بعد ہوتا تو یہی سمجھا جاتا اس اصطلاح کا پورا مفہوم ۱۲۹۷ء کے دل ودماغ سمجھنے سے قاصر تھے لیکن یہ دستوری نکتہ ہی تھا جسے انہوں نے حل کیا اور اس حل کو دستوری لباس میں ملبوس کردیا۔ ظاہر ہے کہ بیرنوں کا مطالبہ اور رعایت جو انہوں نے حاصل کی وہ ان کے پچھلے مخالفانہ عمل کے سلسلے کی ایک کڑی تھی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ منشور اعظم کے بعد محدود ملوکیت کی ترقی میں ایک بہت بڑا اضافہ ہوگیا۔

بیرنوں کی قطعی مخالفت اور انکار کے باوجود کہ ہم بادشاہ کے ساتھ کام کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں ایڈورڈ نے ۱۲۹۷ء کی گرمیوں میں اپنی فوج کو فلینڈرز میں لیجانے کی تیاریاں جاری رکھیں۔ ماہ اگست کے وسط میں بیرنوں نے خود اپنے اور ملک کی جملہ آبادی" کے نام سے اپنی شکایتوں کی ایک روداد بادشاہ کے سامنے پیش کی اور بادشاہ سے درخواست کی کہ ان کی تلافی ہونی چاہیئے۔ ان کی شکایتیں یہ تھیں کہ بھاری بھرکم محاصل نے ہمیں قلاش کردیا ہے، قانون اور رواج کے

مطابق ہمارے ساتھ سلوک نہیں کیا گیا، منشور اعظم اور فرمان جنگلات کے قواعد کی پابندی نہیں کی گئی، اور ان پر بادشاہ نے جدید کروڑگیری عائد کی ہے جس کی مقدار ان کے بیان کے مطابق تمام ملکی مالیت کے ایک خمس کے برابر تھی۔ چونکہ ایڈورڈ اس وقت جہاز میں بیٹھنے کے لئے تیار تھا۔ اس نے اس لئے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ اور کہا کہ میں کونسل کے، جس کا ایک حصہ پہلے سے فلینڈرز پہنچ گیا ہے اس کا کوئی جواب نہیں دے سکتا۔ وہ ۲۲ تاریخ کو جہاز میں بیٹھ گیا اور اپنے بیٹے ایڈورڈ کو جو ابھی چھوٹا تھا بطور متولی کے چھوڑ گیا کہ بیرنوں کے مطالبات منظور کرلے اس وقت سب یہ بات مانتے تھے کہ اس کو ایسا کرنا چاہیئے"۔ اکتوبر کے اوائل میں اس کے بیٹے نے مراعات اجرا کر دیں اور نومبر کی ۵ تاریخ کو باپ نے باضابطہ منظوری کی صورت میں اس کی توثیق کر دی جس کو "توثیق مناشیر" کہتے ہیں۔

اس وثیقے میں دفعات ۱۶ اور ۱۷ ایسے ہیں جو آئندہ زمانے پر دائمی اثر ڈالتے ہیں۔ پانچویں دفعہ میں ایڈورڈ کے محاصل اور ناجائز آمدنیاں گنائی گئی ہیں اور اس کے بعد چھٹی دفعہ کا اعلان یہ ہے کہ ہم نے اپنے اور اپنے جانشینوں کے لیے اس کے علاوہ اساقفہ۔ صدر اساقفہ۔ راہبین۔ پادری اور مقدس کلیسا کے جملہ متعلقین کے لئے نیز ارلوں اور بیرنوں اور ملک کی جملہ رعایا کے لئے یہ منظور کیا ہے کہ خواہ کوئی کام ہو اور سب کا فائدہ کیوں نہ ہو ہم ملک سے اس قسم کی امداد محاصل (mises) اور (prises) نہیں لیں گے۔ سوائے ان قدیمہ امداد اور (prises) کے جو ابھی اور مروجہ ہیں۔ دفعہ اول کی جدید کروڑگیری یعنی متعلق ہے (male tote) اور اس میں ضابطہ یہ مقرر ہوا کہ بادشاہ بغیر اہل ملک کی مشترکہ رائے و خوشنودی کے نہ یہ کروڑگیری وصول کرے نہ کوئی دوسری سوائے اون، پوست اور چمڑے کی کروڑگیری کے، جو عوام کی جانب سے پہلی کی منظورہ ہے ہمارے اور ہمارے جانشینوں کے لئے رہے گی"۔ دفعہ (۶) میں بادشاہ کے لئے جن امور کی تخصیص کی گئی ہے وہ منشور اعظم کے دفعہ (۱۲) کے مطابق ہیں اور دفعہ (۷) میں اس قدیم دستور کا حوالہ دیا گیا ہے جس کو ۱۲۷۵ء میں ایڈورڈ نے منظور کیا تھا۔ اسی زمانہ کا ایک اور وثیقہ بھی ہے جس کی ٹھیک تاریخ ہم نہیں بتا سکتے۔ غالباً وہ بیرنوں کے مطالبات کی ایک رودلوا اور توثیق کا ایک غیر سرکاری اقتباس ہو کر بعد کو

جب کہ وہ "قانون" (De tallagio non concedendo) کے نام سے موسوم ہوا حالانکہ وہ کوئی باضابطہ قانون نہیں تھا۔ اس میں (tallage) کو ان محاصل میں شامل کیا گیا ہے جن کی منظوری حاصل کرنا ضروری ہے۔ یہ ممکن ہے کہ بالکل بے پروائی سے یہ لفظ استعمال کر دیا گیا ہوگا حالانکہ اس زمانے میں (tallage) کی حقیقت کوئی بھولا نہیں ہوگا یہ ان زرعی غلاموں کی آمدنی کا نام تھا جو مع اپنی جملہ جائداد کے رئیس جاگیردار کے قبضے و تصرف میں سمجھے جاتے تھے۔ اس لئے (tallage) کوئی محصول نہیں تھا بلکہ اسکو مشغول سرمایہ کا منافع کہنا چاہئے اور اس طرح یہ بالکل ایک علیحدہ چیز تھی۔ نہ تو بیرنوں کو اس بات پر اصرار کرنے کا کوئی حق تھا کہ بادشاہ اس منافع سے دست بردار ہو جائے اور نہ اس کو کبھی ایسا خیال آیا ہوگا کہ اس نے کبھی اس قسم کی دست برداری دی ہے کیونکہ سنہ ۱۳۰۴ء ہی میں اس نے اراضی صرف خاص پر (tallage) عائد کیا۔

اجرائے محاصل کا اصول۔ سنہ ۱۲۹۷ء کے وثیقے کو توثیق مناشر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے لیکن اس نام سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس کو تاریخ میں کیا درجہ حاصل ہے بلکہ اس سے یہ بات اور بھی پوشیدہ ہو جاتی ہے۔ یہ اس بنیاد کا ایک حصہ ہے جس پر دستور کی عمارت قائم کی گئی ہے اور اس طرح "توثیق" خود منشور اعظم سے کچھ کم اہم نہیں ہے اگر ہم وہ اساسی اصولوں کو قطع نظر کر دیں جو ہر چیز میں مضمر ہیں تو منشور کا سب سے اہم قاعدہ جس کا تعلق تعمیر دستور سے ہے یہ قاعدہ ہے کہ ہر غیر معمولی محصول کے لئے، یعنے ہر ایسے محصول کے لئے جو مروجہ جاگیری محصول اراضی میں شامل نہیں ہے پہلے منظوری حاصل کر لینی چاہئے۔ یہاں جتنے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں وہ سب جاگیری الفاظ ہیں لیکن لفظ "امداد" کے استعمال سے بہت وسیع معنے پیدا ہو گئے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس زمانے کے لوگوں کے نزدیک "امداد" کبھی کبھی عائد نہ ہونے والے غیر جاگیری محاصل بھی شامل ہو جاتے تھے خواہ پہلے ایسا سمجھا جاتا ہو یا نہیں، یہ مشرح اصول اس صدی میں نہ صرف جاگیری بلکہ غیر جاگیری محاصل کے لئے مقتدر اصول بن گیا۔ پھر جیسے ہم پہلے دیکھ چکے ہیں غیر جاگیری محاصل میں برابر ترقی ہوتی رہی اور یہ اس صدی کی خصوصیت ہے۔ گو ۱۲۱۵ء کے منشور کا یہ قاعدہ ہنری سوم کی ۱۲۱۶ء کی اشاعت ثانی سے خارج کر دیا گیا لیکن اس اخراج سے عمل میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ مروجہ

جاگیری قانون میں یہ چیز شامل رہی اور اس طرح اس کی ان قواعد سے بھی زیادہ پابندی ہوئی جو منشور میں باقی رکھے گئے۔ ۱۲۹۷ء کے توثیق منشور نے منشور اعظم کی روایت کو بحال کر دیا اور بادشاہ اور اس کے جانشینوں کو سختی کے ساتھ اس کی پابندی کے لئے مجبور کر دیا۔ اگرچہ اس وقت یہ چیز جاگیری الفاظ میں ظاہر نہیں کی گئی، مگر اس کو پھیلا کر اس میں تمام غیر جاگیری محاصل شامل کر دئے گئے جن کا اس زمانے میں علم تھا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا کہ جن لوگوں نے اس وثیقے کو مدوّن کیا ہے وہ سوائے جاگیری مطالبات کے جملہ اشکال محاصل کو شامل کرنا چاہتے تھے اور ان کو یقین تھا کہ انھوں نے انھیں شامل کر لیا ہے۔ آیندہ جب کبھی یہ سوال اٹھایا گیا تو اس اصول کی یہی تعبیر کی گئی۔ اس کے بعد سے ہر انگریز بادشاہ نے اس کو عمل کا اساسی قاعدہ سمجھا اور اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا اس کے پہلے جملہ بادشاہ یکے بعد دیگرے آمدنی کی جدید شکلیں پیدا کر کے اور یہ ادعا کر کے کہ ان پر یہ اصول منطبق نہیں ہوتا یا پرانے محاصل کو ناجائز طور پر وسیع کر کے اس اصول کے دباؤ سے بچنے کی کوشش کرتے رہے ہوں لیکن ۱۲۹۷ء سے یہ اصول دستور کا ایک اساسی قانون بن گیا کہ بادشاہ کو اپنی آمدنی کے لئے پہلے سے منظوری لینا لازم ہے۔ لہٰذا توثیق کی اس خاص صورت میں آکر یہ اصول چودھویں صدی میں اقتدار پارلیمنٹ کی، اور پھر تمام دستور کی بنیاد بن گیا۔

BIBLIOGRAPHICAL NOTE.—G. B. Adams, *The Origin of the English Consititution*, 1920. E. Barker, *The Dominican Order and Convocation*, 1913. N. S B Gras, *The Earty English Customs System*, 1918. D. Pa: quet, *Les Origines de la Chambre des Co mmunes*, 1914. L. O. Pike, *Constitutional History of the House of Lords*, 1894. A. F. Pollard, *The Evolution of Parliament*, 1920. G. W. Prothero, *Simon de Montfort*, 1877. L. Reiss, *Ursprung des Englischen Unterhauses*, *Historische Zeitschrift*, lx, 1, 1888. A. B. White, *The Concentration of Representatives*, *A. H. R.*, xix 735, 1914.

باب ۸

پارلیمنٹ کا ارتقا

تاریخ دستوری میں چودھویں اور سترھویں صدی دو بڑے دور ہیں جن میں اقتدار پارلیمنٹ کی ترقی عمل میں آئی اگرچہ سولھویں اور انیسویں صدی میں بھی پارلیمنٹ کی بہت کچھ ترقی ہوئی ہے لیکن ان دو ازمنہ ترقی میں جو اضافی پیشقدمی ہوئی ہے وہ اس نقطۂ آغاز کا لحاظ کرتے جہاں سے ان ازمنہ کی ترقی شروع ہوتی ہے اس کا مذکورہ دو ازمنہ ترقی سے مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ اگر چودھویں صدی کے آخر میں یہ بات حاصل ہوی تھی کہ سلطنت کے اندر پارلیمنٹ کی جگہ مستحکم ہو گئی تھی اور معین حقوق کا معتدبہ مجموعہ اس کے ہاتھ میں آگیا تھا جسے پارلیمنٹ نے بادشاہ کے مقابلے میں گویا جیت لیا تھا اور اگر اس کو ہم بیرونی مخالفت کا قائمقام تسلیم کرلیں کہ یہ دستور کے اساسی اصولوں کی محافظ ہے تو ابتدائے صدی میں اس کی حالت بالکل دوسری معلوم ہوگی۔ تیرھویں صدی کی جملہ ترقی کے باوجود جب چودھویں صدی آئی تو اس وقت تک پارلیمنٹ کا رنگ روپ نکھرا تھا اور اس کی ترکیب تنظیم اور طریقہ کار وغیرہ ابھی تک تعین نہیں ہوا تھا۔

ہم انگریزی دستور کے متعلق یہ سمجھنے کے عادی ہو گئے ہیں کہ اس میں ایک پارلیمنٹ ہے یا زیادہ قطعیت کے ساتھ ایک دارالعوام ہے جو قوم کی نمائندگی کرتا ہے اور حکومت کے تمام افعال و فرائض پر حاوی ہے لہذا اس کے خلاف یہ بات ذہن نشین کرانے میں بڑی

شکل پیش آئے گی کہ چودھویں صدی کے اوائل میں نہ صرف انگلستان میں بلکہ تمام یورپ میں پارلیمنٹ نیابتی حکومت کا صرف ابتدائی آلہ تھا۔ آگے چل کر اس کی جو کیفیت ہوئی اور جس حد تک یہ عملی حکومت میں دخیل ہونے لگی یہ سب ابھی توضیح طلب تھے۔ ابتک کسی چیز کا تعین نہیں ہوا تھا۔ جدید ادارے کے حقوق و فرائض واضح اور معین نہیں تھے اور اس کے آئندہ امکانات کے متعلق بھی کوئی علم نہیں تھا۔ چونکہ پارلیمنٹ جاگیری مجلس عظمیٰ کی قائم مقام تھی اور اس نے اِن اصولوں کو ورثے میں پایا تھا جو تیرھویں صدی میں اجرائے محاصل کی بابت قائم ہو گئے کہ قوم کا ہر طبقہ اپنے محاصل کے متعلق خود اظہار رضامندی کرے اس طریقے سے پارلیمنٹ کے لئے ایک نقطۂ آغاز مل گیا جہاں سے اپنے حصول اقتدار کے لئے پیشقدمی شروع کر دی۔ یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ پارلیمنٹ کہاں تک اس فائدے کے مفہوم سے واقف تھی۔ زیادہ سے زیادہ ہم اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک صرف نقطۂ آغاز تھا جسطرح دورِ تشکیل کے متعلق ہم ابھی ابھی کہہ آئے ہیں اسی طرح یہاں بھی پورے امکان کے ساتھ ہمیں یہ کہنا چاہئے کہ اس راستے میں جو قدم رکھا گیا ان کی رہنمائی میں حکومت کا کوئی نظریہ یا کسی آزاد دستور کی پیش بینی نہیں تھی بلکہ اس میں اس زمانے کا محض عملی مقصد شامل تھا۔

طریق نیابت کا آغاز۔ قومی مداخل ومخارج کو پورے طور پر ہاتھ میں لینے کے لئے بہت سخت اور طویل کشاکش کی ضرورت تھی۔ جہاں تک قانون سازی کا تعلق ہے جدید ادارے کے لئے اس وقت تک کوئی نقطۂ آغاز دستیاب نہیں ہوا تھا اور تدبر حکومت کے تعین کے متعلق تو پارلیمنٹ اپنا مستقبل پورے طور پر جانتی ہی نہیں تھی چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پارلیمنٹ نے خود اس ارادے سے ہاتھ اٹھا لیا اور اپنے آئندہ اقتدار کی بنیاد رکھی تو اس بےخبری میں رکھی کہ اسکو اپنے کام کا کچھ پتہ ہی نہیں تھا۔ تاہم زمانۂ حال کی پارلیمنٹی حکومت اس وقت تک وجود میں نہیں آسکی جب تک اسکو یہ تین امور حاصل نہیں ہوئے۔ اول تمام قومی مداخل ومخارج پر پارلیمنٹ کا پورا اختیار؛ دوسرے پارلیمنٹ کا مطلق حق قانون سازی جس میں دارالعوام کو مساوی شرکت حاصل ہو؛ تیسرے عام تدبیر حکومت کے تعین کا اختیار جو حکومت کی نوعیت اور مقصد کی رہنمائی کرے۔ چودھویں صدی کے آخر تک ان میں سے ایک چیز بھی ایسی مستحکم

نہیں ہوئی تھی کہ آئندہ کے خطرے سے محفوظ ہو جاتی تاہم ان تمام چیزوں میں سے کم از کم پہلی چیز ایسی ہے کہ اس میں تو بہت کچھ ترقی ہو چکی تھی اور نسبتہً بہت کم کام باقی تھا۔

گو چودھویں صدی کے اوائل میں بھی پارلیمنٹ اپنی ترکیب اور اپنی اندرونی تنظیم کا لحاظ کرتے میں معین اور واضح نہیں ہوئی تھی مگر یہ امور بہت جلد طے ہو گئے۔ رفتہ رفتہ یہ بات ذہن نشین ہوتی گئی کہ ذی اختیار پارلیمنٹ میں دو عناصر یعنے صوبوں اور بلدیات کے نمائندے شامل ہونے چاہئیں مجلس عظمٰی میں یہ جدید عناصر نہ تھے تاہم اس کے قدیم اختیارات عرصے تک باقی رہے اور چھوٹی کونسل بھی جو بادشاہ کے ساتھ مل کر کام کرتی تھی قائم رہی اور برابر پارلیمنٹ کے اختیارات پر کافی ضرب لگاتی رہی لیکن اس صدی سے جوں جوں زمانہ آگے بڑھتا گیا۔ ان چیزوں کی اہمیت زائل ہوتی گئی اور بہت مختصر ہو کر رہ گئی چنانچہ اگر پارلیمنٹ کو اپنے اصلی رنگ میں دیکھا جائے تو وہ اپنے اختیارات قانون سازی اور دیگر حقوق کے ساتھ قدیم نہیں بلکہ ایک جدید ادارہ تھی۔

کامل تنظیم کا اس کی ترکیب سے گہرا تعلق تھا۔ عام پادریوں کے نمائندوں کا جو مذہبی عنصر تھا وہ اس صدی کے وسط سے پہلے یعنے پارلیمنٹ سے یہ کہہ کر کنارہ کش ہو گیا کہ ہم خود اپنی مجلسوں میں جن کو مجالس کلیسائی (کانووکیشن) کہتے ہیں پارلیمنٹی فرائض ادا کرینگے جو پادریوں کی قانون ساز مجلسوں کے طور پر ایک صدی تک جاری تھیں۔ اس کا سبب یہ تھا کہ یہ لوگ اپنے محاصل کا اجرا خود اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتے تھے۔ اس سے نہ صرف یہ واضح ہوتا ہے کہ تیرھویں صدی میں ہر طبقے کو یہ جداگانہ حق حاصل تھا کہ وہ حکومت کو جو کچھ دے اس کو وہ خود طے کر لیا کرتے بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان طبقوں کو کچھ ڈر لگا ہوا تھا کہ یہ حق غائب ہو رہا ہے۔ چند دنوں تک تو یہ لوگ (prenu nientes) کے فقرے کی رو سے پارلیمنٹ میں برابر بلائے جاتے تھے لیکن بحیثیت طبقے کے انھوں نے کبھی شرکت نہیں کی اور ۱۶۶۴ء تک محاصل کی منظوری کا حق اپنے ہی ہاتھ میں رکھا۔ ان لوگوں کی کنارہ کشی سے یہ ہوا کہ پارلیمنٹ صرف دوسرے اور تیسرے طبقوں پر ہی مشتمل رہی کیونکہ اساقفہ اور راہب بیرنوں کے ساتھ دارالامرا میں برابر نشست کرتے رہے اور اپنے کو صرف پادری نہیں بلکہ مجلس عظمٰی کے ارکین بھی تصور کرتے رہے۔

مبارزوں کا بلدیوں کے ساتھ شریک ہونا۔ گو پادریوں کی کنارہ کشی سے یہ مسئلہ صاف طور پر طے نہیں ہوا کہ جدید اداروں میں ایوانوں کی تعداد کیا رہے گی۔ تیرھویں صدی کا یہ عام طریقہ تھا کہ جدید عناصر مجلس عظمیٰ کے ساتھ ایک ایوان میں نشست کر لے تھے۔ یورپ میں ہر جگہ طرز عمل یکساں نہیں تھا۔ اراگان میں مبارزوں نے اپنا ایوان علیحدہ بنا لیا تھا اور اکثر ممالک میں یہ بیرنوں کے ساتھ شریک تھے۔ سوئیڈن میں چار ایوان تھے کیونکہ احرار دیہات جداگانہ ایوان میں بیٹھتے تھے۔ اسکاچستان میں صرف ایک ہی ایوان رہا۔ مگر شہروں کے نمائندے اپنے آپکو بالکل جداگانہ عنصر تصور کرتے تھے اور جمعیت میں بھی انکی حیثیت منفرد ہوتی تھی۔ انگلستان میں یہ مسئلہ زیر بحث تھا کہ آیا مبارز ایوان بالائی میں ہمیشہ بیرنوں کے ساتھ شرکت کریں یا ایوان زیریں میں بلدیوں کے ساتھ شریک ہو جائیں۔ یہ سوال ایڈورڈ سوم کے عہد کے پہلے حصے میں حل ہو گیا تھا۔ اگرچہ مبارز صاحب اراضی اعیان کی ایک شاخ تھے لیکن وہ حیثیت میں ذرا گرے ہوئے تھے تاہم یہ لوگ بڑے شہروں کے تاجر طبقے کے ساتھ شریک ہو کر دارالعوام کی تشکیل پر راضی ہو گئے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انگلستان میں اس خاص صورت کا پیدا ہونا کچھ خاص حالات کا نتیجہ تھا جنھیں پچھلے باب میں مختصراً بیان کر دیا گیا ہے۔

تاجر شہری حقیقت میں چھوٹے بیرنوں کے ہم پایہ تھے اور عدالت صوبہ میں ان کا ایک ہی درجہ تھا۔ اب چودھویں صدی عیسوی میں معاشرت میں بھی یہ لوگ ان کے ہم پایہ سمجھے جانے لگے ان کے بیٹے اور بیٹیوں کے مبارز خاندانوں میں بلا مخالفت شادی بیاہ ہونے لگے تھے وہ زمین بھی خرید سکتے تھے اور جب چاہتے بغیر کسی رکاوٹ کے اپنے خاندان کو مبارز خاندان بنا سکتے تھے۔ اگرچہ چھوٹے اور بڑے بیرنوں کے درمیان مفاد اور رواج کے قیود زیادہ ہو رہے تھے تو یہ قیود چھوٹے بیرنوں اور بلدیوں کے درمیان ٹوٹ رہے تھے۔ چودھویں صدی میں انگریز مبارز ہمیشہ کے لئے بلدیوں کے ساتھ مربوط ہو گئے اور دارالعوام کی تشکیل ہوئی تو انھیں دو طبقات کے اجتماع سے ہوئی۔ تشریح کے طور پر ہم کو زیادہ سے زیادہ صرف اس قدر کہنا چاہئے کہ مبارز اور بلدی ایک دوسرے کے ساتھ کافی مانوس تھے اور ان کے باہمی ملاپ میں زیادہ وقت پیش نہیں آئی۔

اس غیر ارادی واقعے کو غالباً پارلیمنٹ کی اس ترقی اختیارات سے بہت گہرا تعلق ہے جو چودھویں صدی میں سرعت کے ساتھ عمل میں آ رہی تھی کیونکہ یہ ترقی پارلیمنٹ کے

دونوں ایوان کی یکساں نہیں بلکہ صرف دارالعوام کی تھی اگر دارالامرا کو فی نفسہ دیکھا جائے تو اس صدی کے اوائل میں اس کی اہمیت کچھ ہی کیوں نہ ہو لیکن اواخر صدی میں مقابلۃً اس کی بہت کم اہمیت رہ گئی تھی۔ بات یہ تھی کہ اس زمانے میں دارالعوام میں اہلیت رہنمائی قابل تعریف پائی جاتی تھی اس میں خوداعتمادی تھی اور یہ احساس تھا کہ ہم امرا اور شاہی وزرا سے کم نہیں ہیں۔ یہ بات اس زمانے میں تو کیا اس کے بعد مدت تک براعظم یورپ کے تیسرے طبقے میں نہیں پیدا ہوئی۔ اکثر علمائے سیاسیات نے ان دوایوانی مقننہ کو بہت سراہا ہے اور بعض تو اس کو سیکسنوں کی سیاسی ذہنیت کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ان تمام دساتیر میں جو انگریزی دستور سے ماخوذ ہوئے ہیں اس شکل کو ترجیح دی گئی اور عملاً یہ ترمیم مستحسن ثابت ہوئی ہے۔ تاہم تشکیل پارلیمنٹ کی تاریخ پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ چودھویں صدی کا یہ فعل کسی دانستہ خیال کا نتیجہ نہیں تھا نہ اس معاملے میں کسی غیر معمولی سیاسی ذہنیت کو کام میں لایا گیا تھا بلکہ یہ ایک حسن اتفاق تھا یعنے پادریوں کا کنارہ کش ہونا زیادہ تر اس نتیجہ کا باعث ہوا۔

ہم جانتے ہیں کہ دارالامرا دراصل قدیم مجلس عظمیٰ ہی کی دوسری شکل تھی، چنانچہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ پارلیمنٹ کی تشکیل سے دارالامرا وجود میں آیا، گو اسمیں شبہ نہیں ہے کہ اسکی وجہ سے طبقۂ امرا کی تشکیل ضروری ہوی۔ اس میں یہ بات درحقیقت بہت اہم ہے کہ بیرنوں کی جگہ زمانۂ حال کے امرا (یعنی معاشری امرا) نے اسوقت تک نہیں لی جبتک کہ پارلیمنٹ کا دستور پورے طور پر منتظم نہ ہوگیا۔

ایک امیر دارالامرا میں صرف اس وجہ سے بلایا جانے لگا کہ وہ ایک بیرن ہے اور اس کو بیرنی حاصل ہے جس کا وقت واحد میں صرف ایک ہی مالک ہوسکتا تھا۔ دیگر اراکین خاندان کو دارالامرا میں کوئی نشست نہیں ملتی تھی گو دارالعوام میں جانے کا ان کو اختیار تھا بلکہ انکی حیثیت جملہ قانونی معاملات میں عوام کی سی سمجھی جاتی تھی۔ اس واقعے سے یہ بات پیدا ہوگئی کہ انگریز امارت نے کسی فرقے کی صورت اختیار نہیں کی اور اسمیں کبھی یہ کیفیت نہیں رہی کہ موروثی حقوق اور قرابت کی وجہ سے دوسرے اسمیں داخل ہی نہ ہوسکیں بلکہ ایک طرف ان میں عوام برابر شامل ہوتے جاتے تھے تو دوسری طرف یہ عوام میں اپنے بہترین خصوصیات کا اضافہ کرتے تھے۔

پارلیمنٹ کا مداخل پر قابو پانا۔ دور ارتقا میں داخل ہوتے ہی پارلیمنٹ کو حصول اقتدار کا ایک سنگ بنیاد مل گیا جس کا قیام توثیق منشور کے اصول کی صورت میں ۱۲۹۷ء میں عمل میں آچکا تھا اس کے ذریعے سے یہ طے ہو گیا تھا کہ بادشاہ کو اپنے مداخل کے لئے قبل از وقت منظوری لینا ضروری ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ پارلیمنٹ اس اصول کے استعمال سے صرف بتدریج واقف ہوئی اور صرف بتدریج ہی مملکت میں اپنی جگہ مستحکم کر سکی یہ بات تو پہلے ہر شخص جانتا تھا کہ یہ اصول اسقدر جامع نہیں ہے جس قدر اس اصول کے بنانے والے سمجھتے تھے۔ یہ صرف ایک اصول کی ابتدا تھی اور با اہمیت اختیارات کو ترقی دینے کا اصل کام ابھی باقی تھا اور انکی تکمیل کا دارومدار اس بات پر تھا کہ سب سے پہلے تین امور کی تکمیل کیجائے جن کی طرف اشارہ کیا جاچکا ہے۔ اول مداخل ملک کے جملہ اشکال پر پارلیمنٹ کا اقتدار؛ دوم قانون سازی میں دارالعوام کو مساویانہ رائے دینے کا حق؛ سوم تمام تدبیر مملکت کی نگرانی اور رہنمائی میں پارلیمنٹ کا پورا اختیار۔ یہی مقاصد کی ترقی ہے جو کسی میں کم اور کسی میں زیادہ تمام چودھویں صدی کی تاریخ پیش کرتی ہے۔

توثیق منشور کے تقریباً عین بعد ہی دوسرا قدم اٹھایا گیا۔ پہلے بہت آہستہ آہستہ یہ معلوم کرنے کی کوشش کی گئی کہ جو آلہ کار ۱۲۹۷ء میں ہاتھ آیا ہے اسکو بادشاہ کے خلاف کس طرح استعمال کیا جاسکتا ہے۔ یہ ہم پہلے پڑھ آئے ہیں کہ دستور کی حصانت پارلیمنٹ نہیں بلکہ ابھی تک بیرنی مخالفت ہی کے ذریعے سے ہوتی تھی لیکن یہ ارتقائے دستور آہستہ آہستہ بیرنی راستے کو چھوڑ کر پارلیمنٹ کی حفاظت اور سیادت کا رخ کر رہا تھا۔ اڈورڈ دوم کو تخت پر بیٹھے ہوئے کچھ زیادہ مہینے نہیں ہوئے تھے کہ اس نے اپنے خلاف ایک مستقل اور زوردار مخالفت کھڑی کر دی۔ اگرچہ یہ ہم دیکھ سکتے ہیں کہ یہ مخالفت جو اڈورڈ کے خلاف کھڑی ہوئی تھی وہ ان تمام مخالفتوں کے بہ نسبت جو اسوقت تک ظہور پذیر ہوئی تھیں۔ بہت تنگ نظر اور خود غرضانہ تھی تاہم اس نے تیرھویں صدی کے نظائر کی بھی پیروی کی اور اپنے مطالبات اور نتائج کو دستوری جامے میں پیش کیا اور منشور اعظم کے اساسی اصولوں کو مزید ترقی دی۔ ۱۳۰۹ء کی پارلیمنٹ میں جو محض مجلس عظمیٰ نہیں تھی بلکہ جدید نوعیت کی پارلیمنٹ تھی بادشاہ کے محاصل کی منظوری اس شرط پر دی گئی کہ بادشاہ عوام کی پیش کردہ شکایات کی فہرست پر جو دستاویز منظوری کے ساتھ منسلک ہے غور کرے اور انکا ازالہ کرے۔ فہرست

بذات خود کچھ اہم نہیں ہے اور اس سے کوئی دستوری ترقی ظاہر نہیں ہوتی اور پھر رقمی منظوریوں کے ساتھ ضروری شرائط کا منسلک کرنا پارلیمنٹی کارروائی کی مسلمہ خصوصیت ایک یا کئی پشتوں کے بعد بنی۔ لہذا پارلیمنٹ کی مسلسل تاریخ کو کہ وہ کسطرح بادشاہوں کے مالی ضروریات پر قابو پاکر ان کو عطاء اصلاحات پر مجبور کرتی تھی سنہ ۱۳۰۹ء یا اس کے پہلی کی ناقص مثالوں سے شروع کرنا صحیح نہیں ہوگا۔ تاہم اس بات پر غور کرنا دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ جب یہ چیز ممکن ہوگئی تو جدید پارلیمنٹ نے بہت جلد اس ہتھیار کے تجربے شروع کردیئے اور ایسی مثالیں قائم کردیں جن کی بعد کو تقلید ہونے لگی۔

دستوری نقطۂ نظر سے اڈورڈ دوم کا عہد (۱۳۰۷ء تا ۱۳۲۷ء) بہت اہم ثابت ہوا کیونکہ اول تو اس عہد نے ٹھوس اضافے کرکے محدود ملکیت کی عمارت کھڑی کرنے میں مدد دی مگر اس سے بھی زیادہ اس نے بادشاہ کو مجبور کرنے کی مثالیں قایم کردیں اور ان سے بعد کو حقیقی دستوری بحرانوں میں بہت مدد ملی۔ حلف تاجپوشی میں ایک جدید دفعہ بڑھائی گئی اور اس سے وہ ترقی نہایت وضاحت کے ساتھ قید قلم میں آگئی جو ۱۲۱۵ء سے منشور اعظم کے اساسی اصولوں کے متعلق جاری تھی۔ اڈورڈ سے یہ سوال کیا گیا کہ "حضور کیا آپ اس کو منظور کرتے ہیں کہ آپ ان قوانین اور عمدہ رواجات کی پابندی کریں گے جو آپکی قلمرو کی رعایا اختیار کرنا چاہے اور کیا آپ خدائے تعالیٰ کی عظمت کو سامنے رکھ کر اپنی پوری قوت کے ساتھ ان کی حمایت اور تائید کریں گے"۔ ۱۳۱۱ء میں بیرنوں نے ۱۲۵۸ء کی نظیر کی تقلید کرکے پھر شاہی اختیارات کو ایک قانون کی روسے جس کو احکام (Ordinances) کہتے ہیں تفویض کردیا اور تمام بڑے عہدوں کی ماموری کو بیرنوں کی منظوری پر منحصر کردیا۔ ان "احکام" کی بدولت اکثر معاملات بیرنوں کے نقطۂ خیال کے مطابق طے ہوگئے لیکن انکی اسپرٹ وہی تھی جو قواعد اکسفورڈ کی تھی چنانچہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ انھوں نے دستوری ارتقا کو کچھ آگے بڑھایا ہو بلکہ صرف ایک جدید اور حالیہ مثال قایم کردی۔

۱۳۲۲ء میں پھر بادشاہ اسقدر طاقتور ہوگیا کہ پارلیمنٹ کے ایک قانون سے جسکی دستوری اہمیت میں غیر معمولی مبالغہ کیا جاتا ہے احکام (Ordinances) کو منسوخ کردیا گیا۔ اس قانون میں یہ جملہ شامل تھا جو "معاملات ہمارے آقا اعلیحضرت اور ان کے

جانشینوں کے لئے اور ملک و قوم کے لئے انجام دیئے جائیں گے وہ پارلمنٹ میں ہمارے آقا اعلیحضرت ملک کے پیشوایان مذہب ارل - بیرن اور عوام کی منظوری سے جیسا کہ ابتک رواج رہا ہے غور کر کے منظور اور طے کئے جائیں گے" بعض لوگ ان الفاظ کا یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ اس سے عوام کو جملہ قانون سازی میں اظہار رائے کا حق مل گیا تھا اور بعض یہ سمجھتے ہیں کہ یہ حق صرف دستوری قسم کی قانون سازی کی حد تک تھا لیکن یہ دونوں استنباط خلاف قیاس ہیں - الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ اس سے پچھلے عملدرآمد کو بدلنا مقصود نہیں تھا اور سچ تو یہ ہے کہ کوئی تبدیلی بھی نہیں کی گئی کیونکہ یہ امور اس واقعے سے عرصے کے بعد عوام کو حاصل ہوئے - یہ بات قرین قیاس نہیں ہے کہ لفظ عوام" (commanalis) پر کوئی خاص زور دیا گیا ہو - اس جملے سے صرف اس قدر ترقی معلوم ہوتی ہے کہ مملکت میں پارلیمنٹ کی جگہ مشخص ہو گئی -

پادشاہ کی معزولی - ۱۳۲۷ء میں شاہ اڈورڈ کو ایسے انقلاب نے معزول کر دیا جسکی وجہ سے اس کا کوئی مؤید باقی نہیں رہا تھا - معزولی کی اصل وجہ تو بادشاہ کے ساتھ ذاتی مخالفت تھی لیکن "فرد" الزام نے اس معزولی کو دستوری صورت دیدی اور یہ مثال رچرڈ دوم اور جیمس دوم کے حالات میں بہت ہی مفید ثابت ہوئی - بیرنوں کے مخالف گروہ کا حقیقی کام جو اس عہد میں انجام پایا ہے وہ ان الفاظ میں جمع ہے - بیرنی مخالفت کو جو زیادہ سے زیادہ سراہا جاسکتا ہے وہ اسطرح ہے کہ اس نے جسقدر اہل ملک کو قانونی حکومت کے تابع کر دیا اسیقدر بادشاہ کو بھی اس کا تابع کر دیا - منشور اعظم کا سب سے بڑا اصول کہ بادشاہ قانون کے تابع ہے اس میں بہت کچھ مغالطہ آمیز تعبیر کا احتمال تھا اور بیرنوں کا مسلک انکو ایک حد تک اس الزام کا مورد بناتا تھا - صاف روشنی میں دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ بیرنی مخالفت کے مقاصد یہ تھے کہ قانون کی ہمہ گیر طاقت حاصل کیجائے اور بادشاہ کے اختیارات کو جو بادشاہ قانون کو توڑ کر یا اسکی چشم پوشی کر کے استعمال کر سکتا تھا، کم کیا جائے "

اس صدی کے باقی حصے میں یعنی اڈورڈ سوم (۱۳۲۷ - ۱۳۷۷) اور اس کے پوتے رچرڈ دوم (۱۳۷۷ - ۱۳۹۹) کے عہد ہائے حکومت میں دستور کے اثباتی قوانین پر کثیر اضافے کئے گئے اور ساتھ ہی دوسرے اضافوں کے لئے راستہ صاف کیا گیا جیسے پہلے

کیا گیا ہے ان اضافوں کے ذریعے سے حکومت میں دارالعوام کے اختیارات بڑھا دیئے گئے۔

اجرائے محاصل پر قابو۔ اس دور کی بہت بڑی ترقی اجرائے محاصل پر قابو پاتا ہے۔ پارلیمنٹ نے شروع سے فراہمی آمدنی کے اختیارات کو تو اپنے ہاتھ میں کر لیا تھا۔ اس سے آگے بڑھکر اب وہ مداخل کے طریقوں پر تنقید اور تنقیح بھی کرنے لگی۔ جب ۱۲۹۷ء سے لوگوں نے توثیق مناشیر میں بادشاہ کو اس بات پر مجبور کیا تھا کہ بغیر قبل از وقت منظوری کے کوئی محصول عائد نہ کرے تو انھوں نے یہ سمجھا ہوگا کہ اس طریقے سے مداخل کے جملہ ذرائع کا سدباب ہو گیا لیکن چند سال کے بعد ہی انکو اپنی غلطی معلوم ہونے لگی۔ چودھویں صدی میں سب سے زیادہ کثیر المنافع پیداوار جو انگلستان سے برآمد کیجاتی تھی وہ اون تھی اور انگلستان کا اون ان مالدار دستکار شہروں کے لئے جو رود بار انگلستان کے دوسری جانب نشیبستان میں ترقی کر رہے تھے بڑی بھاری درآمد تھی۔ خانقاہوں اور صاحب جاگیر روسا سے اون خریدنے کے لئے اجنبی تاجر انگلستان میں سفر کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ ان لوگوں کو انگریزی دستور سے دلچسپی تھی نہ اس بات سے کہ اجرائے محاصل کے ذریعے بادشاہ پر قابو حاصل کیا جائے۔ برخلاف اسکے وہ تو یہ دیکھتے تھے کہ ساحلی شہروں۔ منڈیوں اور پُرخطر راستوں کی حفاظت کے لئے بادشاہ انکو اختیارات دیدے تو اچھا ہے، اور اس کے عوض میں یہ لوگ بادشاہ کو بہت کچھ دینے کے لئے تیار تھے۔ خود ملکی انگریز تاجر جو اگرچہ تعداد میں بہت کم تھے موقتی فائدہ کو نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ اون کے گٹھے پر محصول درآمد لگانے کے متعلق بادشاہ اور تاجروں کے درمیان معاملہ طے ہونا کچھ مشکل نہ تھا اور اس کا جمع کرنا بھی بہت آسان تھا اور محصول خوب ملتا تھا کیونکہ نہ صرف پیداوار کی کثرت تھی بلکہ اون کی قیمت بھی اونچی تھی۔ پارلیمنٹ کے لئے یہ معاملہ نبٹنا کچھ آسان نہ تھا کیونکہ ایڈورڈ سوم نے اسپر بہت زور سے بحث کی تھی کہ اہل ملک محصول ادا نہیں کرتے بلکہ باہر والے ادا کرتے ہیں۔ اگرچہ پارلیمنٹ اس دھوکے کو سمجھ گئی تھی اور یہ حجت پیش کی تھی کہ محصول دراصل خریدار سے لیا جاتا ہے۔ تاہم اس عہد کے آخر میں جاکر بادشاہ کو ہمیشہ کے لئے اس عملدرآمد سے دست بردار ہونے کے لئے مجبور کیا گیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جدید کروڑگیری عائد کرنیکا یہ طریقہ کہ تاجروں کے ساتھ علیحدہ گفت و شنید کی جائے۔ تیرھویں صدی کی طبقہ واری اجرائے محاصل کے اصول پر مبنی تھا۔ نیز توثیق مناشیر

میں بادشاہ کو یہ موقع دیا گیا تھا کہ وہ قدیم جاگیری امداد اور دیگر وصولات کے ذریعے مداخل بڑھا سکتا ہے۔ ان میں سے صرف (tallage) جو جاگیری قصبات پر عائد کیا جاتا تھا ایسا تھا جو مالگزاری کے طور پر وصول کیا جا سکتا تھا۔ ۱۳۱۲ء اور ۱۳۳۲ء میں (tallages) لئے گئے لیکن اس زمانے میں قصبات نہایت زور سے اپنی آواز بلند کر سکتے تھے اس لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ قصبات طویل مدت تک ایسی جابرانہ وصولات تسلیم کرلیں گو وہ کیسے ہی گاہے ماہے کیوں عائد نہ کئے جائیں۔ ۱۳۳۲ء میں پارلیمنٹ کی درخواست پر (جبکہ پارلیمنٹ نے ایک عام محصول منظور کر دیا تھا) ایڈورڈ سوم نے (tallage) منسوخ کر دیا اور یہ وعدہ کیا کہ "بجز اس صورت کے جو میرے آبا و اجداد نے اختیار کی تھی" اس کو میں پھر اختیار نہیں کروں گا۔ حقیقت میں یہ کوئی باضابطہ تنسیخ نہیں تھی لیکن اس کے بعد پھر (tallage) طلب نہیں کیا گیا۔

تاجروں کے ساتھ علحدہ گفت و شنید کرنے کا اختیار ایک بہت ہی اہم معاملہ تھا کیونکہ انپر ہر سال محصول عائد ہوتا تھا۔ اون کی پیداوار کی بہت قیمت آتی تھی اور ملک کی دولتمندی اسی پر منحصر تھی۔ ۱۳۰۳ء میں ایڈورڈ اول نے تاجروں کے ساتھ اون اور دوسرے اشیا پر (parva or nova custuma) مختصر یا جدید محصول عائد کر دیا یہ ۱۳۱۱ء کے احکام (Ordinances) سے منسوخ ہو گیا لیکن ۱۳۲۲ء میں پھر ایڈورڈ دوم نے اس کو جاری کر دیا اور ایڈورڈ سوم کی تخت نشینی کے وقت جس نے بعد کو اپنی مجلس کے ساتھ اسی قسم کے اور محاصل لگائے تھے یہ موثوق ہو گیا۔ ان وصولات کے خلاف پارلیمنٹ یا عوام نے بار بار توجہ دلائی یا اسی قسم کا اور محصول منظور کر کے اپنے اختیار کی تائید میں ایک نظیر قائم کرنے کی کوشش کی۔ ۱۳۵۳ء میں جدید کروڑگیری کے قواعد میں قانون اجناس (Statute of staples) شامل کر کے پارلیمنٹ نے اول الذکر کو قانونی شکل میں مبدل کر دیا۔ ۱۳۴۰ء میں رقمی منظوریوں کو مشروط قرار دیکر یہ قانون وضع کیا گیا کہ اسکے بعد کوئی محصول یا امداد بغیر پیشوایان مذہب، ارل، بیرن اور عوام کی منظوری کے عائد نہیں کئے جا سکتے اور منظوری بھی پارلیمنٹ میں ہونی چاہئے۔ اس قانون کا مقصد محض توثیق مناشیر کے نقائص کا ازالہ کرنا تھا تاہم بادشاہ طوعاً و کرہاً اس کے لئے راضی ہوا تھا اس لئے ۱۳۶۲ء اور ۱۳۷۱ء میں پھر اس ممانعت کی تجدید ضروری ثابت ہوی۔

تاہم یہ کہا جا سکتا ہے کہ جہاں تک تجربے سے معلوم ہوتا تھا اس عہد کے نظائر سے توثیق مناشیر کی بہت کچھ کمی پوری ہوگئی اور اب قانونی مداخل کی منظوری ۱۲۹۷ء کی طرح مبہم فقرہ میں یعنے "قلمرو کی عام رضامندی" میں نہیں بلکہ صاف اور واضح طور پر پارلیمنٹ کے ساتھ وابستہ کر دی گئی تھی جس میں دارالعوام برابر کا شریک تھا۔

پارلیمنٹی تعین اخراجات۔ نیز ان تجربوں سے پارلیمنٹ اس ہتھیار کی خصوصیت سے واقف ہوگئی جو اقتدار محاصل سے اس کو حاصل ہوا تھا۔ ۱۳۳۹ء میں عوام نے اپنی شکایات پیش کر کے رقمی منظوری کو دوسری پارلیمنٹ کے لئے ملتوی کر دیا اور ۱۳۴۰ء میں اصلاحات کی ایک باضابطہ فہرست تیار کی جس کو منظوری کے شرائط قرار دیکر اسکے ساتھ منسلک کر دیا اور ان کے متعلق پادشاہ نے رضامندی ظاہر کی۔ ۱۳۴۴ء میں پھر اس مثال کی پیروی کی گئی اور ۱۳۴۸ء میں اس بات پر زور دیا گیا کہ محصول کی منظوری سے پہلے شکایات کی تلافی ہونا چاہئے۔ ۱۴۰۱ء اور ۱۴۰۷ء میں اس سے زیادہ وسعت کے ساتھ اس مثال کی پیروی کی گئی۔

فرانس کے ساتھ جو طویل جنگ ہوئی اور جس سے ایڈورڈ سوم کا عہد بھرا پڑا ہے اس سے ایسے حالات پیدا ہوئے جو پارلیمنٹ کے لئے مفید مطلب تھے۔ پادشاہ کو برابر روپیہ کی ضرورت لاحق ہو رہی تھی اور وہ خود یہ سمجھتا تھا کہ اسوقت پارلیمنٹ جو مراعات طلب کر رہی ہے اس سے فرانسیسی مہم کی توقعات کہیں زیادہ اہم ہیں۔ ایڈورڈ سوم کے سوا کسی اور سابق انگریزی پادشاہ کو اسقدر کثرت سے رقمی منظوریوں کے لئے درخواست نہیں کرنی پڑی چونکہ ارکین پارلیمنٹ گراں بار مصارف جنگ سے واقف نہ تھے اسلئے یہ سمجھتے تھے کہ روپیہ ضرور برباد جاتا ہے ان لوگوں نے بادشاہ سے حساب طلب کرنا چاہا اور بادشاہ سے پوچھا کہ "ہم نے آپ کو پچھلے سال جو روپیہ دیا تھا اس کو آپ نے کیا کیا" مگر بادشاہ جنگ کے بھاری بھرکم مصارف سے ناواقف نہ تھا اور یہ قرین قیاس ہے کہ پادشاہ کے پاس اپنی دیانتداری ثابت کرنے کا سہل طریقہ یہی تھا کہ اس نے پارلیمنٹ کو خزانہ داروں کے تقرر کی اجازت دے دی کہ یہ لوگ منظورہ رقم جمع کر کے خرچ کریں اور خزانہ داروں کو یہ اجازت دی کہ پارلیمنٹ میں اپنا حساب پیش کریں یا پارلیمنٹ کی کمیٹی ان خزانہ داروں کی جانچ پڑتال کرلے۔

گذشتہ منظوری کے حساب کی جانچ کرنے کے لئے ۱۳۷۷ء میں ایک پارلیمنٹی کمیٹی مقرر کی گئی اور ۱۴۲۱ء میں یہ قانون بنا کہ اس غرض کے لئے مامور مقرر کئے جائیں۔

سنہ ۱۳۴۴ء میں پارلیمنٹ نے یہ مطالبہ کیا کہ منظورہ رقم صرف اسی مد میں صرف کی جائے جس کے لئے یہ طلب کیجاتی ہے۔ سنہ ۱۳۴۶ء میں پارلیمنٹ نے محض اسکاجستان کے خلاف ملک کی حفاظت کیلئے روپیہ منظور کیا۔ سنہ ۱۳۵۲ء میں اون کے محصول کو صرف جنگ کے استعمال کیلئے مقرر کیا گیا۔ سنہ ۱۳۷۰ء میں پارلیمنٹ نے دو اشخاص جن کو پارلیمنٹ میں حلف دیا گیا تھا اس غرض کے لئے مقرر کئے کہ منظورہ رقم اپنے قبضے میں لیکر اس کو کسی اور جگہ نہیں بلکہ صرف جنگ کے لئے صرف کریں۔ ایڈورڈ اپنے ارادوں کی صداقت سے واقف تھا اور وہ اس سادے طریقے سے پارلیمنٹ کو قائل کرنا چاہتا تھا کہ میں نے رقم صرف اسی طرح صرف کی ہے جس طرح وعدہ کیا تھا۔ یہ بات بادشاہ اور پارلیمنٹ کی سمجھ میں نہیں آئی تھی کہ ان مبادیات کا جو بظاہر بے بوٹ معلوم ہوتی تھیں کیا نتیجہ نکلے گا۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ پارلیمنٹی تعین اخراجات یعنے قومی مداخل کو حکومت کے مصارف کے لئے بالکلیہ معین کرنے کا پہلا زینہ تھا۔ زمانہ حال کی اینگلو سیکسنی پارلیمنٹیں اسکو منظوری مداخل کے اساسی اصول سے زیادہ اہمیت دیتی ہیں کیونکہ اس طریقے سے گو بالواسطہ سہی لیکن بڑی حد تک مسلک حکومت پر قابو حاصل ہوتا ہے۔ اگر کسی کام کے لئے پارلیمنٹ کی رائے نہ ہو کہ اس کے لئے روپیہ صرف کیا جائے تو حکومت کو وہ کام چھوڑنا پڑتا ہے۔ تاہم چودھویں صدی میں لوگ اس امکان کو نہیں دیکھ سکے اور اگرچہ یہ عملدرآمد ایڈورڈ سوم کے عہد میں شروع ہوکر رچرڈ دوم کے عہد میں قاعدہ بن گیا تھا اور لنکاسٹری دور میں اسکو بہت پھیلایا گیا تھا لیکن پندرھویں صدی میں ابھی پارلیمنٹ نے اسقدر ترقی نہیں کی تھی کہ اس حق کو اچھی طرح سمجھ سکتی اور اسکی حفاظت کر سکتی۔ مصارف حکومت کا تمام جزو کل جو آج پارلیمنٹ کے اقتدار میں نظر آتے ہیں وہ سترھویں صدی کے آخر میں جاکر پیدا ہوئے جبکہ پارلیمنٹ کے پورے اختیارات قائم ہوگئے تھے۔

دارالعوام۔ پارلیمنٹ کو جملہ محاصل پر اقتدار حاصل کرنا اسقدر مشکل نہیں تھا جسقدر دارالعوام کا قانون سازی میں مساوی آواز حاصل کرنا۔ اجرائے محاصل کی تو ایک پرانی کارروائی یہ تھی کہ رقمی منظوریاں جداگانہ طبقات کیجانب سے عمل میں آیا کریں اور یہ پارلیمنٹ کو گویا ورثے میں ملی تھی۔ اب اس کو پھیلا کر جدید حالات پر منطبق کر دیا گیا۔ قانون سازی میں اس قسم کی توریث تھی نہ توسیع۔ قانون سازی ایک ایسی کارروائی ہے جس میں قانون ساز

کو اپنے کام سے پوری واقفیت رکھنی پڑتی ہے اور اس طریقے سے یہ اجرائے محاصل کے نسبت نئی چیز تھی۔ گو جاگیری زمانے میں بہت کچھ قانون سازی ہوئی تھی لیکن انکی نوعیت زمانہ حال کی قانون سازی سے جداگانہ تھی۔ قانون سازی مجلس کے عدالتی فرائض کے ساتھ وابستہ تھی اور جاگیری نظریہ یہ تھا کہ جسطرح قانونی مقدمات میں بادشاہ کو تنہا فیصلے کا حق حاصل ہے۔ اسی طرح کسی چیز کا قانون قرار دینا بھی اسی کا اختیار ہے۔ اگرچہ دونوں صورتوں میں فیصلے بادشاہ کے بیرنوں کی رائے اور منظوری سے ہوتے تھے کہ دونوں صورتوں میں بادشاہ کا فیصلہ ناطق ہوتا تھا اور بیرنوں کو سوائے عرضداشت پیش کرنے کے کسی ہدایت کا حق حاصل نہیں تھا۔ جو عناصر مجتمع ہو کر نئے دارالعوام کی تشکیل کا باعث ہوے وہ جاگیری قانون سازی میں بالکل مفقود تھے۔ اگرچہ مبارز کبھی کبھی چھوٹے بیرنوں کی حیثیت میں مجلس عظمیٰ میں شریک ہوجاتے تھے لیکن قیاس یہ ہے کہ مجلس کے فیصلوں پر ان کا کوئی اثر نہیں تھا۔

تیرھویں صدی میں آہستہ آہستہ تبدیلی ہوئی اور قانون کا ایک واضح تصور پیدا ہوگیا۔ اس صدی کے وسط سے پہلے قانون موضوعہ اور قانون رواجی میں فرق محسوس ہونے لگا تھا۔ لفظ (Statute) قانون موضوعہ کے لئے استعمال ہونے لگا تھا اور اس کے متعلق یہ بات تسلیم کیجارہی تھی کہ یہ ایسی چیز ہے کہ خواہ رواج کچھ بھی ہو عدالتیں اسکے ماننے پر مجبور ہیں۔ ابتک قانون سازی کے قدیم و جدید طریقوں میں اور قوانین موضوعہ اور "احکامات" کے درمیان کوئی فرق نہیں تھا اور دونوں الفاظ استعمال ہو رہے تھے کیونکہ ابھی جدید طریقہ شروع نہیں ہوا تھا لیکن جسطرح ہم "قانون تجاراں" کی منظوری کی کیفیت دیکھ آئے ہیں یہ صرف اس صدی کی چیز تھی کہ جب تیسرے طبقے کو جدید حیثیت حاصل ہوگئی تو اس سے قانون سازی کی کارروائی پر معتدبہ اثر پڑنے لگا۔ اگرچہ جہاں تک ہم کو معلوم ہے ۱۲۹۷ء کی نمونہ پارلیمنٹ نے کوئی قانون نہیں بنایا مگر یہ اس بات کی ابتدا سمجھی جاسکتی ہے کہ جدید عناصر مجلس عظمیٰ کی قانون سازی میں شریک ہو کر حقوق اور امکانات سے فیضیاب ہونے لگے لیکن پہلے پہل یہ حقوق اور امکانات وہی تھے جو مجلس عظمیٰ کو حاصل تھے۔ چودھویں صدی میں پارلیمنٹ کو سوائے عرضداشت پیش کرنے کے کسی ہدایت کا حق حاصل نہیں تھا۔ بلکہ بادشاہ اور اس کی مجلس عظمیٰ یا

بادشاہ اور اسکی چھوٹی کونسل کو بعض اوقات قانون سازی کا حق حاصل ہوتا تھا۔

ان حالات میں پارلیمنٹ کی وہ کشمکش ہمارے سامنے آتی ہے۔ جو چودھویں صدی میں قانون سازی کے سلسلے میں شروع ہوئی۔ اس بات کو بھی ہم واضح کرا دئیے ہیں کہ موجودہ طریق قانون سازی میں جو خاص عملی وقت حل طلب تھی وہ یہ نہیں تھی کہ دارالعوام کا پُرانا حق از سر نو حاصل کیا جائے کہ مسلمہ عرضداشت کی صورت میں قانون سازی جاری کی جا سکے یہ کوئی مشکل چیز نہیں تھی مشکل تو یہ تھی کہ جدید قانون سازی کا بلا شرکت غیرے حق قائم ہو جائے، کونسل کی قانون سازی کے پرانے طریقوں کو میدان سے ہٹا دیا جائے اور جملہ قانون سازی پارلیمنٹی عرضداشتوں تک محدود کر دی جائے۔ چودھویں صدی میں دارالعوام نے اپنا یہی مقصد قرار دیا ممکن ہے کہ یہ غیر شعوری طور پر کیا گیا ہو یا ہو سکتا ہے کہ اسوقت جو عملی مقصد ان کے مدنظر تھا اسکی تکمیل کا ان کے پاس یہی واحد ذریعہ تھا۔ بہر حال یہ اسقدر سنگلاخ کام تھا کہ کئی پشتوں کے بعد جا کر اسکی پوری تکمیل ہو سکی۔

مشکل یہ تھی کہ فہرست قوانین میں جو قانون درج کیا جاتا تھا وہ عرضداشت عوام کے مطابق ہونا چاہیئے تھا۔ قدیم عملدرآمد یہ تھا کہ جو باضابطہ قانون اس فہرست میں درج کیا جائے وہ عرضداشت میں سے کیا جائے اور یہ بالعموم پارلیمنٹ کے برخاست ہونے کے بعد لکھا جاتا تھا۔ اس سے بادشاہ کو پارلیمنٹ سے بروقت بحث مباحثہ کئے بغیر ایسے قوانین میں دست اندازی کرنے کا موقع ملتا تھا جو اس کو ناپسند ہوتے تھے بعض صورتوں میں تو کچھ نہیں کیا جاتا تھا اور عرضداشت چپکے سے اڑا دی جاتی تھی۔ سنہ ۱۳۴۱ء میں ایڈورڈ سوم نے پارلیمنٹ کے ان مطالبات کو جو پارلیمنٹ کے برخاست ہونے سے پہلے منظور کر لئے گئے تھے قانون ماننے سے انکار کر دیا بعض دفعہ قانون کے نفاذ کو بدلنے کے لئے ایک استثنائی دفعہ بڑھا دی جاتی تھی اور بعض دفعہ وہ ضابطہ اڑا دیا جاتا تھا جو اس قانون کے نفاذ کے لئے ضروری ہوتا تھا اور بعض مرتبہ اسمیں ایسے اضافے کر دیئے جاتے تھے کہ اسکے انطباق کی شکل بدل جائے۔ ان غیر منظم عملدرآمد کی بدعنوانیاں ایڈورڈ سوم کے عہد سے زیادہ رچرڈ دوم کے عہد میں حد کو پہنچ گئیں لیکن ان کے لئے جن اصولوں کی ضرورت تھی ان کا پچھلے دور ہی سے احساس پیدا ہو چلا تھا۔ سنہ ۱۳۴۴ء اور سنہ ۱۳۶۲ء میں پارلیمنٹ نے ان قوانین کے خلاف عرضداشت پیش کی جن کو بادشاہ اور پادریوں نے بغیر پارلیمنٹ کے استمزاج کے پاس کر لیا تھا۔

سنہ ۱۳۴۰ میں خود پارلیمنٹ نے ایک کمیٹی اس غرض سے مقرر کی کہ پارلیمنٹ کی عرضداشتوں کو قوانین کی صورت میں بدل دیا کرے۔ سنہ ۱۳۴۱ میں پارلیمنٹ نے اس بات پر زور دیا کہ پارلیمنٹ میں جو جواب دیا جائے اس میں کوئی تبدیلی نہ ہونی چاہیے۔ قانون مزدوران سنہ ۱۳۴۹ میں پہلے ایک حکم کی صورت میں تھا بعد کو قانون بن گیا۔ یہی بات قانون پیداوار مجریہ سنہ ۱۳۵۳ پر صادق آتی ہے۔ سنہ ۱۳۶۳ میں پارلیمنٹ سے یہ پوچھا گیا کہ آیا پارلیمنٹ کسی امر کی قانون سازی کے متعلق شاہی احکام کو پسند کرتی ہے یا باضابطہ قانون کو پارلیمنٹ نے احکام کو پسند کیا تاکہ انہیں آسانی سے ترمیم ہو سکے اور اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ احکام کی خصوصیت ایسی مستقل نہیں سمجھی جاتی تھی جیسے باضابطہ قوانین کی۔

کونسل کے احکام ۔ اگرچہ چودھویں صدی میں یہ بات مان لی گئی تھی کہ ہر وضع قانون میں عوام کو رائے دہی کا حق ہے لیکن اس رعایت سے یہ مسئلہ بالکلیہ حل نہیں ہوا تھا۔ جس طرح مختلف بادشاہوں نے مالی قیود سے آزاد ہونے کے لئے نئے نئے محاصل ایجاد کئے اسی طرح جب انھوں نے پارلیمنٹ کے قیود سے نکل کر قانون سازی میں ذرا زیادہ آزادی کی خواہش کی تو پرانے اختیارات کی روایت میں (جو ایک زمانے میں بادشاہ اور کونسل کو حاصل تھے) بہت کچھ گنجائش نکال لی۔ کونسل کی قانون سازی کے باقیات یعنے احکام اور فرامین شاہی میں ازسر نو جان ڈالنے کی کوشش کرنے لگے آج بھی کونسل کے احکام (Ordinances) میں جو قدیم قانون سازی کی باقیات ہیں بہت وسیع گنجائش موجود ہے گو اب ان احکام پر پارلیمنٹ سخت نگرانی کرتی ہے۔ ان احکام نے انگلستان اور ممالک متحدہ امریکہ کے درمیانی تعلقات پر جو اثر ڈالا ہے وہ ہمیں یاد ہے چنانچہ زمانۂ حال کا ایک انگریز عالم اپنے ملک کے متعلق یہ کہتا ہے کہ ”اس زمانے میں ہم پر احکام شاہی کے ذریعے سے جو مقننہ کی براہِ راست گرفت سے باہر ہیں بہت کافی وسعت سے حکومت ہوتی ہے اور اکثر لوگ اس سے بہت کم واقف ہیں۔

تیسری مد یہ تھی کہ تدبیر مملکت کو قبضے میں لیا جائے۔ اس خصوص میں پارلیمنٹ نے چودھویں صدی میں جو ترقی کی کہ وہ دوسرے شعبہ ہائے ترقی کے بہ نسبت بہت کم تھی۔ ہم یہ مختصر طور پر دیکھ کر آئے ہیں کہ کس طرح بادشاہ کی مالی دست نگری سے فائدہ اٹھا کر زمانۂ حال کے تعین اخراجات کی بنیاد ڈالی گئی تھی۔ اس عملدرآمد کی ترقی سے یہ

اقتدار بھی حاصل ہو سکتا تھا لیکن اس سلسلے میں سوائے داغ بیل ڈالنے کے اور کچھ نہیں کیا گیا۔ بیرونی مخالفت کے قدیم طریقے میں بھی کوئی ترقی نہیں کی گئی حالانکہ یہ طریقہ ابھی سب کو یاد تھا کیونکہ ۱۳۴۱ء میں یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ بڑے عہدہ داروں اور عادلوں کا تقرر پارلیمنٹ ہی میں ہونا چاہیئے۔ مگر اس صدی کے وسط کے بعد ہی ایک اور طریقہ کار پیدا کیا گیا جو زمانہ وسطیٰ کے حالات سے مناسب تھا اور جب اس سے کام لیا گیا تو یہ غیر پارلیمنٹی مسلک کا سد باب کرنے میں بہت موثر ثابت ہوا۔ سچ تو یہ ہے کہ ایک خاص تدبیر مملکت پر تسلط پانا بظاہر چھوٹی سی بات تھی۔ برخلاف اس کے اس طریقہ کار کا دائرہ بہت وسیع تھا اور اس کو زمانہ وسطیٰ کی محدود ملوکیت کے قیام کیلئے اداراتی مظاہرے کی بہترین کوشش سمجھنا چاہیئے یعنے یہ ایسے اداراتی اشکال پیدا کرنے کی کوشش تھی جس کے ذریعے سے بلا خوف انقلاب اور خانہ جنگی پادشاہ پر قابو حاصل کیا جا سکتا تھا۔ اس روشنی میں دیکھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ یہ آج تک محدود ملوکیت کا سب سے اعلی اور سب سے زیادہ کامیاب اداراتی مظہر رہا ہے اور کامیاب بھی اسقدر کہ بطور نظریہ کے یہ آج تک انیگلوسیکسن دستور کا ایک بڑا جزو سمجھا جاتا ہے یہ مواخذے کی کارروائی ہے۔ سب سے پہلے یہ طریق کار ۱۳۷۶ء میں ایڈورڈ کے وزرا کے خلاف ذرا نامکمل حالت میں اور پھر ۱۳۸۶ء میں رچرڈ کے وزیر ارل سفک کے خلاف استعمال کیا گیا۔

مواخذے کی کارروائی۔ مواخذے کی کارروائی واضح کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ممالک متحدہ کے دستور کا بھی مشہور جز ہے جو انگریزی دستور سے منتقل ہوا ہے۔ صرف اسقدر کہنے کی ضرورت ہے کہ چونکہ پارلیمنٹ کا جدید عنصر یعنے دارالعوام قدیم عدالت شاہی کا جز نہیں تھا اور اس طریقے سے اس کو سماعت مقدمات کے فرائض کا کوئی متروکہ نہیں ملا تھا اس لئے یہ جدید طریقہ عمل میں ستنیٹ جماعت کے طور پر آزادانہ کام کرنے لگی۔ یہ کارروائی اصولاً وزرا کی ذمہ داری پر جس حد تک ازمنہ وسطیٰ میں ذمہ داری کے معنے سمجھے جاتے تھے۔ مبنی تھی۔ یہ اصول اس مقولے میں کہ "بادشاہ سے کوئی غلطی سرزد نہیں ہو سکتی" ظاہر کیا جانے لگا۔ یہ سیاسی مقولہ کچھ مطلق العنان شاہی کا محور نہیں ہے گو یہ ظاہر اس سے یہی مفہوم مترشح ہوتا ہے بلکہ یہ دستور کی بنیاد

جس پر محدود ملوکیت کی عمارت قائم کی گئی ۔ اس سے اس امر کا ادعا نہیں کیا جاتا کہ حکومت سے کوئی غلطی سرزد نہیں ہوگی یا حکومت سے جو حرکت بھی سرزد ہو وہ جائز ہے ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حکومت سے غلطی سرزد ہو تو اسکا ذمہ دار پادشاہ نہیں بلکہ وزرا ہوں گے ۔ ۱۶۲۶ئہ میں ڈیوک بکنگھم کا مواخذہ شروع کرتے ہوئے جو چارلس اول کے شاہیت پرست خیالات کے خلاف پارلیمنٹ کا پہلا قدم تھا ۔ دارالعوام میں سر ڈڈلے ڈیگیس نے کہا تھا کہ " انگلستان کے قوانین نے ہمیں سکھلایا ہے کہ سلاطین ناجائز اور غیر آئینی امور کے متعلق حکم نہیں دے سکتے ، چنانچہ جو کچھ برے کام ہوں گے ان کے عامل ان کے جوابدہ ہوں گے ۔

اس تاویل میں جو مواخذے کے متعلق کی گئی تھی ۔ دو چیزیں نظر آتی ہیں ایک دستور کی ترقی میں اصول مواخذہ نے کیا حصہ لیا دوسرے یہ کسطرح ان پچھلی کوششوں میں مدغم ہو گیا جو محدود ملوکیت کو ادارتی جامہ پہنانے کے لئے کی گئی تھیں ۔ اگر پادشاہ ذاتی طور پر اپنے افعال کا ذمہ دار قرار دیا جائے تو ہمیشہ خانہ جنگی کا ایک بڑا خطرہ لگا رہیگا کیونکہ تاریخ میں اکثر دیکھا گیا ہے کہ ایک بدترین پادشاہ کی تائید پر کوئی نہ کوئی فریق ضرور کھڑا ہو جاتا ہے لیکن اگر وزیر کو سخت ذمہ داری میں جکڑا جائے تو اس میں بہت کم خطرہ باقی رہتا ہے ۔ جب پادشاہ کے وزرا کو تلقین کردی جائے گی کہ اگر وہ پارلیمنٹ کے منشا کے خلاف پادشاہ کی حکمت عملی کو پورا کریں گے تو اپنے افعال کے وہ سختی سے جوابدہ ہوں گے تو طرح سے غیر ذمہ دار خود سر پادشاہوں کا راستہ مسدود ہو جائے گا ۔

یہ ظاہر ہے کہ مواخذے کی کارروائی زمانہ حال کی حکومت کابینہ کی طرح وزارتی ذمہ داری کے اصول پر مبنی تھی لیکن زمانہ وسطیٰ کا اصول زمانہ حال کے اصول سے نہ صرف تصور بلکہ طریقہ نفاذ میں اسقدر مختلف تھا کہ اپنے مبدا اور نوعیت میں دونوں ایک دوسرے سے متباین نہ تھے یہ تباین بعد کو تفصیل سے دکھایا جائے گا ۔ یہاں یہ بیان کردینا کافی ہے کہ زمانہ حال کا ایک وزیر رسمی طور پر پارلیمنٹ کے سامنے ذمہ دار نہیں بلکہ پادشاہ کے سامنے ذمہ دار ہے ۔ اسپر جو حقیقی ذمہ داری ہے وہ بالواسطہ اور دریپردہ ہے ۔ قرون وسطیٰ کا وزیر براہ راست اور قطعاً پارلیمنٹ کے سامنے ذمہ دار تھا ۔ مواخذے کی کارروائی ایسی تھی جیسے فوجداری سماعت ہوتی ہے ۔

پارلیمنٹ کا ایوان زیریں یعنے دارالعوام مستغیث جماعت کے طور پر کام کرتا تھا۔ وزیر ملزم کے خلاف الزامات مرتب کرتا تھا اور اس کو دارالامرا کے سامنے سماعت کے لئے پیش کرتا تھا اور دارالامرا ان عدالتی فرائض کے سلسلے میں جو قدیم مجلس عظمی کو حاصل تھے۔ بطور عدالت کے کام کرتا تھا۔ سماعت کا انجام کبھی وزیر کی براءت پر ہو جاتا تھا اور دارالامرا اس کو مجرم قرار دیکر اسپر سنگین سزائیں عائد کرتا تھا اور کبھی سزائے موت بھی دی جاتی تھی۔ یہ ذمہ داری اسقدر سخت بلاواسطہ اور براہ راست ہوتی تھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ خود پارلیمنٹ ہی نے وزرا کا تقرر کیا ہے۔ بعض صورتوں میں زمانہ وسطی کی پارلیمنٹوں نے درحقیقت ایسا تقرر کیا بھی ہے۔ تاہم اس کا مقصد اور نتیجہ دونوں ظاہر ہے۔ یہ زمانہ وسطی کے ان تجربوں کی آخری اور بہترین شکل تھی جس کا منشا یہ تھا کہ منشور اعظم کے پچیس بیرنوں کی مجلس یا قواعد اکسفورڈ کے ناموروں کی طرح پادشاہ پر حقیقی ذمہ داری عائد کی جائے اور جہاں تک ممکن ہو انقلاب اور خانہ جنگی کا خطرہ نہ پیدا ہو۔ یہ قرون وسطی ہی کی پیداوار تھی اور چونکہ یہ اس خصوص میں اچھی ثابت ہوئی تھی اس لئے یہ زمانہ حال کے دستور میں منتقل ہوگئی اور اب اس کی حیثیت پچھلے باقیات سے زیادہ نہیں ہے۔

مواخذہ اس بات کی علامت اور بیّن ثبوت ہے کہ چودھویں صدی میں پارلیمنٹ کا زور بڑھ گیا تھا لیکن اگر اس کو ایک ادارہ سمجھا جائے تو اسکی اہمیت محض ظاہری اہمیت سے کبھی زیادہ ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس کو ایک نتیجہ سمجھنا چاہئے اور نتیجہ بھی ایسا کہ اس نے نہ صرف اس صدی کی تمام ترقیوں کو بیک وقت ظاہر کر دیا اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس صدی کی ترقی کے تمام راستے ایک محور پر جمع ہو کر آئندہ ترقی کے لئے ایک زوردار محرک بن گئے۔

مختلف امور یعنے مالیات۔ قانون سازی اور ایک حد تک تدبیر مملکت میں پادشاہ کو تابع بنا کر اختیارات قایم کرنا ایک بہت بڑا کام تھا جو پارلیمنٹ انجام دے رہی تھی۔ یہ مجموعہ قوانین کو وسیع کر رہی تھی ایسے قوانین جن کی پابندی منشور اعظم کے ادعا کے مطابق پادشاہ پر لازم تھی، یا یوں کہنا چاہئے کہ پارلیمنٹ قوانین میں تبدیلی کر رہی تھی۔ سیاسی جاگیریت اب باقی نہیں رہی تھی۔ مملکت کے واجبی خدمات کے لئے

جن کا انجام دینا ایک زمانے میں ضروری تھا اور اب نئے نئے طریقے نکل آئے تھے۔ جن حقوق پر بیرنوں نے منشور اعظم میں بہت زور دیا تھا وہ سب متروک اور از دیاد رفتہ ہو گئے تھے خود بیرن ہی غائب ہو رہے تھے اور انکی حالت زمانہ حال کے امرائی سی ہوتی جاتی تھی۔ جو اپنی قدیم جاگیر خود مختاری کے مقابلے میں خطاب۔ آمدنی اور دربار شاہی کی نشست زیادہ اہم سمجھ رہے تھے۔ لیکن منشور اعظم کے اصل اصول متروک ہوئے تھے نہ از دیاد رفتہ بلکہ یہ پچھلے زمانے کی تمام ترقی اور تحویل میں بھی کبھی نظر سے اوجھل نہیں ہوئے تھے اور پادشاہ ان قوانین کی پابندی کے لئے مجبور تھا جن کو قوم ترقی کے ہر زینے پر اپنے مفاد اور اپنے اساسی حقوق کے لئے ضروری سمجھتی تھی۔

جدید اساسی قوانین۔ اس کی مزید وضاحت یہ ہے کہ چودھویں صدی میں پارلیمنٹ نے مملکت میں اپنے لئے جگہ کر لی اور آئندہ اختیارات کی بنیادیں ڈالکر پادشاہ کو اجرائے محاصل قانون سازی اور تدبیر مملکت میں جکڑ دیا اگرچہ قانون سازی اور تدبیر مملکت میں یہ جکڑ بندی بہت کم تھی لیکن ان سے آئندہ ترقی کے امکانات پیدا ہو گئے تھے۔ اس نے مملکت کے لئے جدید اساسی قوانین بنائے جو منشور اعظم کے مرتبہ اصول جاگیریت کی بدلی ہوئی شکل تھی اور جنھوں نے خود اسکی جگہ لے لی۔ یہ دستور ملک کی جدید بنیادیں تھے جن سے شاہی اختیارات محدود ہوتے اور یہ ان اصولوں کے علاوہ تھے جو منشور اعظم کے بنائے ہوئے باقی رہ گئے تھے جیسے قوانین رسد اور عدالت۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ان قیود کو قائم کر کے پارلیمنٹ دستور کی محافظ بن گئی تھی کیونکہ دستور انھیں پر قائم ہو گیا اور یہ قیود اب اس "بیرنی مخالفت" کے قائم مقام تھے۔ جو پوری تیرھویں صدی میں اور چودھویں صدی کے ابتدائی حصے میں تحدید اختیارات شاہی کے فرائض ادا کرتی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ تبدیلی محدود ملوکیت کی تعمیر میں بہت مفید ثابت ہوئی۔ بیرنی مخالفت جو غیر منظم، تنگ نظر اور خود بیں ہونے کے ساتھ اکثر ذاتیات پر مبنی ہوتی تھی اور جس سے تسلسل مقصد قائم رکھنا تو کجا شعوری طور پر نظائر جمع کرنا بھی ناممکن تھا، اسکے قبضے سے اب مخالفت کی باگ ایسے ادارے کے ہاتھ میں چلی گئی جس کی جد و جہد کبھی موقوف نہیں ہوئی اور جس نے حاصل کی ہوئی چیز کو کبھی از دیاد رفتہ ہونے نہیں دیا۔ اسمیں مسلسل ترقی اور زمانہ سازی کی صلاحیت تھی یہ مواخذے کی کارروائی

کا اس اصول پر قایم ہونا کہ شاہی حکمت عملی کے ناخدا براہ راست پارلیمنٹ کے سامنے جوابدہ ہوں اور اس طریقے سے پادشاہ پارلیمنٹ کے زیر اقتدار ہو جائے اس بات کا اوار تی اظہار تھا کہ دستور کی صیانت پارلیمنٹ کے قبضے میں آگئی ہے۔ اب ہم سب اجزا کو جمع کر کے یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس وقت صرف دستور کا ایک سرسری خاکہ تیار کر دیا گیا تھا جس میں بعد کو پورا رنگ بھرا گیا اور یہاں سے محدود ملوکیت کا اصول برابر آگے بڑھتا گیا۔ اگرچہ اسکے خلاف کہیں رد عمل بھی ہوا ہے لیکن یہ ترقی مسلسل تھی کیونکہ کوئی اصول ہمیشہ کے لئے کبھی نظر انداز نہیں ہوا۔

پارلیمنٹ کی فوقیت۔ اس تبدیلی کے بیان کرنے سے میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ پارلیمنٹ اپنے اس موقف سے واقف تھی جو اس نے حاصل کیا تھا اور اپنی حیثیت کے وسیع معنوں کو سمجھی ہوئی تھی۔ اس سے بعد کی پشت میں جو واقعات ظہور پذیر ہوے ہیں وہ ایسے ہیں کہ جن کی بنا پر ہمارا یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ بادشاہ اپنے طور پر صورت حال سے باخبر تھا۔ اس سے آیندہ شاہی اختیارات پر جو اثر پڑنے والا تھا اور اس کی روک تھام کے لئے پادشاہ نے جو کوشش کی اس مواد سے پارلیمنٹ کی واقفیت میں بہت اضافہ ہوگیا چونکہ رچرڈ دوم کمسنی میں پادشاہ ہوا تھا اس لئے اسی دوران میں پارلیمنٹ کی حقیقی فوقیت ثابت ہوگئی اور اڈورڈ سوم کے عہد کے نظائر بھی موثق کر دئے گئے۔ خود کونسل ہی جو شاہی جدوجہد کا خاص آلہ تھا پارلیمنٹ کے ہاتھ میں گویا کٹھ پتلی بن گئی۔

چودھویں صدی کا آخری ربع وہ زمانہ تھا جبکہ ہر طرف انقلابی ولولے دکھائی دیتے تھے۔ اس زمانے میں ایک عظیم الشان معاشی تغیر واقع ہو رہا تھا جو زرعی مزدوروں کی حالت پر مستقل اثر ڈالے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ یہ کچھ کالی وبا کا نتیجہ تھا جو ۱۳۸۱ء کی کاشتکاروں کی شورش اور زرعی غلامی کے جلد جلد خاتمے کا باعث ہوئی۔ وکلف اور اس کے پیرو مذہب اور دینیات کے پردے میں انقلابی تعلیم دے رہے تھے جس کے ممکنہ انطباق سے سیاست میں بھی انقلابی کیفیت رونما ہو رہی تھی۔ حکومت کے سلسلے میں اس انقلاب کو فروغ ہونا ضروری تھا کیونکہ اس زمانے میں پارلیمنٹ کے اختیارات تیزی سے بڑھ رہے تھے، ساتھ ہی فرقہ وارانہ کشمکش پھیل رہی تھی

اور دوسری طرف بادشاہ کی روش میں بھی تبدیلی ہو رہی تھی۔ فرقہ واری کشمکش ایڈورڈ سوم کے آخری زمانے سے چلی آرہی تھی اور ان حالات میں جبکہ شاہی جانشینی کے لئے اصول کلانیت کو پہلی دفعہ شد و مد کے ساتھ عمل میں لایا گیا تھا اس کشمکش کو اور ترقی ہوگئی۔ کمسن ہونے کے باوجود رچرڈ اپنے دادا کا جانشین ہوگیا حالانکہ اس کے مقابلے میں اس کے چچا پختہ عمر والے۔ دولتمند۔ ذی اثر۔ اور کافی حوصلہ مند آدمی تھے۔ اگر بادشاہ کی حکمتِ عملی کے متعلق جو تاویل ہمنے کی ہے اس کی صحت کا ہمیں یقین ہوتا تو رچرڈ دوم کا عہد ہمیں زمانہ وسطیٰ کی تاریخ دستوری میں بہت زیادہ دلچسپ اور سبق آموز نظر آئے گا۔ یہ عہد پارلیمنٹ کی حاصل کی ہوئی تمام ترقی کو یکجا کرکے دستوری ملوکیت کو جس کا درحقیقت پہلے سے وجود تھا بے نقاب کر دیتا ہے اور گو یہ دستوری ملوکیت اپنی حکومت کے تمام اجزا میں ساری نہیں ہوئی مگر اس کا ایک خاکہ ضرور تیار ہوگیا۔

بادشاہ کی کمسنی سے فائدہ اٹھاکر پارلیمنٹ نے ان نظائر پر عمل کرنا شروع کر دیا جو اس کو دونوں طرف سے ورثے میں ملے تھے، ایک بیرنی مخالفت سے (یعنے کونسل اور عہدہ داروں کے تقرر پر قابو پانا) دوسرے پارلیمنٹ کے اختیارات سے جو ایڈورڈ سوم کے زمانے میں حاصل ہوئے (یعنے اجرائے محاصل اور مخارج، عطائے رعایات اور بلاشرکت غیرے قانون سازی پر اقتدار حاصل کرنا) جب رچرڈ سن بلوغ کو پہنچا تو بہت تیز مزاجی ظاہر کرنے لگا، فضول خرچی کرنے لگا اور ملکی مفاد کو اپنی خودغرضی کے بھینٹ چڑھانے لگا نیز وہ کسی قسم کے دباؤ اور تنقید کو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اس عہد کے پرآشوب زمانے میں بادشاہ کے خلاف دو طاقتوں کا اجتماع ہوگیا۔ ایک بیرنوں کی دیرینہ مخالفت اور دوسرے پارلیمنٹ کی جدید مخالفت۔ گو پارلیمنٹ کے اختیارات تو ایڈورڈ سوم کے انتقال کے پہلے سے کئی مرتبہ تسلیم کئے جاچکے تھے اور وہ اس طریقے سے کہ دارالعوام میں وہ لوگ شامل کئے جاتے تھے جو کسی نہ کسی فریق کے ہمخیال ہوتے تھے۔ اور یہ کام شیرف کے ذریعے سے انجام پاتا تھا کیونکہ یہی نمایندے بھیجتا تھا۔

جب رچرڈ سنِ بلوغ کو پہنچا تو مخالفت کا پیمانہ لبریز ہوگیا تھا اس کو علانیہ

ایڈورڈ دوم کا حشر یاد دلا کر دھمکی دی گئی اور دو دفعہ اس بات پر مجبور کیا گیا کہ پارلیمنٹ یا "امرائے مرافعہ" کے سامنے سرِ تسلیم خم کرے۔ آخر کو اس نے اچانک وار کر کے امرائے مرافعہ کو زیر کر دیا اور اپنے بالغ ہونے کا اعلان کر دیا اس کے بعد آٹھ سال تقریباً دستوری حکومت کے گزرے۔ اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بادشاہ کے کردار بدل گئے ہیں لیکن بہت سوں نے یہ بھی سمجھا کہ وہ صرف انتقام کے لئے موقع کی تاک میں ہے۔ اس لئے کہ جو بادشاہ کچھ نہ کچھ ملوکیت کے معنی سمجھتا ہو کیا وہ اپنی اس حیثیت کو محسوس نہیں کر سکتا تھا جو دستور کی ترقی کی وجہ سے پیدا ہو گئی تھی یہ کہنے کے لئے ہمارے یہاں کوئی قطعی ثبوت موجود نہیں ہے کہ رچرڈ اس چیز کو سمجھ گیا تھا اور اس نے شخصی اور غیر محدود شاہی حکومت کے ازسرِنو قائم کرنے کا ارادہ کر لیا تھا جو اس کے آباء و اجداد کو حاصل تھی۔ تاہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس نے اپنے عہد کے آخری زمانے میں جو کچھ کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ اپنی حیثیت سمجھ جاتا اور بہت ہشیاری سے منصوبے باندھتا تو غالباً اپنے حسبِ منشا حکومت قائم کر لیتا۔ اس کے افعال سے ضرور یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ خاص طور پر اسی غرض کے تحت کئے گئے تھے

ایک خطرناک موقع۔ جب رچرڈ اپنے پیش نامہ کے اولین مدات کی تکمیل، اور مطلق العنانیت کی بنیاد قائم کرنے پر تیار ہو گیا تو اس نے اس غرض کے لئے پارلیمنٹ ہی کا استعمال کرنا ضروری سمجھا اور اس سے نہ صرف اقتدارِ پارلیمنٹ بلکہ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ رچرڈ اس اقتدار کو محسوس کرتا تھا۔ ایک طرف تو اس نے یہ کیا کہ قدیم طریقے کے مطابق پارلیمنٹ میں قابلِ اعتماد لوگ بھروئیے اور ساتھ ہی ویلز کے تیر اندازوں کی فوج کو نوکر رکھ کر پارلیمنٹ کو دھمکی دی۔ اس نے پہلے اس اصول کو قائم کرنا چاہا کہ اراکین اپنے جملہ افعال اور الفاظ کے لئے جو پارلیمنٹ میں صادر ہوں بادشاہ کے سامنے براہِ راست جوابدہ ہوں اور اگر غداری کا الزام ہو تو ان کو سخت سزا دی جائے۔ چنانچہ ۱۳۹۷ء میں ہیکزی نامی ایک رکن پارلیمنٹ پر اس وجہ سے کہ اس نے پارلیمنٹ میں ایسا مسودہ پیش کیا تھا جس کا بادشاہ سخت مخالف تھا سزائے موت کا فیصلہ سنایا گیا اس فیصلے کی تعمیل نہیں ہوئی لیکن اگر اس اصول کو عمل میں لایا جاتا

تو اس سے پارلیمنٹ کے ذریعے سے بادشاہ کی مخالفت کے امکان پر پانی پھر جاتا اس کے بعد پارلیمنٹ سے عمر بھر کے لئے اون کی محصول کی منظوری لے لی اور ایک کمیٹی مقرر کروالی جو بادشاہ کے تابع تھی اور جس میں پارلیمنٹ کے تمام اختیارات ودیعت کئے گئے۔ یہ صرف ابتدائی لیکن یہ ایسی چیز تھی کہ آگے چل کر مکمل قانونی آزادی کی صورت اختیار کر سکتی تھی۔ اس نے غیر اختیاری اور جو ورانہ محاصل بھی لگائے اور پارلیمنٹ کی منظوری کے بغیر ایک انتہائی قدم آگے رکھا یعنے کاغذات میں تحریف شروع کی اور اختیاری خصوصی کے ذریعے قانون کو معطل کر کے قوانین پارلیمنٹ کے تعطل کے اختیارات حاصل کر لئے۔

اگر بادشاہ کی جملہ کامیابیاں یکجا کی جائیں تو ہم یہ نتیجہ نکالے بغیر نہیں رہ سکتے کہ وہ ایک خاص منصوبے پر کام کرتا تھا اور اگر یہ مستقل ہو جاتے تو ظاہر ہے کہ دستور کا کوئی تسمہ لگا نہیں رہتا یہ ایسی مطلق العنانیت کا سنگ بنیاد تھا جیسے بعد کو رشیلو نے (فرانس) میں قائم کی اور یہ بنیاد ٹھیک اسی زمانے میں رود بار کے دوسری طرف چارلس "عاقل" کے ہاتوں پڑ رہی تھی۔ رچرڈ کے عہد کے آخری تین سال کو پہلا نازک زمانہ کہنا چاہئے جس میں سے انگریزی دستور کو گزرنا پڑا کیونکہ اس میں بادشاہ ترقی کی رو کو ہٹانے کے لئے ایک معقول اور باقاعدہ کوشش کر رہا تھا لیکن خوشی کی بات یہ ہے کہ اس نے مملکت کے اساسی قوانین پر ایسے وار کئے کہ ان کے ساتھ ذاتی جبر و ظلم بھی شامل تھا۔ اور اس سے فریق مخالف کے لئے ایک رہنما مل گیا۔ قوم ہنری بولنگ بروک کے تحت بادشاہ کے خلاف کھڑی ہو گئی اور یہ بہت جلد ظاہر ہو گیا کہ برے اخلاق و عادات کی وجہ سے رچرڈ کا کوئی ساتھ دینے والا نہیں یہی وجہ ہے کہ ۱۳۹۹ء کے انقلاب میں کسی قسم کی خونریزی نہیں ہوی۔

BIBLIOGRAPHICAL NOTE.— J. C. Davies, *The Baronial Opposition to Edward II*, 1918. N. S. B. Gras, *The Early English Customs System*, 1918. L. W. Vernon Harcourt, *His Grace the Steward and Trail of Peers*, 1907. G. Lapsley, *The Commons and the Statute of York*, *E. H. R.*, xxxiii, 124, 1913; *Knignts of the Shire in the Parliaments of Edward II* *E. H. R.* xxxiv, 25; 152, 1919. C. H. McIlwain, *The High Court of Parliament*, 1910. L. O. Pike, *The Constitutional History of the House of Lords*, 1894. A. F. Pollard, *The Evolution of Parliament* 1920. T. F. Tout, *The Place of Edward II in English History*, 1914; *The Administrative History of Mediæval England*, 2 vols., 1920.

باب ۹

پیشترس دستوری حکومت

ہنری بولنبروک نے جو انقلاب کی رہنمائی کی اور رچرڈ دوم کو زیر کیا تو غالباً اس کو اس بحران کے دستوری پہلو سے کوئی ذاتی دلچسپی نہ تھی۔ فطرۃً اس کی ذاتی خواہش یہ تھی کہ لنکاسٹری وراثت جس کو بادشاہ نے غصب کر لیا تھا حاصل کرے اور خوشگوار موقع سے فائدہ اٹھائے۔ لیکن یہ بات اس کے لئے دلچسپی سے خالی نہیں تھی کہ رچرڈ کی جابرانہ حکومت سے جو مخالفت پیدا ہو گئی تھی اس سے پورا فائدہ اٹھایا جائے اور اس کے بغیر وہ کامیاب بھی نہیں ہو سکتا تھا اگرچہ قرین قیاس یہ ہے کہ یہ مخالفت بڑی حد تک فریقانہ بیرنی مخالفت تھی اور تیرھویں صدی کی مخالفت کے بہ نسبت، جس کی وجہ سے مختلف اوقات میں بادشاہ سے جبراً مراعات حاصل ہو گئی تھیں کچھ زیادہ دور اندیش تھی اس لئے جیسے پہلے ہوا تھا اس نے بھی ۱۳۹۹ء کے انقلاب پر صاف دستوری رنگ چڑھا دیا۔ اس انقلاب کا اندازہ کرنے میں ہم کو وہ ترقی بھی مدِنظر رکھنی چاہئے جو ایڈورڈ سوم کے زمانے میں دارالعوام نے حاصل کی تھی کیونکہ گو رچرڈ کے خاتمے میں عوام نے کوئی نمایاں حصہ نہیں لیا تھا لیکن بادشاہ کی تائید کرنا بھی خاص معنے رکھتا ہے۔ اس کو ایک معنی خیز تاریخی واقعہ سمجھنا چاہیے کہ عین اس انقلاب کے مطابق جو ۱۶۸۸ء میں ہوا تھا قوم کی کوششوں نے دستور کو اُس بربادی سے

بچا لیا جس کا بادشاہ کی حکمت عملی سے ڈر لگا ہوا تھا۔ ہم اسکا دعویٰ نہیں کر سکتے کہ ۱۳۹۹ء میں قوم نے دستور کو اسی طرح صاف سمجھ لیا تھا جس طرح ۱۶۸۸ء میں جا کر سمجھا لیکن اس کا تو ہم دعویٰ کر سکتے ہیں کہ دونوں چیزیں اگلے دور میں اسی طرح موجود تھیں جس طرح پچھلے دور میں تھیں اور اس وقت دونوں چیزوں کا کچھ نہ کچھ دلی احساس ضرور ہوتا۔ اب رہا دستور تو اصولی شکل میں اس کے بڑے بڑے راستے ۱۳۹۹ء میں ایسے پڑ چکے تھے جس طرح آج موجود ہیں۔ البتہ ان اصولوں کو حکومت کے اجزا پر منطبق کرنے کی ابھی کوئی کوشش نہیں ہوئی تھی۔ پندرھویں صدی میں سب سے پہلے اس انطباق کا کام ہوا لیکن اصول تو یقیناً پہلے سے موجود تھے۔ ہم کو اکثر واقعات سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ جس چیز کو ہم قوم کی رائے عامہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں وہ کسی قدر دستوری قانون کی ماہیت سے واقف تھی اور اس بات کی اہمیت کو سمجھنے لگی تھی کہ انقلابی زمانے میں بھی جہاں تک ہو سکے نظائر اور مقررہ اشکال کے مطابق کام ہونا چاہیئے اور پارلیمنٹ کی اس حیثیت کا احساس ہونے لگا تھا جو پارلیمنٹ انصرام حکومت میں حاصل کر چکی تھی یعنے وہ حیثیت جس میں بادشاہ بے اختیار کر دیا گیا تھا اور اس بات کا احساس کہ اگر بادشاہ ان قیود کو توڑ ڈالے جو اس پر عائد کئے گئے ہیں تو کیا اختلاف ہوگا۔ تاہم اگر کوئی شخص اس کو ملحوظ نہ رکھے کہ ۱۳۹۹ء میں قوم کی واقفیت کہاں تک تھی تو خیر کوئی حرج نہیں لیکن تاریخی اعتبار سے واقعی اہم تر مسئلہ اس بحران کے متعلق یہ ہے کہ ۱۶۸۸ء کے ساتھ اس کی صاف و صریح مناسبت ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس انقلاب کو جو بہت جلد کامیابی ہوئی تو اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کی اٹھان دستوری تھی۔

انقلاب کی نوعیت۔ اس لحاظ سے یہ انقلاب مکمل تھا۔ لنکاسٹری خاندان اس طرح تخت پر آیا تھا کہ اس کے تخت و تاج کی سنبھال بغیر قوم کی تائید کے ممکن نہ تھی کیونکہ یہ انقلاب سے حاصل ہوئے تھے۔ اس کا منطقی نتیجہ یہ تھا کہ یہ خاندان ان حقوق کے ماننے کے لئے مجبور تھا جو پارلیمنٹ نے چودھویں صدی میں حاصل کئے تھے اور ان اختیارات کی پوری اجازت دینے پر مجبور تھا جن کو رچرڈ نے توڑ دیا تھا۔ حالات ایسے تھے کہ جدید بادشاہ کو بھی یہی مسلک اختیار کرنا پڑتا تھا کیونکہ خود ہنری چہارم کو جو انقلاب کا آفریدہ تھا مخالف انقلابوں کا خطرہ لگا رہتا تھا۔ لہٰذا ہنری کے لئے

صرف چارہ کار یہ تھا کہ اس کو جو مدد مل سکتی تھی اس پر بالکلیہ انحصار کرے کیونکہ اس کے بغیر وہ اپنی من مانی دست درازیاں نہیں کر سکتا تھا۔ یا پارلیمنٹ جیسے ادارے کی مخالفت مول لے جو بیحد طاقتور ہو گیا تھا۔ باوجود ہنری کی مسلمہ قابلیتوں کے اس کا عہدِ حکومت بالکل غیر اہم معلوم ہوتا ہے کیونکہ وہ ہر معاملے میں ایک معتدل اور درمیانی راستہ اختیار کرنے پر مجبور تھا۔ اس کا بیٹا اور جانشین ہنری پنجم جس کو شکسپیر "شاہزادہ ہال" کا لقب دیتا ہے اتنا طاقتور تھا کہ فرانس سے اس نے پھر جنگ شروع کر دی اور فتوحات حاصل کر کے بڑی شہرت حاصل کی۔ لیکن طویل مہمات نے اس کو انگلستان سے جدا رکھا اور حکومت لازماً دوسروں کے ہاتھ میں چھوڑ دینی پڑی تھی۔ اس کی قبل از وقت موت کی وجہ سے اس کا بیٹا ہنری ششم تخت پر بیٹھا چونکہ وہ شیر خوار تھا اس لیے اس کا زمانۂ کمسنی بہت طویل ثابت ہوا۔ اور جب وہ سنِ بلوغ کو پہنچا تو اس کی دماغی اور جسمانی کمزوری ایسی تھی کہ اس سے بھی اقتدار پارلیمنٹ کے برقرار رکھنے میں بہت مدد ملی۔

اس ساٹھ سال کے طویل عہد میں پارلیمنٹ کا اقتدار بے چون و چرا تھا۔ اور لنکاسٹری سلاطین نے بھی کبھی اس کے خلاف انگلی اٹھانے کی جرات نہیں کی۔ جہاں تک ہم ان لوگوں کے طبعی میلان کا اندازہ لگا سکتے ہیں وہ یہ تھا کہ یہ لوگ پارلیمنٹ کے ہمنوا ہو کر حکومت کرنا پسند کرتے تھے۔ یہ دستوری حکومت کا سلسل دور تھا ہیں نے کسی دوسری جگہ اس دور کو زمانۂ حال کا عہد بنایا ہے جو حیرت کی بات ہے کہ اپنے وقت سے پہلے آگیا تھا۔ اگرچہ اس وقت تک دستوری حکومت کی کل صرف چند جزئی شعبوں میں چلتی تھی مگر روحِ عمل کا لحاظ کرتے یہ زمانۂ حال کے مطابق تھا۔ پارلیمنٹ اس بات سے واقف تھی کہ اس کی حیثیت اٹل ہے ایک طرف یہ اجرائے حکومت کو پختہ کرنے اور دوسری طرف اپنے اقتدار کو مضبوط کرنے میں مشغول تھی۔ یہ شاہی کونسل کو ایسا استعمال کرتی تھی کہ گویا وہ پارلیمنٹ کا ایک آلۂ کار ہے اور سب سے زیادہ قابلِ لحاظ بات یہ ہے کہ ان حالات میں جو تقریباً زمانۂ حال کی طرح تھے ہم کو پارلیمنٹ اور کونسل کے بدلتے ہوئے تعلقات کی ابتدائی جھلکیاں نظر آنے لگتی ہیں جن سے آج انگریزی نظام کابینہ کا ظہور رہوا۔ اگرچہ پارلیمنٹ کونسل پر حاوی ہو گئی تھی اور اس کے ذریعے روزمرہ کی حکومت کا کام ہو رہا تھا۔ لیکن اس سے اس زمانے کے اکابر کی باہمی فرقہ وارانہ رقابت کا سدباب

نہ ہو سکا جو دوسری پشت میں جاکر گلابوں والی خانہ جنگی کا باعث ہوئی ۔

درحقیقت یہ گویا زمانۂ مال تھا جو اپنے وقت سے پہلے آگیا تھا۔ یہ دستوری زمانہ ضرور تھا لیکن اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ دستور کی بنیاد پختہ ہوگئی ہو اور اس کے قدم مضبوط جم گئے ہوں اور حکومت پر اس کا پنجہ بھاری ہوگیا ہو اور ان لوگوں کے سامنے کاروبار کرنے کے سوائے اس کے اور کوئی راستہ نہ ہو ۔ بلکہ اس کی زیادہ تر وجہ یہ ہے کہ اس وقت کچھ موقتی حالات ایسے پیدا ہو گئے تھے۔ یعنے بادشاہ کی غیر محفوظ حالت اس کی عدم موجودگی اس کی کمسنی یا اس کی ذاتی کمزوری نے پارلیمنٹ کو حکومت کا جزو اعظم بنادیا تھا۔ یہ اس دور کا بہترین نتیجہ تھا کہ دستوری حکومت طبعی چیز ہوگئی خیال اور عمل کی عادتیں جو اس وقت پیدا ہوگئیں وہ مقررہ نظائر سے زیادہ اہم تھیں اور اگلے دور میں جو دستور برقرار رہا تو اس کا بڑا سبب یہی تھا کہ اس دور میں یہ قومی زندگی میں سرایت کر گیا تھا۔

حکومت میں بادشاہ کا درجہ ۔ اس امر کے متعلق کہ حکومت میں بادشاہ کا کیا درجہ ہے ۔ اس زمانے کے بہترین مفکر نے جو نتیجہ نکالا ہے وہ انگریزی دستور کے اس عالم کے الفاظ میں جو اس زمانے کا ہمعصر تھا ظاہر کیا جا سکتا ہے ۔ ہیلم اپنی کتاب "یورپ بقرون وسطیٰ" کے انگریزی دستور کے باب کے تیسرے حصے میں جو کچھ کہتا ہے اس کے الفاظ اس قدر واضح اور وقیع ہیں کہ انگریزی دستور کے ہر لکھنے والے کو یہ الفاظ اخذ کئے بغیر چارہ نہیں ہے سر جان فورٹسکیو جو انگلستان کا میر مجلس عدالت ہوا ہے اس کی تمام تعلیم و تربیت اور تمام کاروباری زندگی لنکاسٹری دور میں گزری تھی۔ اس نے اپنی کتاب "در تعریف قوانین انگلستان" میں جو ایڈورڈ چہارم کے اوائل عہد میں لکھی گئی ہے بادشاہ کے متعلق لکھا ہے کہ "وہ اپنی رعایا کی رضامندی کے بغیر نہ تو قانون ملک کو بدل سکتا ہے نہ اس میں ترمیم کر سکتا ہے نہ ان پر ایسے قیود عائد کر سکتا ہے جو ان کے خلاف مرضی ہوں" پھر وہ کہتا ہے کہ "جس طریقے سے طبعی جسم میں سر بدن کے رگ اور پٹھوں کو نہیں بدل سکتا اور مختلف اعضاء سے ان کی اصلی قوت اور لازمہ حیات مادہ خون سلب نہیں کر سکتا اسی طریقے سے ایک بادشاہ جو سیاسی جسم کا سر ہے اس کے قوانین نہیں بدل سکتا۔ اور لوگوں سے ان کی مرضی کے خلاف ان کے حقوق نہیں چھین سکتا۔ اسی طریقے سے تم کو ہر سیاسی سلطنت کے قیام میں ایک دستوری کیفیت نظر آئے گی جس سے تم اس اقتدار کا قیاس کر سکتے ہو جو قوانین اور رعایا کے احترام کے ساتھ

بادشاہ استعمال کرسکتا ہے کیونکہ بادشاہ ہی رعایا کی جان و مال اور قوانین کی حفاظت کے لئے مقرر ہوا ہے محض اسی
غرض و غایت کے لئے قوم اس کو یہ اقتدار تفویض کرتی ہے اور سوائے اس اقتدار کے کسی
اور چیز کے متعلق اس کا دعوے جائز نہیں ہوگا"۔ گو یہ ایک عالم حکومت کے فلسفیانہ الفاظ ہیں
لیکن اس میں شبہ نہیں کہ روح معنے کے اعتبار سے فورٹسکیو بالکل صحیح تھا۔ اس زمانے
میں درحقیقت یہ اصول قائم ہوگیا تھا کہ شاہی اختیارات قوم کی ودیعت ہیں اگرچہ اس
اصول کو ملک کی عملی حکومت میں پورے طور پر کام میں لانے کے لئے ابھی دو سو سال کی
ضرورت تھی۔

انتظام وراثت۔ پارلیمنٹ کا وہ جدید حق جس کو ۱۳۹۹ء کے انقلاب نے
حاصل کیا تھا ہم نظر انداز نہیں کرسکتے اور وہ تعیین وراثت شاہی کا حق ہے۔ اس سے
ایسے بادشاہ کے معزول کرنے کا غیر معمولی اور اہم حق مراد نہیں ہے جسے اس کے بغیر
قابو میں لانا ناممکن ہو حق معزولی کو منشور اعظم میں ایک طرح سے دستوری حیثیت دی گئی
تھی اور یہ جیسے باب ۶ میں مندرج ہے ایک بہت چھوٹے حق کی بنیاد تھی جس میں عارضی
تعطل شامل تھا چنانچہ اس عارضی تعطل کے حق کو مجلس عظمیٰ نے بہ علت بدچلنی ۱۲۱۵ء میں
اور پھر ۱۳۱۱ء میں استعمال کیا تھا اور ۱۳۲۷ء میں ایڈورڈ دوم کے خلاف کامل حق معزول
استعمال کیا تھا۔ ۱۳۹۹ء میں تو اس سے بھی زیادہ کیا گیا یعنی پارلیمنٹ نے اس
سلسلۂ جانشینی کو نظر انداز کر دیا جو اصول کلانیت یا صلبی وراثت کی رو سے قائم تھا اور جس کا
قانون انگلستان میں ابھی ابھی عملدرآمد ہو چلا تھا اس جگہ کی چھوٹی شاخ خاندان یعنے خاندان
لنکاسٹر ہی کو تخت پر بٹھادیا۔

ہنری چہارم ایڈورڈ سوم کے تیسرے بیٹے جان آف گانٹ ڈیوک آف لنکاسٹر
کا بیٹا تھا۔ اس کی تخت نشینی کے وقت بڑی شاخ کا نمائندہ اڈمنڈ مورٹیمر ارل آف مارچ
تھا جو اپنی ماں کی طرف سے ایڈورڈ کے دوسرے بیٹے کا نواسہ تھا اور یہ آٹھ
سال کا بچہ تھا۔ بعد کو ہنری پنجم کے عہد میں ارل آف مارچ کی بہن کی وساطت سے
تخت کا حق خاندان یارک میں منتقل ہوگیا۔ اس بات کا کافی ثبوت موجود ہے کہ اس زمانے
کے لوگ اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ ہم ہنری کو بادشاہ بنانے میں اصل سلسلے
کو جو اصول وراثت کی رو سے اس وقت قانون انگلستان میں جاگزیں تھا توڑ رہے ہیں۔

لیکن اس بات کا بہت کم ثبوت ہے کہ وہ لوگ پارلیمنٹ کے اختیارات کی توسیع یا ان کے جدید انطباق کو جو قانون میں کیا جا رہا تھا بخوبی سمجھتے تھے۔ یہ سچ ہے کہ وہ اس حق کو استعمال کر کے جو بعد کو پارلیمنٹی حق سے موسوم ہونے لگا اور دستوری قانون میں سب سے بہتر حق سمجھا جانے لگا لنکاسٹری خاندان کو تخت دے رہے تھے۔

آیا اس زمانے کا کوئی قدامت پسند شخص اپنے ذہن میں سیکسنوں کی قومی مجلس کے پرانے واقعات کو یاد کر کے کہ وہ شاہی خاندان کے ارکین میں سے جانشینی کا انتظام کرتی تھی یا مجلس عظمیٰ نے دو سو سال پہلے جان کی تائید میں آرتھر کو پس پشت ڈال دیا تھا پارلیمنٹ کے اس فعل کو حق بجانب سمجھا ہوگا اس میں کوئی اہمیت نہیں حقیقت یہ ہے کہ قدیم اور جدید واقعات میں کوئی رابطہ نہیں ہے۔ اس عملدرآمد کا کوئی لگاتار تسلسل اور دستوری قانون کی کوئی توریث نہیں تھی۔ ۱۳۹۹ء کا یہ فعل اس اعتبار سے کہ وہ آنے والے دستور کا ایک جز تھا ایک جدید اور تشکیلی چیز تھی۔

اس میں شک نہیں کہ از روئے استدلال یہ حق قدیم حق معزولی سے مستنبط ہوتا تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ آئندہ صدیوں میں اس کا جو جدید استعمال ہوا وہ بہت دلچسپ ثابت ہوا اور اس فائدہ سے کہیں زیادہ تھا جس سے وہ اخذ کیا گیا تھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سنہ ۱۴۶۱ء میں ہی بہت جلد اختیارات پارلیمنٹ کا وہ شاندار اظہار ہوگیا جس سے گویا مستقبل پر روشنی پڑنے لگی۔ جس وقت ڈیوک آف یارک کو لنکاسٹریوں پر میدان جنگ میں پورا غلبہ حاصل ہوگیا اور اس نے اچانک یارکی پارلیمنٹ طلب کی تاکہ تخت کے ساتھ اس کے جو فائق حقوق تھے اس کو یہ پارلیمنٹ تسلیم کرے کیونکہ یہ بڑی شاخ کا رکن تھا تو دارالامرا نے اس مطالبے کو منظور کرنے سے انکار کر دیا اور پھر اس کی یہ توجیہ کی کہ بذریعۂ قانون پارلیمنٹ خاندان لنکاسٹر کو جو تخت دیا گیا تو اس سے تخت کا ایسا حق پیدا ہوگیا تھا کہ اس سے بہتر کوئی دوسرا حق نہیں ہو سکتا۔

پندرھویں صدی چودھویں صدی کی ضد تھی اور وہ اس وجہ سے کہ اس میں پارلیمنٹ کے اقتدار کو استعمال کرنے کے بجائے اس میں افزائش ہوئی قرون وسطیٰ کی سیاسی دستورں کے مطابق جو جدید بیشقدمیاں ہو سکتی تھیں وہ ہو چکی تھیں پچھلے زمانے کی دستوری حکومت کا کوئی ایسا تجربہ نہیں تھا کہ جس کو پندرھویں صدی کے رہنما اپنا مشعل ہدایت

بنا سکتے کامل محدود ملوکیت کا ایسا تصور جو اپنے تمام اجزا میں ارتقائی طور پر مکمل ہو ان کے ذہن میں نہیں آسکتا تھا جس کو وہ اپنا منتہائے عمل بنا کر وہاں تک پہنچنے کی کوشش کرتے نہ اس بات کا علم تھا کہ آئندہ کیا خطرات آنے والے ہیں اور ان سے کیونکر بچنا چاہیئے۔ حکومت کی ایسی تخلیقات جس کے حامل عوام ہوں تاریخ میں ایک جدید کام تھا اس کے تمام مدارج دیکھے جائیں تو ان میں کبھی کوئی نظری تصور نہیں پایا جاتا ہے کہ ضرورت وقت کام کی رہنمائی کرتی تھی۔ جو نتائج حاصل ہو چکے تھے ان سے پندرھویں صدی مطمئن تھی اور مزید پیشقدمی کے لئے کوئی فوری ضرورت محسوس نہیں ہوتی تھی۔ چونکہ اس جدید کام کا کوئی تجربہ نہیں تھا اس لئے یہ بھی خوش قسمتی کی بات تھی کہ چودھویں صدی کی عاجلانہ ترقی کے بعد جس طرح زمانہ وسطیٰ کی پشتوں کا شمار ہوتا ہے تین پشتوں کا ایک ایسا دور آیا جو نسبتہً خاموش اور منجمد تھا۔ دستوری حکومت کا مطلب، پارلیمنٹ کا تفوق اور جملہ امور کی بذربعہ پارلیمنٹ انجام دہی اس طویل دور میں ایک مدت تک عادت میں شامل ہو گئی تھی اور جیسے پہلے کہا گیا ہے پارلیمنٹی اقتدار کی یہ عادت اس دستوری حق کی مستحکم بنیاد بن گئی اور اگلی صدی میں جو ظاہری ردعمل ہوئے تو ان سب کی تہ میں یہ چیز موجود تھی۔

اس طریقے سے اگرچہ پارلیمنٹ ۱۳۹۹ء سے لے کر ۱۴۶۰ء تک حکومت کرتی رہی لیکن اس نے صرف چھوٹے امور میں اپنے ہاتھ پیر مضبوط کئے۔ بڑے امور کو چھوڑ دیا۔ وہ صرف ان چیزوں کے قائم کرنے میں لگی رہی جو برائے نام پارلیمنٹ کے اختیارات خصوصی کہلاتے ہیں۔ وہ یہ ہیں۔ آزادی بحث جس کو چھوٹی چیز نہیں کہہ سکتے۔ اراکین کا گرفتاری سے مستثنا۔ ایوان بالائی کے مقابلے میں دارالعوام کا یہ حق کہ وہ اجرائے محاصل کی تحریک کر سکے، اراکین کی اہلیت کا تعین کر سکے اراکین اور بے ادب تماشائیوں کا انضباط کر سکے اور سزا دے سکے صوبوں میں رائے دینے کی اہلیت کا انتظام کر سکے اخراجات کے تعین کے عملدرآمد کی توسیع کر سکے قانون سازی کی کارروائی کی اصلاح کر سکے۔

آزادی بحث ۔ آزادی بحث کا مسئلہ رچرڈ کی معزولی سے ورثے میں ملا تھا۔ ہیگزی کے مقدمے میں اس بات کی ضرورت عیاں ہو گئی تھی کہ اگر پارلیمنٹ شخصی حکومت کو محدود کرنا چاہتی ہے تو بادشاہ کے دخل اندازی کی روک تھام کرے اور یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ غداری کے الزام کا ایک بہت بڑا اختیار بادشاہ کے ہاتھ میں ہے۔ چونکہ

یہ پارلیمنٹی اقتدار کی گویا بنیاد تھی اس لئے یہ ظاہر بات تھی کہ عاملہ نے دستور کو الٹنے کی جو کوشش کی تو سب سے پہلے اس نے اسی پر ضرب لگائی اور پھر اس کی اصلی خصوصیت کہ یہ ایسا پارلیمنٹی حق ہے کہ اس کے بغیر دوسرے حقوق بے معنے ہو جاتے ہیں“ اس وقت تک پورے طور پر سمجھ میں نہیں آئی جب تک اس بحران کی وجہ سے یہ معرضِ بحث میں نہیں آئی ہیگزی غالباً اپنے پادری ہونے کی وجہ سے رچرڈ کے زوال سے پہلے ہی رہا ہو گیا تھا اور ہنری چہارم کے پہلے سال اس نے یہ معروضہ پیش کیا تھا کہ اس کے خلاف جو فیصلہ ہوا ہے وہ منسوخ کر دیا جائے چنانچہ دارالامرا نے اس کو منسوخ کر دیا اور اسی سال دارالعوام کی درخواست پر اس تنسیخ کو دہرایا گیا اور دونوں ایوان سے منسوخ ہونے کی وجہ سے اس کی صورت ایسی ہو گئی تھی کہ گویا پوری پارلیمنٹ کا متفقہ کام ہے۔ دوسرے سال دارالعوام کے صدر نے بادشاہ سے یہ عرض کیا کہ ایوان کے بعض ارکین بادشاہ کو امور زیر بحث کی اس سے پہلے کہ ”ان پر بحث ہو اور یہ ارکین میں طے ہوں رپورٹ کر دیتے ہیں تاکہ بادشاہ اس کی وجہ سے بعض یا سب ارکین کے خلاف غیظ میں آجائے“ اور بادشاہ سے درخواست کی ایسی رپورٹوں پر کوئی توجہ نہ کرے اس کے متعلق بادشاہ نے وعدہ کیا کہ وہ توجہ نہیں کرے گا ۱۴۰۷ء میں بادشاہ کی جانب سے ایک باضابطہ اعلان کیا گیا کہ ”امرا کے لئے جائز ہوگا کہ اس پارلیمنٹ میں اور آنے والی ہر پارلیمنٹ میں بادشاہ کی عدم موجودگی میں ملک کی حالت اور ضروری چارہ کار کے متعلق آپس میں بحث کریں، اور اسی طریقے سے عوام کے لئے بھی جائز ہوگا کہ اپنے طور پر ملک اور چارہ کار مذکور کے متعلق آپس میں بحث کریں“۔ ان اعلانات نے نظری اصول کو قائم کر کے گویا پارلیمنٹ کے حق کی بنیاد ڈال دی کہ بحث میں جو کچھ کہا جائے اس سے بادشاہ گویا واقف نہیں ہے۔ سنہ ۱۵۱۲ء کے مقدمہ اسٹروڈ تک یہ اصول دستوری شکل میں باقی رہے۔ اسٹروڈ کو مقامی عدالت میں پیش کر کے اس وجہ سے سزا دی گئی تھی کہ اس نے کارنوال کے ٹین کھودنے والوں کے متعلق پارلیمنٹ میں چند تحریکیں پیش کی تھیں۔ اس پر پارلیمنٹ نے قانون وضع کر کے یہ اعلان کیا تھا کہ اسٹروڈ کے متعلق قرارداد جرم باطل ہے اور آئندہ دارالعوام کے ارکین کے خلاف ایسی کوئی کارروائی نہیں ہو سکتی۔ یہ آزادی بحث کا اصول نہیں بلکہ اس سے بیرونی حکام کی مداخلت کو روکنا مقصود تھا گو اول الذکر کو بادشاہ نے تسلیم کر لیا تھا لیکن

اس بات کا یقین تھا کہ پادشاہ اس کا ہمیشہ احترام کرے گا۔ کیونکہ یہ احتمال تھا کہ اس زمانے میں جبکہ حالات طاقتور اور شخصی حکومت کی طرف مائل ہوں یہ کسی نہ کسی شکل میں محدود ہو جائے گا۔

ارکین کا یہ حق کہ وہ اجلاس پارلیمنٹ کے دوران میں اور پارلیمنٹ کو آتے اور واپس جاتے ہوئے گرفتاری سے مستثنیٰ ہیں اس کی قدیم ترین زمانے کے سوائے بہت کم اہمیت تھی اور آج تو اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ یہ حق اس زمانے سے موجود تھا جبکہ سیکسنی مجلس قائم تھی۔ دوسری ٹیوٹانی مجلسوں کے ساتھ اس مجلس کو بھی یہ حق حاصل تھا مگر ۱۴۰۳ء میں ہنری چہارم نے اس کو باضابطہ تسلیم کر لیا اور ہنری ششم کے عہد میں تو اس کی توسیع اور تنظیم عمل میں آئی تھی۔ اس زمانے میں جب کہ دیوانی کارروائیوں کے لئے اکثر گرفتاریاں عمل میں آتی تھیں اس سے تھوڑا بہت فائدہ تھا لیکن اس اصول کو کبھی اس حد تک استعمال نہیں کیا گیا کہ فوجداری گرفتاریاں بھی اس کے تحت ناجائز ہوں اور اس زمانے میں جبکہ شاہی دست درازی سے بچنا بہت مشکل تھا ایسے حق کی بہت ضرورت تھی۔

طبقہ واری اجرائے محاصل کا وہ قدیم عملدرآمد جس کی رو سے ہر طبقے کے جداگانہ نمایندوں کے ذریعے اجرا عمل میں آتا تھا چودھویں صدی کے دوران میں رفتہ رفتہ متروک ہو گیا تھا اور صرف پادریوں کی حد تک باقی تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ رقمی منظوری نے تقریباً قانون پارلیمنٹ کی نوعیت اختیار کر لی تھی۔ جہاں تک ہم کو معلوم ہے یہ تبدیلی سب سے پہلے ۱۳۹۵ء کی منظوری کی شکل میں ظاہر ہوئی اس سال کی منظوری کے متعلق یہ کہا گیا تھا کہ "وہ امرا کی صلاح اور رضامندی کے ساتھ عوام کی طرف سے عمل میں آئی ہے"۔ یہ خاص الفاظ ارادۃً عوام کے بڑھتی کام کو واضح کرنے کے لئے استعمال کئے گئے تھے۔ ہنری چہارم کے ۱۴۰۷ء کے اعلان میں جس کا پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے اس پر پھر زور دیا گیا۔ اس بات پر اس نے رضامندی ظاہر کی کہ امرا اور عوام کی متفقہ منظوری سے پہلے کسی منظوری کی بابت پادشاہ کو رپورٹ نہیں دینی چاہیے اور پھر مروجہ طریقے کے مطابق یعنے صدر دارالعوام کے زبانی معلوم ہونی چاہیے" ان فقروں سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس طریقے سے دستوری حق کو قانونی شکل میں مرتب کیا جا رہا تھا بلکہ ایک سلسلہ ترقی پا رہا تھا۔ دارالعوام کے ارکین کا حق بصورت رواج سترھویں صدی تک

جاری رہا۔ اگرچہ اس شک نہیں کہ جب تک قدیم مجلس عظمیٰ کا اپنا اجلاس گاہے ماہے ہوتا رہا یہ مجلس اس محصول کو منظور کر سکتی تھی جو طبقۂ ثانیہ کی طرف سے ادا ہوتا۔ یہ تنبیہ بھی ضروری ہے کہ اس وقت ان نظائر کے جو حقیقی معنے لئے جاتے تھے اور ان میں جو زور پایا جاتا تھا اس میں بہت مبالغہ کیا جا سکتا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ سترھویں صدی میں سلاطین اسٹوارٹ کے ساتھ جو کشمکش ہوئی تو ان نظائر میں بہت کچھ مبالغہ کیا گیا۔ تاہم ان نظائر کو ایک ابتدائی رجحان سمجھا جا سکتا ہے اور ان سے آیندہ نتیجہ کے لئے خواہ یہ تاریخی واقعہ نہ ہو بلکہ زیادہ تر ایک منطقی استنباط ہو ایک جائز بنیاد پیدا ہو گئی جو بعد کو ان نظائر پر قائم کیا گیا۔ دوسری طرف سے دیکھا جائے تو یہ دارالعوام کے مطالبات کی صورت میں اس کے رتبے اور اختیارات کے احساس کو ظاہر کرتی ہیں جن سے چودھویں صدی کی محسوس ترقی معلوم ہوتی ہے۔

ارکین کی اہلیت ۔ جب پارلیمنٹ ارکین دارالعوام کی اہلیت معین کرنے بیٹھی تو اس نے سب سے پہلے صوبوں کے نمایندوں کا تعین کیا۔ قرونِ وسطیٰ میں بلدیوں کی اہلیت اور طریقۂ انتخاب کے متعلق بہت کم توجہ کی گئی۔ لیکن صوبوں کے ارکین، "مبازرین صوبہ" تھے جس وقت پارلیمنٹ شروع ہوئی اور جاگیری اختیارات مٹنے لگے اور دارالعوام کی رکنیت میں بھی ہنوز کوئی کشش پیدا نہیں ہوئی تھی اس وقت پارلیمنٹ نے ارکین کی اہلیت کا جو اولین انتظام کیا وہ یہ تھا کہ اس نے صوبوں کے نمایندوں کے رتبے کو عام آزاد اشخاص سے بلند کرنے کی کوشش کی۔ چودھویں صدی میں یہ کام پادشاہ کے لئے وقت طلب معلوم ہوا اور ۱۳۴۵ء میں اس کو قانون پارلیمنٹ کے ذریعے منضبط کرنے کی کوشش کی گئی کہ جو لوگ منتخب ہوں وہ شریف خاندان ہونے چاہئیں۔ اس قانون کا کوئی نوری نتیجہ نہیں نکلا بلکہ جوں جوں پارلیمنٹ کا اقتدار بڑھتا گیا رکنیت میں کشش پیدا ہوتی گئی۔ اور خود بخود یہ مطلب نکل آیا۔ ۱۴۱۳ء کے قانون سے جس کی ۱۴۳۲ء اور ۱۴۴۴ء میں تجدید کی گئی تھی یہ طے پایا کہ ارکین اس مقام میں اپنی سکونت رکھیں جس کی وہ نمایندگی کریں لیکن قرین قیاس یہ ہے کہ اس قانون کا منشاء جس قدر ارکین کی اہلیت کو مقرر کرنا تھا اس سے زیادہ شیرفوں کے اس برے طریقے کو روکنا تھا کہ یہ لوگ دارالعوام میں اپنے اسامیوں کو ٹھونس دیتے تھے۔

انتخاب کنندگان کی اہلیت سب سے پہلا قانون جو صوبوں کے رائے دہندوں کا تعین کرتا ہے اسی عہد سے متعلق ہے۔ ۱۴۳۰ء کے قانون کی رو سے جس پر ۱۴۳۲ء میں اضافہ کیا گیا اور جو ۱۸۳۲ء کے قانون اصلاح پارلیمنٹ تک چار سو سال تک برابر جاری رہا انتخاب میں حق رائے دہی صرف چالیس شلنگ کے معافی دار ملتے تک محدود تھا انتخاب کنندہ کے پاس کم از کم سال انتخاب میں ایسی اراضی معافی یا حقیت ہونی ضروری تھی جس کی مالیت دیگر مطالبات کے علاوہ چالیس شلنگ ہو۔ اس کو قانون سلب حق رائے دہی کہا گیا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آیا مقدمہ قانون میں وضع قانون کی صاف صاف وجہ نہیں بتائی گئی یعنے آیا اس کا مقصد یہ نہیں بتایا گیا کہ انتخاب کے وقت بے لگام اراکین کو بلوہ اور بدنظمی کرنے سے روکا جائے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس قانون سے اشخاص منتخب کے نوعیت میں کوئی فرق نہیں پڑا اس ایکٹ ۱۷۱۰ء کے قانون کی ہنوز ضرورت محسوس ہوتی رہی۔ انیسویں صدی تک پارلیمنٹ کی طرف سے بلدیوں کی حق رائے دہی کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ ہر بلدیہ خود اپنے مقامی رواج انتخاب کے مطابق اس معاملے کو طے کر لیتا تھا۔

مصارف کا انتظام ۔ مصارف پر قابو پانے اور منظوری قسم کو معینہ امور پر منطبق کرنے میں پارلیمنٹ نے پچھلی صدی کے نظائر کو اس قدر ترقی دی کہ اگر دستوری ترقی کے لنکاسٹری دور کے سلسلے سے برابر جاری رہتی تو زمانۂ حال کا عملدرآمد بہت جلد قائم ہو جاتا۔ یہ بات بالعموم طے ہو چکی تھی کہ عام محاصل کی منظوری جو پادشاہ کے لئے ہوتی وہ سلطنت کے حفاظت کے لئے تھی محصول زر مناصفانہ اور رطلانہ جواب عمر بھر کے لئے منظور ہونے لگے تھے بحریہ کے لئے مقرر ہو گئے تھے اون کے محصول کا ایک حصہ کیلے کی مدافعت کے لئے وقف تھا اور جاگیرات صرف خاص کی آمدنی محل کے اخراجات کے لئے مخصوص تھی یہ ابتدا اچھی تھی کیونکہ موجودہ پارلیمنٹوں کا تجربہ یہ ہے کہ التوائے رقوم کے مقابلے میں تعیین و تحدید مصارف اچھا ذریعہ ہے جس سے عاملہ پر قابو حاصل کیا جا سکتا ہے۔ لیکن لنکاسٹری دور کے بعد جب اقتدار شاہی کے لئے حالات نے پلٹا کھایا تو یہ ذریعہ ہاتھ سے نکل گیا۔ چنانچہ سترھویں صدی میں اس کو پھر اختیار کرنا پڑا یا زیادہ صحت کے ساتھ کہیں تو اس کو از سر نو حاصل کرنا پڑا۔

قانون سازی ۔ اصلاح قانون سازی کے سلسلے میں بڑا تغیر یہ ہوا کہ پارلیمنٹ نے ہمیشہ کے لیئے ایک پرانے خطرے کو دور کر دیا۔ وہ خطرہ یہ تھا کہ عرضداشت کے ذریعے سے جو قانون بنتا تھا وہ اُس سے کسی قدر مختلف ہوتا تھا جس کی درخواست کی جاتی تھی۔ ۱۴۱۴ء میں ہنری پنجم سے خاص طور پر وعدہ کیا گیا کہ معروضوں میں جو کچھ شامل کیا جائے اس میں کوئی چیز نہیں بڑھانی چاہئے البتہ بادشاہ کا یہ حق محفوظ تھا کہ عرضداشت کو نیز اُس کے کسی حصے کو رد کر سکے۔ ہنری ششم کے عہد میں ایک اور آخری زینہ طے کیا گیا یعنی جیسے اکثر کہا گیا ہے عرضداشتوں کی جگہ مسودات استعمال ہونے لگے مسودے میں قانون مندرج ہوتا تھا اور درخواست یہ ہوتی تھی کہ ٹھیک اسی شکل میں قانون وضع ہو۔ لہٰذا قانون وضع کرنے میں ردو بدل کا جو موقع تھا وہ اب باقی نہیں رہا۔ اس طریقہ قانون سازی کو سب سے پہلے بادشاہ نے خود اپنی سہولت کے لئے اختیار کیا تھا یعنے وہ خود مسودے اپنے طرف سے پیش کرتا تھا لیکن عوام کو فوراً اس سے فائدہ اٹھانے کا موقع مل گیا اور اس طریقے سے عوام کا بدایت قانون میں بادشاہ کا ہمپلہ ہونا ممکن ہو گیا گو اس وقت یہ صورت نہ تھی جس شکل میں قوانین پارلیمنٹ پاس ہوتے تھے اس میں معروضوں کا رنگ بہت دنوں تک پایا جاتا تھا اور رائی قانون سازی میں تو آج تک موجود ہے۔ ملکہ الزبتھ کے عہد کا ایک قانون اس طرح شروع ہوتا ہے "حضور کی وفادار اور عاجز رعایا .... اس منعقدہ پارلیمنٹ میں .... حضور پرنور سے عرض کرتی ہے کہ .... حضور کی مراحم و خوشنودی سے ایسا قانون وضع ہو تو مناسب ہے" زمانۂ حال کے رقمی مسودے کے مقدمے کے یہ الفاظ ہوتے ہیں: "ہم سلطنت متحدہ کے عوام حضور کی فرض شناس اور وفادار رعایا .... نہایت خوشی اور کشادہ دلی کے ساتھ عطا اور منظوری رقم کا فیصلہ کرتی ہے .... لہٰذا ہم حضور سے عاجزانہ عرض کرتے ہیں کہ مندرجہ ذیل قانون وضع ہو سکتا ہے اور وضع ہونا چاہئے۔" لیکن اشکال کے عملی معنے مدت سے غائب ہو گئے تھے۔

جو کام چودھویں صدی میں پورا ہوا تھا اسی میں ایک طرح سے معتدبہ تبدیلی کی گئی اور اس تبدیلی سے اس زمانے کی خصوصیت اور ایک دوسری وجہ سے اس کے بعد کے زمانے کی خصوصیت پر روشنی پڑتی ہے۔ مواخذہ متروک ہو گیا اور اس کی جگہ

مخصوص قانونِ تعزیری جاری کیا جانے لگا۔ مخصوص قانونِ تعزیری سے یہ اعلان ہوتا ہے کہ فلاں شخص فلاں جرم کا مرتکب ہے اور اس کو سزا [۱۴] دی جائے گی۔ اگر مسودہ منظور ہو جائے تو وہ قانون ہو جاتا ہے اور شخص مذکور وضع شدہ قانون کے بموجب ملزم قرار پاتا ہے اور قانون کے مطابق سزا پاتا ہے۔ قانونِ تعزیری مواخذے سے زیادہ شدید اور سریع کارروائی ہے اور عدالتی سماعت کی ان مشکلات سے مبرا ہے جو مواخذے کے لئے ضروری ہیں گو پارلیمنٹ بعض اوقات ملزم کو صفائی پیش کرنے کا موقع دیتی تھی۔ دستوری نظر سے دیکھا جائے تو یہ تبدیلی اس سے بھی بہت زیادہ اہم تھی۔ مخصوص قانونِ تعزیری کا مقصد بادشاہ کا تشدد تھا اور بادشاہ پارلیمنٹ کی باہمی کشمکش کے دوران میں ضرورتاً یہ ہتھیار اختیار کیا جاتا تھا۔ قانونِ تعزیری اس بات کی علامت تھی کہ پارلیمنٹ اور بادشاہ متفق ہیں کیونکہ خود بادشاہ کو مسودے پر دستخط کرنے پڑتے تھے لیکن جب ہم سترھویں صدی میں آتے ہیں تو اس وقت اس کے حقیقی استعمال سے یہ ثابت ہونے لگا کہ پارلیمنٹ بادشاہ کے تابع ہے اور جو بادشاہ چاہے وہ کرنے کے لئے تیار ہے۔ نظری اعتبار سے قانونِ تعزیری نے وہی کام دیا جو مواخذے سے ہوتا تھا یعنے شاہی وزرا پر پارلیمنٹ کا تسلط۔ لیکن عملاً اس سے ہمیشہ غلط کام لیا جاتا تھا اور جب پارلیمنٹ وزارت کو قابو میں لانے کے جدید طریقے کو سیکھ گئی تو یہ غائب ہو گیا۔ اگرچہ امریکی نوآبادیوں میں یہ جائز طریقہ کارروائی سمجھا جاتا تھا۔ لیکن ریاستہائے متحدہ امریکہ میں قطعاً ممنوع ہے۔

پارلیمنٹ کے اختیاراتِ خصوصی کا قیام۔ مقابلہ کر کے دیکھا جائے تو اس صدی میں پارلیمنٹ نے جو چیزیں حاصل کیں وہ نسبتہً غیر اہم کمیں جن کو حقوق نہیں بلکہ بالعموم پارلیمنٹ کے اختیاراتِ خصوصی کہا جاتا ہے لیکن ترقی کی اس منزل میں یہ بھی اہم تھیں۔ جس طرح چودھویں صدی کی بڑی ترقیوں کا حال ہے یہ اختیاراتِ خصوصی بھی پورے طور پر یک لخت نہیں قائم ہو گئے۔ ان میں سے بعض مثلاً آزادیِ بحث پر عرصے تک اعتراض ہوتا رہا۔ لیکن لنکاسٹری دور میں ان کی خاطر خواہ بنیاد پڑ گئی تھی۔ ان کے مقابلے میں وہ واقعات جن سے پارلیمنٹ کا اقتدار ظاہر ہوتا تھا اور جو بظاہر اس زمانے کے بہت نمایاں واقعات معلوم ہوتے ہیں بہت خفیف ہیں۔ کیونکہ ان سے

دستوری اہمیت کی کوئی مثال نہیں قائم ہوئی ٹیوڈری ردعمل کے نتائج کو مغلوب کرنے کے بعد کونسل کی یا دوسرے الفاظ میں عاملہ اور انتظامی محکموں کی ذمہ داری مقننہ کے سامنے نہ صرف از سر نو قائم کرنی پڑی بلکہ جدید راستے اور نئی بنیاد سے قائم کرنی پڑی۔ لیکن اس دور میں کونسل کی تاریخ دلچسپ ہے۔ اس کی کچھ تو یہ وجہ ہے کہ اس سے پارلیمنٹی اقتدار کی وسعت معلوم ہوتی ہے اور کچھ یہ کہ ان طریقوں کا تسلسل معلوم ہوتا ہے جو بیرنوں کی مخالفت نے تیرھویں صدی میں تجویز کئے تھے اور کچھ اس سے آئندہ ترقی کے آثار معلوم ہوتے ہیں۔

کونسل کی تاریخ اس کی تمام تبدیلیوں اور ترک رسوم کے ساتھ جو صدیوں میں ہوتی رہی ہیں اس وقت تک سمجھنا مشکل ہے جب تک یہ بات ذہن نشین نہ ہو جائے کہ یہ اس چھوٹی کونسل سے براہ راست نکلی ہے جو زمانہ جاگیری میں نظر آتی ہے۔ اور اس ادارے کو اس نے مع اپنی حیثیتوں اور فرائض کے زمانۂ حالیہ تک یا کم از کم سترھویں صدی کے وسط تک بحال رکھا تھا گو اس میں زبردست تغیرات یا دوسرے الفاظ میں فرائض کی اضافی اہمیت میں بہت کچھ تغیرات ہو چکے تھے۔ یہ پہلے بیان کر دیا گیا ہے کہ قدیم نارمنی دور میں چھوٹی کونسل ان وقفوں میں جب کہ مجلس عظمیٰ کے اجلاس نہیں ہوتے تھے اختیارات و مراتب کے لحاظ سے جملہ امور میں مجلس عظمیٰ کے مشابہ تھی چند چیزیں ایسی تھیں جو غالباً چھوٹی کونسل کے سامنے پیش نہیں کی جاتی ہوں گی مثلاً غیر معمولی امداد کی منظوری و نیا جس کو تمام بیرن ادا کریں لیکن حکومت کے تمام معمولی کاموں کے لئے چھوٹی کونسل کو اس زمانے میں جب کہ مجلس عظمیٰ کا اجلاس نہ ہوتا تھا قانون سازی۔ عدالت۔ سیاسی رہنمائی اور نظم و نسق کے انتہائی اختیارات حاصل تھے یہ شاہی اختیارات خصوصی کا خاص آلۂ کار تھا دیعنی دوسرے الفاظ میں یہ وہ ہتھیار تھا جس کے ذریعے سے بادشاہ وہ اختیارات استعمال کرتا تھا جن میں وہ قانون سے برتر تھا۔ ان واقعات کا تاریخ کونسل کے سمجھنے سے جو خاص تعلق ہے وہ اس بات میں اور زیادہ محسوس ہوتا ہے کہ کونسل میں خواہ کتنی ہی تبدیلیاں کیوں نہ ہوئی ہوں اور اس کے فرائض عمل میں لانے کے لئے کتنے ہی جدید ادارے اس سے کیوں نہ نکلے ہوں اصل کونسل کے اختیارات اور مراتب اس کے جانشین میں ملتے ہیں اور سوائے توضیح کے ان میں کوئی تخفیف بھی نہیں ہوئی۔ انگی

سیدھے سادے واقعات سے وہ مشکلات حل ہو جاتے ہیں جن کا ہمیں کونسل کی تاریخ اور ان ادارات کی ابتدائی تاریخ میں جو اس سے مشتق ہوئے ہیں سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اداراتی تقسیم ۔ تاریخ انگلستان میں ہم یہ دیکھ آئے ہیں کہ پندرھویں صدی سے پہلے تین ادارے تھے جو کونسل کے انتظامی اور عدالتی امور کو یعنے خزانہ، چانسری عدالت شاہی کو خاص طور پر انجام دینے کے لئے الگ الگ کئے گئے تھے۔ مشیرانہ اور متقننانہ دو امور اور تھے جن کی توضیح بہت کچھ تبدیلیوں کی باعث ہوئی۔ چانسری اور خزانے کے سلسلہ میں جس چیز سے خاص مشکل پیش آتی ہے وہ یہ نہیں ہے کہ تفریق کے بعد کونسل نے اصل امور اپنے ہاتھ میں رکھے بلکہ مشکل اس بات میں ہے کہ جدید ادارے نے اپنے الگ ہونے کے بعد سابقہ اختیار کو اس طرح اپنے قبضے میں رکھا کہ گویا وہ خود کونسل ہے اور اس اختیار کو وہ کبھی کبھی استعمال کرتا تھا۔ یہی بات کسی قدر اختلاف سے عدالت شاہی پر بھی صادق آتی ہے۔ ان تمام صورتوں میں جو امر مشترک ہے وہ ایکطرف عملی تفریق پر اور دوسری طرف اس کی غیر شعوری خصوصیت پر مفید مطلب روشنی ڈالتا ہے۔ تمام صورتوں میں جو چیز کونسل سے سب سے پہلے علٰحدہ کی گئی ہے وہ ادارہ نہیں بلکہ امور متعلقہ کونسل کا ایک جزو ہے۔ اکسچکر کے شعبے میں مالی امور۔ چانسری میں انتظامی اور پھر عدالتی اور عدالت خاص شاہی میں قانون عرفی کے مسائل تھے جن کا عدالتی حل درکار تھا۔ ان جملہ صورتوں میں پہلے کونسل ہی کارفرما تھی۔ کاروبار کی علٰحدہ علٰحدہ تقسیم کی گئی لیکن ادارے الگ نہیں کئے گئے۔ جس اجلاس میں کونسل کا کام خاص مالیاتی ہوتا تھا اس میں وہ قانونی مقدمات کی بھی سماعت کرتی تھی کیونکہ وہ کونسل تھی۔ لیکن آگے چل کر اداراتی تقسیم بڑھنے لگی تھی اور خاص خاص کام ان اراکین کونسل کے ہاتھ میں آنے لگے جو کام کے ساتھ سرکاری تعلق رکھتے تھے یا اس کام کی خاص قابلیت رکھتے تھے اور ان اجلاسوں کا کام مخصوص ہو گیا۔ لیکن اس تفریق کے مکمل ہونے کے بعد بھی یہ صاف طور پر معلوم نہیں ہوتا تھا کہ آیا اداراتی تفریق عمل میں آئی ہے۔ اکسچکر کے کاروبار بارھویں صدی کے پہلے حصے میں ہی کونسل کے معمولی کاروبار سے جدا کر دئے گئے تھے۔ لیکن چودھویں صدی کے اوائل تک اکسچکر کبھی کبھی کونسل کے کاروبار انجام دیتا تھا اور اس زمانے کے لوگ اس فعل کو بے محل اور بے ضابطہ نہیں

سمجھتے تھے کاروبار کونسل کی تمام تفریقوں میں خواہ وہ قرون وسطیٰ کی ہو یا زمانۂ حالی کی۔ جدید ادارے کی تخلیق بہت آہستہ آہستہ محسوس ہوتی تھی۔ اس لئے اس کا قدرتی نتیجہ ہے کہ ہم کو ایک طویل زمانے تک یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ گویا ایک ادارہ دوسرے ادارے سے کام لے رہا ہے چنانچہ چند چیزوں سے ان واقعات کے سمجھنے میں ہم کو مدد ملنی چاہئے ان سے اور الجھن ہو جاتی ہے۔

کونسل کا مشیرانہ کام۔ جہاں تک پندرھویں صدی کی تاریخ کونسل کا تعلق ہے تفریق ادارات سے زیادہ ہم کو اندرونی تغیرات پر غور کرنا چاہئے اسی قسم کی اہم تبدیلیاں تو پہلے ہی واقع ہو چکی تھیں۔ تیرھویں صدی کے پہلے جیسے میاں بری کوم کی کمسنی کے زمانے میں کونسل کا جو مشیرانہ کام تھا یعنے حکومت کی پالیسی کے تعین اور تشخص میں مدد دینا اس پر اس پُر آشوب زمانے میں ایسا زور دیا گیا کہ پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ یہ چیز ایسی واضح ہے کہ اس کے متعلق بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے کہ یہ تاریخ کونسل کا ایک جدید باب ہے۔ اس تبدیلی کے متعلق یہ کہنا تو ایک مبالغہ ہے لیکن یہ صحیح ہے کہ اس زمانے سے کونسل بہ حیثیت مجلس مستشار کے بہت نمایاں تھی۔ اس کام کا خاص لحاظ کر کے اراکین کا تقرر کیا جاتا تھا اور ان لوگوں سے حلف لیا جاتا تھا کہ ہم یہ کام وفاداری سے انجام دیں گے۔ دوسری تبدیلی ایک مخالف سمت سے عمل میں آئی اور وہ یہ کہ کونسل کے ایک کام کا حجم کم ہو گیا۔ یہ اس طرح ہوا کہ چودھویں صدی میں مجلس عظمیٰ کی ایک جدید شاخ یعنے پارلیمنٹ نے قانون سازی کے کام کو آہستہ آہستہ خود اختیار کر لیا۔ ہم کہہ چکے ہیں کہ بادشاہ اور کونسل کے احکام خواہ کونسل چھوٹی ہو یا بڑی چند دنوں تک چلتے رہے اور یہ کام اختصار کے ساتھ اب تک باقی ہے۔ لیکن تعین مناصب کی تبدیلی چودھویں صدی میں طے ہو چکی تھی۔

کونسل کا انتظامی کام۔ کونسل کی تاریخ کو مکمل کرنے کے لئے اس قسم کی ایک تیسری تبدیلی بیان کرنا ضروری ہے گو کم از کم بالفعل ہم اس قابل نہیں ہیں کہ ان اشکال یا ابتدا کی واضح تاریخ بتا سکیں جن میں یہ تبدیلی ظاہر ہوئی ہے۔ تبدیلی یہ ہے کہ کونسل کی انتظامی امور کی اہمیت بہت بڑھ جاتی ہے۔ کونسل ہمیشہ حکومت کا سب سے اعلیٰ انتظامی آلۂ کار رہی تھی اور قدیم زمانے سے اس کے جو

انتظامی امور تھے ان کا ایک بڑا حصہ جدید ادارات یعنے بالخصوص گشتی عدالت اکسیکر اور چانسری کو دیدیا گیا جو اس زمانے میں اپنے مفوضہ کام سے خوب واقف ہو گئے تھے۔ تاہم یہ بات ظاہر ہے کہ کونسل کے یہ کام کچھ کم نہیں ہوئے بلکہ برابر بڑھتے ہی گئے۔ یہ بات قرین قیاس ہے کہ یہ تبدیلی کسی خاص وقت اور حالت کا نتیجہ نہ تھی جیسے ہنری سوم کی کمسنی میں مشیرانہ کام کے باعث ہوئی تھی۔ بلکہ اس کا باعث ملکی اور خانگی امور کی روز افزوں پیچیدگی، آبادی کی فراوانی تجارت اور دولت کی بہتات اور کثرتِ کار ہے جو حکومت کو انجام دینا پڑتا تھا۔

پندرھویں صدی میں کونسل کی تاریخ میں جو امور ہمارے لئے زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں وہ در حقیقت اس کے مستقل اجزائے ترقی نہیں ہیں بلکہ دستوری حیثیت کا ظاہری ارتقا ہے جو مستقل نہ تھا یا زیادہ سے زیادہ وہ اس آنے والے مواد کا پیش خیمہ تھا جو بعد کو وجود میں آیا اور ایک مختلف راستے سے آیا۔ اس صدی میں کونسل کی جو رفتار ترقی دکھائی دیتی ہے وہ ایک ہی دستوری حیثیت میں نہ تھی بلکہ متضاد حیثیتوں میں یا یوں کہنا چاہیئے کہ متخالف حیثیتوں میں مختلف اوقات میں عمل میں آئی۔ بعض مرتبہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کونسل بالکل پالیمنٹ کے زیر اقتدار ہے اور پارلیمنٹ کا ایک ماتحت آلۂ کار ہے جو اس کے طے کردہ تدابیر کو عمل میں لاتا ہے یا جہاں تک عملی نتیجہ کا تعلق ہے یہ زمانۂ حال کی کابینہ سے کچھ مختلف نہیں۔ چنانچہ ہنری چہارم اور پنجم اور ہنری ششم کی کمسنی کے دوران میں ایک زمانے تک اس کی یہی حالت رہی۔ بعض مرتبہ کونسل پارلیمنٹ سے بے نیاز ہو جاتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ پارلیمنٹ سے زیادہ قومی ہے اور بطور ایک حقیقی آلۂ حکومت کے طاقتور پادشاہ کی تائید کرتی ہے۔ ہنری ششم کے بلوغ کے بعد اور ایڈورڈ چہارم کے عہد میں اس کی یہ حالت رہی اور آیندہ دور میں شاہان ٹیوڈر کو جو حکومت ورثہ میں ملی تھی اس میں کونسل کا یہی رنگ تھا۔ ابتدائی لنکاسٹری دور میں پارلیمنٹ کو جو اقتدار حاصل ہوا وہ اتنا براہ راست نہیں تھا جیسے آج ہوتا ہے تاہم وہ بھی ویسا ہی بلاواسطہ اقتدار تھا جیسے اقتدار کے تیرھویں اور چودھویں صدی والے مخالف بیرن خواہاں تھے۔ خود پارلیمنٹ اراکین کونسل کو نامزد کرتی تھی یا بادشاہ کو زور دیتی تھی کہ وہ اراکین کو پارلیمنٹ کے اجلاس میں نامزد کرے جس کے باعث پارلیمنٹ

گویا اختیارِ نامنظوری حاصل ہوگیا نیز اس طرح اہلِ کونسل کی تنخواہیں پارلیمنٹ کے رحم و کرم پر رہیں، ان کے لئے ایک حلف مقرر کر دیا گیا اور ان فرائض کے ضابطے بنا دئے گئے۔ اگرچہ پارلیمنٹ اور کونسل کے اس تعلق سے تشکیل دستور میں کوئی مستقل اضافہ نہیں ہوا لیکن اس سے ان اختیارات کی طرف اشارہ ہوتا ہے جو پارلیمنٹ نے اس زمانے میں حاصل کئے تھے۔

چانسری۔ کونسل کے نصفتی یا خصوصی اختیارات کی بنیاد پر چانسری نے جو علیحدہ حدود اختیارات حاصل کئے تھے وہ پندرھویں صدی میں آکر بہت وسیع اور منضبط ہو گئے۔ گزشتہ صدی میں اس حد تک ترقی ہوئی تھی کہ درخواستیں براہ راست چانسلر کے نام سے آنے لگی تھیں اور اگر بلاواسطہ نہیں تو بالواسطہ قانون اور سرکاری وثائق میں چانسلر کے آزادانہ اختیارات روز بروز تسلیم کئے جاتے تھے۔ ایسے مقدمات میں جہاں قانونِ عرفی میں کوئی ایسا ذریعہ نہیں تھا جس سے معاہدے کی تکمیل کروائی جائے (کیونکہ اس میں صرف وثیقہ کے ظاہری الفاظ کو دیکھا جاتا اور مدعی کی پیش کردہ شہادت پر اکتفا کیا جاتا تھا)، عدالت چانسری مقتضائے ضمیر کے مطابق کام کرتی تھی اور یہی اس کی ترقی کا بڑا سبب ہے جو پندرھویں صدی میں ہوئی۔ اس حق کا نتیجہ یہ ہوا کہ چانسری کا کام تیزی کے ساتھ بڑھنے لگا کیونکہ اراضی کو دوسرے کے تمتع uses کے لئے منتقل کرنے کا عملدرآمد روز بروز ترقی کرنے لگا۔ قانونِ عرفی کی عدالتوں نے اس شخص کے مفاد کی حفاظت سے انکار کر دیا جس کے فائدے کے لئے امانت قائم کی گئی ہو معطی لہ (Cestui Oui use) کیونکہ ظاہر میں جائداد امین کے نام منتقل ہو جاتی ہے۔ اس لئے یہ کام عدالت چانسری کے سپرد ہو گیا۔

اختیارِ استثنا۔ اس دور میں وہ شاہی اختیار خصوصی جو اختیارِ استثنا کے نام سے موسوم ہے ایسا واضح ہو گیا کہ یہ وضاحت آیندہ جس زمانے میں دستور کے لئے خطرناک ہو گئی۔ اختیارِ قانون سازی کے متعلق بادشاہ اور پارلیمنٹ کے درمیان جو کشمکش تھی وہ حقیقت میں بادشاہ کے اس دعوے کے خلاف تھی کہ اس کو تنہا قانون بنانے کا اختیار رہے۔ یہ بادشاہ کا وہ اختیار خصوصی تھا جس کو جاگیری مملکت تسلیم کرتی تھی اور زمانۂ حال کی مملکت میں یہ تقریباً اپنی اصلی شکل میں شاہی اختیارِ امتناع کی صورت

میں باقی رہ گیا۔ اگر بادشاہ بطورِ خود قانون بنا سکے تو استدلال یہ چاہتا ہے کہ وہ اس قابل ہو کہ وہ کسی خاص صورت میں قانون کو یا قانون کی سزاؤں اور تکالیف کو مسدود کر دے۔ چونکہ یہ اختیار اس لازم کے مقدمے میں جو بعد کو لیے گئے ثابت ہو عملاً اور اخلاقاً بہت مفید اور ضروری ہے اسی لئے اختیار خصوصی کا یہ پہلو بلا اعتراض اب تک جاری ہے۔ لیکن اگر اس صورت میں یہ اختیار پسندیدہ ہے تو کیا اس کے استعمال کی کوئی معقول حد بھی ہو سکتی تھی۔ کیا بادشاہ پیشگی معافی یا خلاف قانون فعل کی اجازت نہیں دے سکتا تھا۔ اس کے علاوہ دیوانی اور فوجداری قوانین کی پابندی سے مستثنیٰ نہیں کر سکتا تھا یا کسی قانون کو بالکل معطل نہیں کر سکتا تھا۔ جب پارلیمنٹ یہ سمجھ گئی کہ قانون سازی میں شرکت کا دعوے بادشاہ کی طرف سے کیا معنی رکھتا ہے تو وہ اس کے خلاف جد و جہد کرنے لگی اور اس اختیار خصوصی کو ایک حد کے اندر جکڑنے کے لئے جس کو وہ معقول حد سمجھتی تھی کوشش کرنے لگی۔ یہ کشمکش درحقیقت اس وسیع کشمکش کی ایک شق تھی جو قانون سازی اور عدالت گستری کے متعلق اختیار خصوصی کو محدود کرنے کے لئے عمل میں آئی تھی اور اس میں جو دعویٰ صدری کو خاص امتیاز حاصل ہے مثلاً چانسری کے اس حق کو محدود کرنا ہو کہ وہ بغیر کسی گزشتہ نظیر کے نئے نسخے جاری کر دے اور یہ مخالف فریق کی کوشش تھی جو تیرھویں صدی میں اس وقت عمل میں آئی جبکہ سرے سے کوئی پارلیمنٹ ہی نہیں تھی۔ یا دوسری مثال یہ کہ کونسل کے شخصی اور غیر معمولی اختیارات کو خصوصاً ان مقدمات میں جو فوجداری کے جاتے تھے محدود کرنا تھا۔ یہ ایسے اختیارات تھے جن کی فریق مخالف نے زور سے مخالفت کی کہ یہ دستورِ اعظم کی دفعہ ۳۹ کے منافی ہیں۔ لیکن اس کو اور عدالت ستارہ جیرل کے خطرناک اختیارات کو جو دوسرے دور میں پیدا ہوئے کسی قاعدہ کے تحت لانا بہت مشکل تھا۔

ایڈورڈ سوم کے عہد میں خلاف پوپ قوانین جانشینی کلیسائی (Proosous) اور چارہ جوئی کلیسائی (Praemunoi) پاس ہونے سے عملی طور پر اختیار استثنا کو بہت وسعت حاصل ہو گئی اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ پچھلے "قانون دست مردہ" کی صورت میں خود اہل قانون نے اس اختیار کو منظور کر لیا تھا۔ ان قوانین سے استثنا کا کافی موقع تھا کیونکہ کلیسا کا زور و اثر اس کی تائید کرتا تھا اور اس قسم کی نظیریں اب تک ملتی ہیں۔

پارلیمنٹ کو ایسے قیود قائم کرنا بیحد مشکل تھا جو مفید اور مضر دونوں حدود کے بیچ میں قائم ہوں۔ موجودہ اور اگلے دور میں عدالتیں بادشاہ کا یہ حق تسلیم کرنے میں خاطر خواہ کامیاب نہیں ہوئیں کہ بادشاہ کو ایسے جرائم میں جو قانون کے آفریدہ ہوں اور ایسے مقدمات میں کہ جن کی سزاؤں کو معاف کرنے سے خود اس کو نقصان پہنچتا ہو استثنا دے سکتا ہے اور اس کے برخلاف ان جرائم میں جو قانون البلیہ کی رو سے ثابت ہیں اور ان مقدمات میں جہاں خود اس کے فعل سے دوسروں کو نقصان پہنچے کسی کو مستثنیٰ نہیں کر سکتا۔ جب یہ اختیار سولھویں سترھویں صدی میں منتقل ہوا۔ تو وہ اصولاً بالکل مسلمہ تھا گو پارلیمنٹ اور عدالتیں اس کے بعض انطباق پر سختی سے اعتراض کرتی تھیں، لیکن کسی قانون یا نظیر سے اس کی کوئی حد قائم نہیں کی گئی تھی۔

پندرھویں صدی سے پہلے ہی لنکاسٹری دستوری ملوکیت کے خلاف ردِ عمل شروع ہو گیا۔ گلابوں والی لڑائیاں جو پہلے پہل ایک فریقانہ رقابت پر مبنی تھیں اور ان کا مقصد یہ تھا کہ ایک کمزور بادشاہ کو تخت نشین کر کے حکومت میں اپنا اثر پیدا کریں لیکن بعد کو بہت جلد خاندانی خانہ جنگی کی صورت میں بدل گئیں اپنے میں ایسا اثر رکھتی تھیں جو آئندہ زمانے تک پہنچتا تھا۔ فریق مخالف کا کوئی رہنما جو دستوری اصول سے کچھ بھی وابستگی رکھتا یا محدود شاہی کی حفاظت چاہتا اڈورڈ چہارم اور رچرڈ سوم کی سیاسی پیچ اور پختہ کردار کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ دوسری طرف خود بادشاہوں کو بھی آنے والے خطرناک حالات کا اندازہ نہیں تھا جن کی طرف شخصی ملوکیت ڈھکیل رہی تھی گو بعض لوگ اس قسم کی دور اندیشی کو رچرڈ دوم کی جانب منسوب کرتے ہیں۔ وہ ملک میں قوی اور طاقتور ہونا چاہتے تھے اور اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ دستوری ترقی سے ڈرتے تھے بلکہ درحقیقت وہ شورشوں سے خائف تھے چنانچہ یہ لوگ عملی مطلق العنانیت کے چند وہ طریقے اختیار کرنے لگے تھے جن کو شاہان ٹیوڈر نے بہت کچھ ترقی دے دی۔ لیکن اس میں یہ دانستہ ارادہ مضمر نہیں تھا کہ وہ مطلق بادشاہی قائم کرنا چاہتے تھے۔ دارالعوام کو انھوں نے اپنے ہوا خواہوں سے بھر دیا، چودھویں صدی کے بالکل برعکس وہ پارلیمنٹ کو طویل زمانے کے بعد طلب کیا کرتے تھے۔ انھوں نے جبری قرضے اور جبری نذرانوں کے ذریعے ایسی مستقل آمدنی فراہم کر لی

جو ان کی ضروریات کے لئے بہت کافی تھی۔ اس کو وہ پیشکش کے نام سے موسوم کرتے تھے لیکن محض خاندان یارک کے تخت پر آنے کی وجہ سے جو پارلیمنٹی قانون کے علی الرغم اقطعی وراثت کے زور سے تخت پر آیا تھا اس وقت پارلیمنٹ کی فوقیت پر بہت سخت ضرب لگ گئی۔

شہریوں کی آزادی کے اصول۔ شہریوں کی آزادی کے چند ایسے اصول موجود ہیں جو پندرھویں صدی کے آخر میں حکومت کے جابرانہ افعال سے اہل ملک کی حفاظت کرتے تھے۔ یہ اصول انگلستان کے قانون عرفی میں یعنے قانون عام (Puebi law) میں نہیں بلکہ قانون خانگی (Private law) میں قائم کئے گئے تھے۔ لیکن امریکہ میں ان کو اجزائے دستور بنالیا گیا ہے۔ ہیلم اپنی تاریخ دستورِ انگلستان کے شروع میں نتائج مفصلہ کو یکجا کرتے ہوئے ان اصولوں کی طرف ان الفاظ میں توجہ دلاتا ہے کہ "کوئی شخص بغیر قانونی وارنٹ کے جس پر اس کے جرم کی صراحت ہو اور ایسے رواج کے مطابق جو دستوری حق کے برابر سمجھنا چاہئے قید نہیں کیا جاسکتا تھا، اور قید ہو تو فوراً "امانی محبس" کے مسلسل سشن میں اس کی سماعت ہونی چاہئے۔ فوجداری الزام کے متعلق قصوروار اور بے قصور ہونے کا فیصلہ عدالت عامہ میں طے ہوتا تھا اور صوبے میں جہاں جرم کا واقع ہونا سمجھا جاتا تھا ۱۲ آدمیوں کی جوری اس کو طے کرتی تھی اور ان کے متفقہ فیصلے کے متعلق کوئی مرافعہ نہیں ہوسکتا تھا۔ شہری حقوق جہانتک وہ واقعات پر منحصر ہوتے تھے وہ بھی اسی فیصلے کے تابع تھے۔ شاہی حکام اور ملازموں پر جو رعایا کی شخصی آزادی یا دوسرے حقوق پر دست درازی کرتے تھے ہرجے کی نالش ہوسکتی تھی اور ہرجے کا تعین جوری کرتی تھی، اور بعض صورتوں میں یہ لوگ فوجداری چالان کے بھی مستوجب ہوتے تھے اور یہ لوگ اپنی صفائی میں نہ صرف وارنٹ یا سرکاری حکم کو بلکہ خود بادشاہ کے قطعی حکم کو بھی نہیں پیش کر سکتے تھے"۔

یہاں ہم عام خاتمے کے طور پر بشپ اسٹبز کی اس زوردار تلخیص کا اضافہ کرسکتے ہیں جو اس نے سلاطین لنکاسٹر کے زمانے کی دستوری حالت کے متعلق درج کی ہے، کیونکہ تعمیر دستور کے سلسلے میں جو امور اس وقت صورت پذیر ہو گئے تھے وہی بعد کو مستقل ہو گئے اور ٹیوڈری دور تک پہنچے اس میں کوئی شک نہیں کہ یارکی بادشاہوں نے

عملاً مطلق العنانیت تو قائم کی تھی لیکن وہ ایسی نظری اور ادارتی نہیں تھی جیسے بظاہر رچرڈ دوم نے ڈھالنے کی کوشش کی تھی۔ اپنے ہوا خواہوں کو پارلیمنٹ میں بھر کر اور اپنی فوجی طاقت کے زور سے انھوں نے پارلیمنٹ کو اپنے قابو میں کر لیا تھا لیکن خود پارلیمنٹ کے فرائض اختیار کرنے کی کوشش نہیں کی۔ انھوں نے پارلیمنٹ کے منظوری کے بغیر روپے کی کثیر تعداد وصول تو کی لیکن یہ سب کچھ محاصل کے نام سے نہیں بلکہ قرضوں اور نذرانوں کے نام سے لیا۔ اس طرح ان بادشاہوں نے نہ صرف ٹیوڈری اقتدار بلکہ ٹیوڈری طریقۂ عمل کی بنیاد ڈالی تھی۔ اور طریقۂ عمل یہ کہ بادشاہ اپنی ذاتی خواہش کے مطابق اس طرح حکومت کرے کہ دستور کے ظاہری تشکیلیں اس کے ساتھ ہوں اور پارلیمنٹ حلقہ بگوش بنی رہے۔

بشپ اسٹبز کہتا ہے۔ "یہ صحیح ہے کہ انگریزی دستور کے عملدرآمد کے واضح اصول اور تفصیل نہ ہنری چہارم کے موہوم وعدوں میں ملتی ہے نہ سر جان فارٹسکیو کی تجاویز میں لیکن اب دستور کے لئے کسی تعریف کی ضرورت نہیں تھی۔ چودھویں صدی کے انضباط نے جو بعد میں انقلاب کی صورت میں رونما ہوا قوم کو اپنے حق و ناحق کے متعلق بے خبر نہیں چھوڑا تھا۔ وہ عظیم الشان قانون رواج جو انگریزوں کے دل و دماغ اور انفاس میں منقوش ہو گیا تھا اور اس قدر ترقی کر گیا تھا کہ اس میں نہ صرف عوام کی آزادی بلکہ خود پارلیمنٹ کی آزادی کی بابت ہر قسم کا ٹھوس مواد جمع تھا۔ قوم جانتی تھی کہ بادشاہ مطلق العنان حکمراں نہیں بلکہ ایک ایسا حاکم ہے جو حلف، قوانین، حکمت عملی اور ضروریات کے تابع ہے جن پر قوم کو کچھ اقتدار حاصل ہے۔ قوم جانتی تھی کہ اگر بادشاہ حلف توڑ ڈالے تو اس پر خدا کا غضب نازل ہوگا۔ بغیر ان کی منظوری کے جو ان کے صوبہ داری عدالتوں کے منتخب شدہ نمایندوں کے ذریعے سے عمل میں آئے بادشاہ کوئی قانون نہیں بدل سکتا ہے نہ کوئی محصول عائد کر سکتا ہے۔ وہ جانتے تھے کہ یہ عدالتیں کب اور کس طرح نشست کرتی ہیں اور عوام کو کس طرح ان میں شرکت کرنے کا خاص حق حاصل ہے۔ اور ان کے انتخابات میں بادشاہ کی مداخلت بری نظر سے دیکھی جاتی تھی۔ اس حد تک تو دستوری عملدرآمد کے متعلق کوئی پیچیدگی نہیں تھی۔ امرا اور عوام کے مابین کسی تنازع کا خطرہ نہیں تھا۔ صرف اس بات کی ضرورت تھی

کہ اراکین کے مخصوص حقوق کو منوایا جائے اور یہ حق مان لیا گیا تھا کہ جن وزرا اور اشخاص کے متعلق کوئی شکایت ہوتی اور یہ الزام ہوتا کہ وہ حکومت پر اپنا ناجائز اثر ڈالتے ہیں بلاقید اظہار ہوسکتا تھا اور ان کے خلاف مواخذے کی کارروائی ہوسکتی تھی۔ جب بادشاہ قوم کی آزادی کی حفاظت کا وعدہ کرتا تھا تو بالعموم لوگ سمجھ جاتے تھے کہ اس کہنے کا کیا مطلب ہے اور برابر نظر لگائے رہتے تھے کہ بادشاہ کس طرح اپنا وعدہ پورا کرتا ہے اور وہ دیکھتے تھے کہ آیا پرانی خرابیاں دور ہوتی ہیں یا نہیں۔ اب یہ شکایتیں بہت کم سننے میں آتی تھیں کہ بغیر ان کی رضامندی کے روپیہ وصول کیا جاتا ہے یا مسلح کمیشن کے ذریعے جبر ستانی کی جاتی ہے۔ جبری بیع کی کوئی بدعنوانی نہیں جاتی تو صرف اس کے تدارک اور سزا کے سلسلے میں سنی جاتی تھی۔ اگر قانونی فیصلے بلاتعمیل رہ جاتے تھے تو اس کا سبب قوت کی کمی تھی نہ کہ ارادے کی کمی"۔

Bibliographical Note.— J. F. Baldwin, *The King's Council*, 1913. A. V. Dicey, *The Privy Council*, 1860. J. Gairdner, *Life and Reign of Richard III*, 1898. C. L. Kingsford, *Henry V*, 1901. C. H. Mellwain, *The High Court of Parliament*, 1910. L. O. Pike, *The Constitutional History of The House of Lords*, 1894. T. F. T. Plucknett, *The Place of the Council in the Fif- teenth Century*, Trans Royal Hist. Soc., Series IV, vol. 1, 157, 1918. A. F. Pollard, *The Evolution of Parliament* 1920. L. Riess, *Geschichte des Wahlrechts zum Englischen Parlament im Mittelalter*, 1885. K. H. Vickers, *Humphrey Duke of cester*, 1907.

باب ۱۰

سلاطین ٹیوڈر کی طاقتور بادشاہی

جس انقلاب سے خاندان یارک کے آخری بادشاہ رچرڈ سوم زیر ہوا اور خاندان ٹیوڈر کا پہلا فرمانروا ہنری ہفتم تخت پر متمکن ہوا اس سے قوم کے جذبے پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ ۱۳۹۹ء کے انقلاب کی طرح یہ کوئی دستوری انقلاب نہیں تھا۔ اس وقت تو کوئی شخص سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ بھی گلابوں والی جنگ کے بے شمار اتار چڑھاؤ کی ایک کڑی ہے جس میں بہ حیثیت مجموعی تمام قوم بے تعلق تھی۔ اگر کوئی دستوری اصول واقعات آئندہ کی تائید میں پیش کیا جا سکتا ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ پارلیمنٹ نے بڑے سلسلۂ نسب کو پس پشت ڈال کر چھوٹے سلسلے کو تخت دینے کا فیصلہ کیا لیکن اس وقت اسی اصول پر ۱۳۹۹ء کی طرح کوئی خاطر خواہ زور نہیں دیا گیا اور جب بعد کو اڈورڈ چہارم کی بیٹی سے ہنری ہفتم کی شادی ہو گئی تو وہ اصول اور بھی بیکار ہو گیا۔ ٹیوڈر تخت پر متمکن ہوئے تو اس کا باعث کوئی ایسی قومی ہل چل نہیں تھی جو دستور کی تائید میں ہوئی ہو اور نہ پارلیمنٹ کے اختیارات کی تائید کا کوئی وعدہ کیا گیا تھا۔

عام حالات بھی ایسے نہیں تھے کہ جس سے دستور کی تائید ہوتی۔ یہ ایک جدید اور پر آشوب زمانہ تھا جس میں تمام یورپ داخل ہو رہا تھا اور جہاں تک سیاسی تاریخ کا تعلق ہے یہ قرون وسطیٰ کی زمانۂ حال میں تحویل تھی۔ موجودہ قومیں وہ شکل اختیار کر چکی تھیں جو تقریباً ان کی آخری

تشکیل کہی جا سکتی ہے۔ اگر فرانس کو اپنے موجودہ مشرقی حدود حاصل نہیں ہوئے تھے تو اس نے کم از کم اپنے عام جغرافی حدود ضرور حاصل کر لئے تھے۔ وہ بڑی جاگیری سرداریاں جو ایک زمانے میں خود مختار تھیں اب مغلوب ہو کر ضم ہو چکی تھیں۔ ملک کی حکومت بادشاہ کی ذات میں اس طرح جمع ہو گئی تھی کہ تمام رقیبانہ طاقتیں خارج کر دی گئی تھیں گو جملہ اجزائے حکومت سترہویں صدی تک مکمل نہیں ہوئے۔ جزیرہ نمائے ہسپانیہ کی یہ حالت تھی کہ جو بڑی سلطنتیں مدت دراز سے مسلمانوں کو باہر دھکیل رہی تھیں وہ اب فرڈیننڈ اور ازابیلا کی شادی کی وجہ سے ایک جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئی تھیں اور فرانس سے زیادہ سریع اور سخت طریقہ عمل سے کام لیکر جس میں زیادہ تشدد شامل تھا ایسی مطلق العنانی قائم کر دی تھی جو عملاً فرانس سے کم موثر نہ تھی۔ خاندان آسٹریا تاریخ کے ایک بڑے دور سے گزر رہا تھا۔ اس خاندان نے دریائے رائن سے بڑے مجموعے کو جس کا اجتماع امرائے برگنڈی کی حوصلہ مندی کا نتیجہ تھا، نیز جنوب مشرقی ریاستوں سے ملحق کر لیا تھا۔

شہنشاہیت کا جدید تصور ۔ اس عہد کے تدبر کی کیفیت بھی جدید تھی اور یہ وہ زمانہ تھا جس میں زمانۂ حال کے مفہوم میں "دول اعظم" وجود میں آ رہے تھے اور جو قرون وسطیٰ کے حالات غائب ہو رہے تھے۔ جو صدیاں عین اس سے پہلے گزری تھیں ان میں ہر حکومت کے سامنے سب سے اہم مسئلہ صرف یہ تھا کہ ملک میں قومی یا اندرونی استحکام اور مرکزیت ہونی چاہیئے۔ قرون وسطیٰ کے دور ما بعد میں اگر کسی حکمران نے بینی مملکتی اتحاد قائم کرنے کی کوشش کی تو اکثر و بیشتر صورتوں میں اس کا مقصد یہ نہیں ہوتا تھا کہ اپنے حدود کے باہر کوئی علمداری حاصل کرے بلکہ خارجی تائید سے اپنے اندرونی مشکلات کو دور کرنا چاہتا تھا۔ چونکہ اس زمانہ میں ان بڑی مملکتوں کی اندرونی مشکلات بڑی حد تک دور ہو چکی تھیں اس لئے اب یہ حکمران دوسرے امور کی طرف اپنی خاص توجہ مبذول کر سکتے تھے۔ اس طرح شہنشاہیت کا ایک جدید تصور پیدا ہوا لیکن یہ "مقدس رومی شہنشاہیت" کا تصور نہیں تھا جو تمام عیسائی دنیا پر حاوی اور خدائی تنظیم پر قائم ہو کر انسانی معاملات کی رہنمائی کرے اس کو قرون وسطیٰ کا ایک خواب سمجھنا چاہیئے۔ اس وقت جو تصور پیدا ہوا تھا اس کو پندرہویں صدی کی تنظیم سے کوئی نسبت نہ تھی بلکہ اس وقت لفظ شہنشاہیت میں بالکل نئے معنے پیدا ہو گئے تھے۔ اس سے مملکت کی وہ قوت اور علمداری سمجھی جا رہی تھی جو قومی حدود کے باہر قائم ہو

اور چند صورتوں میں غالباً یہ مطلب سمجھا جاتا تھا کہ دوسری مملکتوں کو یا ان کے اجزا کو اپنے میں ضم کر لے۔ لیکن اس کے حقیقی معنے ایک مملکت کا اس غرض کے لئے کوشش کرنا تھا کہ تمام یورپ پر غلبہ حاصل ہو۔ یہی تصور تھا جو بعد کو چل کر سلطنت ہفت اقلیم کے تصور میں پھیل گیا۔ یورپ کی تمام محاربات کا جن کا یہاں سے سلسلہ پڑتا ہے یہی باعث ہے اور ۱۹۱۴ء کی محاربۂ عالم کے متعلق ہم صرف یہی ؔمیداؔ سکتے ہیں کہ یہ اس کی آخری منزل تھی۔

زمانہ حال کی بین الاقوامی رقابت کا یہ پہلا درجہ تھا۔ اس میں فرانس اور اسپین کے دو بڑے نبرد آزما تھے۔ ان دونوں کے مقابلے میں انگلستان ایک چھوٹی سی مملکت معلوم ہوتی تھی جو بہ مشکل توازن قوت قائم کرنے کے قابل تھی۔ لیکن اس کے قبضے میں جو ذرائع تھے وہ بہترین تھے اور یہ اس کی وسعت کے تناسب سے بہت زیادہ تھے، نیز جیسے ہمیشہ ہوتا رہا اس کا جغرافی موقف اس وقت بھی اس کی خاص حفاظت کرتا تھا۔ لیکن وہ زمانہ کسی چھوٹی سلطنت کے لئے خطرناک تھا اس لئے بر اعظم کی بڑی طاقتیں اس کو اپنے اغراض میں لگانا چاہتی تھیں اور یہ صرف اس کی معقول تدبیر تھی کہ اس نے اپنے کو ان مملکتوں کے اتحاد سے الگ رکھا اور اپنے مستقبل کو الجھنوں سے بچا لیا۔ جب سولھویں صدی کے مذہبی انقلاب نے صورتِ حال اور پیچیدہ کر دی تو یہ خطرہ زیادہ شدید ہو گیا۔ قومی رقابتیں انتہا کو پہنچ گئیں اور بغض و عناد کے جدید عناصر پیدا ہو گئے۔ اور جب یہ خطرہ انگلستان کے سامنے آیا تو نہ صرف یہ خارجی الجھن لے کر آیا بلکہ خانہ جنگی و جدل اور انقلاب بھی اس کے ساتھ آ گئے۔

یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے کہ ایسے زمانے میں دستور یعنے محدود شاہی کا اصول قوم کی خاموش رضامندی کے ساتھ معطل ہو جائے بلکہ اچنبھا تو اس بات کا ہے کہ دستور کا بالکل خاتمہ نہیں ہو گیا۔ ابھی انگریز قوم پر اس سے پہلے جو زمانہ گزرا تھا اس میں ملک خانہ جنگی کے مصائب میں ہو کر گزر چکا تھا اور اب طاقتور ملوکیت گویا ایک قسم کی رحمت ثابت ہوئی تھی اب انگریزی قوم ایسے زمانے میں داخل ہوئی تھی جب کہ یورپ کی تمام فضا مطلق العنانہ رنگ لئے ہوئے تھی اور داخلی اور خارجی دونوں مسائل کا یہ اقتضا تھا کہ قومی حیثیت ایک نقطہ پر جمع ہو اور قومی نظم و نسق اور قومی ذرائع ایک ہی اقتدار کے تحت ہوں۔ ظاہر ہے کہ ایک وسیع النظر مدبر کے نزدیک مطلق العنانی کی یہ بازگشت حق بجانب سمجھی جائے گی جب کہ اس کے ساتھ قوم کی تائید بھی شامل ہو۔

سولھویں صدی کی پارلیمنٹ۔ لیکن اگر ہم اس زمانے کو صرف یہی سمجھیں کہ اس میں دستور کی ترقی بند ہوگئی تھی اور مطلق العنانہ ردعمل پورے زور پر تھا تو سولھویں صدی کے متعلق ہمارا خیال صحیح نہیں ہوگا۔ کم از کم دو امور میں تو یہ خیال اصلیت سے بہت دور جا پڑتا ہے۔ پہلی چیز تو یہ ہے کہ اہم پہلوؤں میں دستور کا عملدرآمد برابر جاری تھا۔ ٹیوڈر بادشاہوں کے لئے جو ابھی ہم پڑھیں گے۔ یہ بات زیادہ سہل تھی کہ پارلیمنٹ کے توسط اور دستوری اشکال کے ذریعے اپنی خواہش پوری کریں نہ کہ پارلیمنٹ کو پس پشت ڈال دیں اور ایک جدید اداری مطلق العنان حکومت قائم کریں۔ اس زمانے میں بعض اوقات یہ ضرور ہوا کہ جو بادشاہ نے چاہا اسی کو قوم نے پسند کیا۔ بعض دفعہ پارلیمنٹ پر دباؤ ڈالا گیا اور بعض مرتبہ اس سے جبراً ایسے کام لئے گئے جس کو قوم کی اکثریت غالباً کبھی منظور نہ کرتی۔ دوسرے وقت خصوصاً اس دور کے اوائل میں پارلیمنٹ ایک حد تک پس پشت ڈال دی گئی اور طویل عرصے کے بعد اس کے اجلاس کی اجازت دی جاتی تھی اور یہ وقفے ایسے طویل ہوتے تھے کہ کم از کم اڈورڈ سوم کی تخت نشینی کے بعد ایسے کبھی نہیں ہوئے۔ اس کے برخلاف پارلیمنٹ کبھی کبھی اپنی خواہش پر زور بھی دیتی تھی اور بادشاہ کا ساتھ دینے سے انکار کر دیتی تھی اور گو یہ بالعموم بڑے بڑے معاملات میں نہیں ہوتا تھا تاہم ان حالات میں پارلیمنٹ ضرور استعمال کی گئی حقیقت یہ کہ پارلیمنٹ بھی قانون سازی اشتناد اور ہدایت امور کا واحد آلہ تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دستور کا جو استعمال کیا گیا تو یہ صرف اس کے ظاہری اشکال کا استعمال تھا جن میں سے روح غائب ہو چکی تھی۔ ان اشکال کا استعمال صرف بادشاہ کی مشیت کو پورا کرنے کے لئے ہوتا تھا۔ نہ کہ اس مشیت کو محدود کرنے یا اس کے علی الرغم دوسری کسی مشیت کو پورا کرنے کے لئے۔ لیکن اس بات کو فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ وہ اشکال ضرور استعمال ہوتی تھیں۔ دستور کم از کم پارلیمنٹی اختیارات اور فرائض کی صورت میں قائم رکھا گیا تھا اور جو چیز اب حاصل ہوئی وہ از یاد رفتہ نہیں ہوئی تھی بلکہ حالات بدلتے ہی وہ، اس طرح عود کر آئی کہ دستوری شاہی کی حقیقی روح ہوگئی بشرطیکہ اور جب بادشاہ کے ساتھ کشمکش کی ضرورت پیش آئی تو بغیر کسی قومی خطرے کے اس سے کام لے لیا گیا۔

امور مذہبی کی گرفت۔ اس کے علاوہ جو دوسرا مسئلہ تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹیوڈری دور کی خصوصیت میں صرف ردعمل ہی نہیں تھا اور سچ تو یہ ہے کہ

دستوری اشکال کے اس خاص استعمال سے بادشاہ کی مشیت کے اظہار کا امکان پیدا ہوتا تھا
اس واقعہ کو اختصار کے ساتھ عام شکل میں اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے۔ کہ یہ سولھویں صدی
کا اہم ترین کام تھا کہ قومی کلیسا کو پارلیمنٹی اقتدار کے تابع کردیا گیا اور یہ اسی قدر تابع کیا گیا
جس قدر کہ ملوکیت اس زمانے میں تابع کی گئی تھی۔ قرونِ وسطیٰ کا کلیسائی انتظام ملکی حکومت
سے علحدہ تھا اور قوم کی سیاسی زندگی کا ایک بہت بڑا حصہ اس کے دائرۂ اثر میں تھا اور وہ
اس قدر کہ ہم اس کا زمانہ حال کے کلیسا کی حالت سے اندازہ نہیں لگا سکتے۔ قانون کے بعض
بڑے بڑے شعبے جیسے وصیت، وراثت، ازدواج اور طلاق صرف کلیسا سے متعلق تھے۔
چند انتظامی امور مثلاً۔ غربا کی نگہداشت جو آج موجودہ مملکتوں کے قبضے میں ہے کلیسا کے ہاتھ
میں تھی۔ پاپائیت ایک بڑی بین الاقوامی مملکت تھی جس میں سیاسی حکومت کی جملہ تنظیم
اور آلات موجود تھے۔ تمام یوربی ممالک سے اس کے پائے تخت کو پے در پے
اطلاعات، مرافعے اور محاصل جایا کرتے تھے اور نیز اس کے پائے تخت سے احکام، امورِ
اور عدالتی فیصلوں کا آنا تانا بندھا رہتا تھا۔ بعض امور میں پاپائیت بین الاقوامی مملکت سے زیادہ
اہم تھی کیونکہ اس کا عقیدہ تھا کہ وہ براہ راست الوہی حکومت کی نیابت کرتی ہے چنانچہ
اس لئے وہ ایک سیاسی مملکت سے زیادہ اپنا حکم منواتی تھی۔ اس زمانے کے اکثر ممالک کا
مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ بعض معاملات میں انگلستان کی سلطنت زیادہ خودمختار تھی
مگر اس کی سیاسی زندگی کا ایک بڑا حصہ ایک بیرونی حکومت کے تابع تھا۔

یہ ماتحتی سب سے پہلی چیز ہے جو سولھویں صدی میں آکر پارہ پارہ ہوگئی۔ اس وقت
کلیسا کے پچھلے مذہبی تعلقات منقطع کرنا مقصود نہیں تھا بلکہ حکومت نے صرف یہ کیا کہ جملہ سیاسی
معاملات جو اب تک پوپ کے ہاتھ میں تھے۔ وہ بالکلیہ اپنے قبضے میں لے لئے اور اس کے ساتھ
کلیسا پر بھی اپنی حکومت قائم کردی۔ یہ بذات خود ایک انقلاب تھا اور حقیقت یہ ہے کہ
اس کے جلو میں خود بخود ایک بڑے انقلاب کی آمد آمد تھی یہ دوسرا بڑا انقلاب جو ایک
مذہبی انقلاب تھا اس پر غور کرنا ہمارا کام نہیں ہے اور نہ یہ جاننا ہمارے لئے کوئی اہم چیز ہے
کہ آیا اس نتیجے کا باعث ہنری ہشتم کے ذاتی اغراض تھے جن کی بنا پر وہ کیتھرائن آف اراگان
کو طلاق دینا چاہتا تھا یا مشتبہ وراثت کے ڈر سے سیاسی دوراندیشی سے کام لیا گیا تھا۔ ہمارے
مضمون کے لئے تو یہ بات اہم ہے کہ یہ عظیم الشان سیاسی تغیر اور انقلاب سب کچھ پارلیمنٹ

کے قانون سے عمل میں آیا۔ ۱۵۲۹ء کی پارلیمنٹ کے پیہم اجلاسوں میں جو سات سال تک نشست کرتی رہی عظیم الشان قوانین کا ایک سلسلہ وضع ہوا جس سے انگلستان اور حکومتِ پوپ کے تمام رشتے یکے بعد دیگرے ٹوٹ گئے اور پوپ کی جگہ بادشاہ کلیسا کا حاکم ہوگیا۔ اگر ہم اس سے آگے نہ بڑھیں تو بھی اس حد تک ان قوانین سے پالیمنٹی اختیارات کا غیر معمولی استعمال ثابت ہوتا ہے لیکن ان قوانین نے اس سے زیادہ کام کیا ہے۔ ان قوانین نے مذہبی امور کے لئے پارلیمنٹی اقتدار کی بنیاد ڈالدی جو پچھلے سو سال سے برابر اسی طرز سے استعمال ہوتا رہا ہے جو سولھویں صدی کے انقلابیوں کو بھی بہت درست معلوم ہوتے اور اس سے بڑھ کر یہ تھا کہ ان تغیرات کے لئے جو بادشاہ دل سے چاہتا تھا پارلیمنٹ سے منظوری لیجاتی تھی اور پارلیمنٹ کے خیالات کا لحاظ کیا جاتا تھا۔ اور اس سے نہ صرف پارلیمنٹ کے موقف قانونی کا کھلا اعتراف بھی نہیں تھا بلکہ آئندہ زمانے کے لئے یہ ایک معنی آفریں مثال پیدا ہوگئی۔

اس مذہبی انقلاب کو ایک زبردست پیش قدمی کہنا چاہئے کیونکہ اس سے تمام سیاسی معاملات قومی اقتدار کے تحت آگئے اس پر نظر ڈالنے کے بعد سولھویں صدی کے متعلق پھر ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس زمانہ میں دستوری ترقی معطل تھی۔ اس ترقی کے مقابلہ میں عاملانہ اور انتظامی آلات اور مجلس شاہی کی جدوجہد میں جو اس وقت پارلیمنٹ کے زیر اقتدار نہیں تھی بلکہ براہ راست بادشاہ کی نیابت کرتی تھی جو مختصر اضافے ہوئے ہیں وہ بہت کم اہمیت رکھتے ہیں بڑی چیز یہ ہے کہ اپنی ابتدائی ترقی میں جو دو صدیوں میں عمل میں آئی ہے پارلیمنٹ نے جو اختیارات اپنے ہاتھ میں جمع کر لئے تھے وہ زائل نہیں ہوئے تھے بلکہ وہ ایسے موثق اور وسیع ہوگئے تھے کہ مملکت میں ان کا کام واضح اور معین ہوگیا تھا۔ بادشاہ پارلیمنٹ کو انتہائی اختیار کا منبع سمجھتا تھا اور ملک کی انقلابی تنظیم میں اسی سے منظوری لیتا تھا۔ چنانچہ اس طریقے سے ایسی جدید مثالیں قائم ہوگئیں جو مستقل اہمیت رکھتی تھیں۔ اور جب موافق حالات پیدا ہوگئے تو انھیں مثالوں سے دستوری محدود شاہی کی از سرِ نو تعمیر ہوگئی جو پہلے سے زیادہ وسیع اور ٹھوس بنیاد پر قائم ہوگئی۔ دوسرے الفاظ میں سولھویں صدی کی اہمیت صرف اسی زمانہ کو پیشِ نظر رکھکر یا صرف حکومت کی رفتار اور خصوصیت کو جس طرح وہ سال بہ سال عمل میں لائی جاتی تھی مدِ نظر رکھکر نہیں دیکھنا چاہیے بلکہ ان نتائج پر غور کرنا چاہئے جو دوسرے دور میں جاکر پیدا ہوئے۔ چونکہ یہ نتائج ٹیوڈر دور کے بعد ہی ہوئے ہیں لہذا یہ ٹیوڈری حکمت عملی کے

نتائج نظے گو خصوصیت میں مختلف تھے۔

جو کچھ اب تک بیان کیا گیا ہے اس سے بھی اس بات کی پوری وضاحت نہیں ہوئی کہ سولہویں صدی میں دستوری حقیقت کیا تھی۔ دستوری مورخ کو ان چیزوں کا بھی لحاظ رکھنا ضروری ہے جو معاشی اور معاشرتی مورخ پیش کرتے ہیں پندرھویں صدی کی دستوری شاہی ایک طرح پر قبل از وقت تھی کیونکہ اس وقت تک موجودہ مفہوم کے مطابق کسی قوم کا وجود نہیں ہوا تھا جو سیاسی ضبط اور معاشرتی ترقی کے ساتھ تیار ہوا اور ان دستوری آلات حکومت کو اپنے منشاء کے مطابق چلا سکے جو ۱۲۹۵ء کی پارلیمنٹ کے اجلاس کے بعد بہت جلد جلد وجود میں آ گئے تھے ہنری ششم کے طویل عہد حکومت میں بیرنیان انگلستان کی معاشی زندگی پر ایک حاکمانہ اثر رکھتی تھیں اور پندرھویں صدی کی بیرنیان پارلیمنٹ اور قوم کے مفاد کو چھوڑ کر خود اپنے فریقانہ اغراض میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ ۱۴۵۵ء سے لے کر ۱۴۸۵ء تک تاریخ انگلستان میں گلابوں والی جنگ بظاہر ایک بہت بڑا واقعہ نظر آتا ہے۔ لیکن وہ عوام کی جنگ نہیں بلکہ صرف بیرنوں کی جنگ تھی۔ اور اس لگاتار خانہ جنگی کے باوجود بحیثیت مجموعی ملک معاشی اور معاشرتی حیثیت سے بہت تیزی سے آگے بڑھتا رہا۔ امرا اور ان کی غنڈی فوجوں کو قانون کے تابع کرنے اور پھر ایک باقاعدہ سیاسی زندگی قائم کرنے کے لئے سلاطین ٹیوڈر کی طاقتور مطلق العنانیت کی ضرورت تھی۔

اس زمانہ کا تحقیقی کام۔ مرکزی حکومت کی طاقت اور کارکردگی کو از سر نو ترتیب دینا ایک بڑا بھاری کام تھا اور یہ کام خاندان ٹیوڈر کے پہلے تاجدار ہنری ہفتم کے حصے میں آیا۔ اس کام کے معمولی اجزا سے بھی یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ اس کو انجام دینے کے لئے کیا طریقے اور کیا آلات استعمال کرنے چاہئیں اور اداروں میں کیا ضروری تبدیلیاں کرنی چاہئیں۔ ایک طرف دستور یعنی حکومت کے عام رنگ اور خصوصیت کو دیکھا جائے اور دوسری طرف اداراتی یعنی جزئی آلات کو دیکھا جائے جن سے حکومت چلتی تھی تو دونوں لحاظ سے ٹیوڈری دور کے تمام خد و خال بڑی حد تک ہنری ہفتم کے بنائے ہوئے نظر آئیں گے۔ یہ کام اپنے طور پر ویسا ہی تنظیمی تھا جیسے ایڈورڈ اول کے یا ایڈورڈ سوم کے عہد میں عمل میں آیا تھا مگر اس کا اثر اس وقت حکومت کی تہ تک نہیں پہنچا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ شاہی مجلس کو استعمال کرنا پارلیمنٹ کو پس پشت ڈال دینا، قدیم اور طاقتور امارت پر ضرب لگانا تجارت کی

حوصلہ افزائی کرنا، معاشی ترقی بڑھانا اور مالی تدابیر کے جیسے اور تننگ منڈ سے استعمال کرنا یہ سب کچھ ایڈورڈ چہارم کا کیا ہوا تھا لیکن خاندان یارک کا کوئی حکمراں اس قابل نہیں تھا کہ اپنی حکمت عملی کو آخری کامیابی کی حد تک پہنچاتا یا اپنے تدابیر کو ایک مربوط مجموعے میں جمع کر دیتا۔ ہنری ہفتم نے اس موقع پر بھی جہاں اس کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ اس نے خاندان یارک کے نمونے کی خاطر خواہ پیروی کی اپنے کام کو ایک مستقل اور دستوری سانچہ میں ڈھال دیا اور بعض امور میں تو اس نے اپنی مطلق العنان شاہی کو ایسا دستوری جامہ پہنا دیا کہ دوسرے بادشاہ ایسا نہ کر سکے تھے۔

حکومت کا سب سے بڑا مسئلہ جو ہنری کو سب سے پہلے حل کرنا پڑا وہ بدنظمی کا ازالہ جرائم کی تعزیر اور قومی عدالتوں کے اقتدار کی بحالی تھی۔ گلابوں والی جنگ کے دوران میں بعض اوقات بے روک ٹوک خانگی لڑائیاں ہوتی رہیں۔ اس وقت خانگی مسلح فوجیں رکھنے کا دستور تھا۔ ان فوجوں پر ہر امیر گھرانے کا وردی کے طور پر ایک خاص لباس ہوتا تھا اور جب عدالتیں ان خانگی سپاہیوں کے خلاف قانون افعال پر سزا دینے کی کوشش کرتیں تو عدالتوں کو دھمکی دی جاتی تھی جیسے وردی اور داشت کا رواج کہتے تھے۔ پارلیمنٹ اس کے خلاف سو سال سے شکایت کرتی رہی اور کم از کم احکام کی صورت میں اس کے خلاف قوانین بھی وضع کرتی رہی اور ان ملزمین کی سماعت کے لیے مجلس شاہی کو خاص اختیارات بھی دیئے گئے تھے چونکہ یہ معاملہ ملک کے بڑے مسائل میں شامل تھا اس لئے اب اس کو پورے عزم کے ساتھ اٹھایا گیا۔ ۱۴۸۷ء میں ایک قانون پارلیمنٹ کے ذریعے کونسل کی ایک خاص کمیٹی مقرر کی گئی جو تاریخ میں عدالت انجم کے نام سے موسوم ہے گو حقیقت یہ ہے کہ نام بہت پرانا تھا اور غرض یہ تھی کہ یہ مجلس شاہی ان مقدمات کا اور اسی قسم کے دیگر مقدمات کا جہاں ملزم اس قدر طاقتور ہو کہ معمولی عدالتوں کے دباؤ میں نہ آسکے فیصلے کرے۔ یہ اختیار کردہ تدابیر خود جدید نہ تھیں لیکن جس شد و مد سے یہ عمل میں لائی گئی تھیں وہ نئی چیز تھی۔

مجلس شاہی کے اختیارات۔ جیسے ہم دیکھ چکے ہیں کہ کونسل میں جس قدر تبدیلیاں واقع ہوئیں مثلاً اس کے مشیرانہ فرض کی ترقی۔ عام نظم و نسق کی گرفت میں اس کے اختیارات کی توسیع اور وہ تفریق جس سے قانون عرفی اور نصفت کی عدالتیں۔ عدالتی مجلسوں کی حیثیت میں یا مجلس خزانہ اور عدالت نصفت کی انتظامی جماعتوں کے طور پر الگ الگ ہو گئیں ان سے کونسل کے انتہائی اختیار عدالتی میں کہ وہ بادشاہ کے انصاف خصوصی کا آلہ تھی کوئی

تخفیف نہیں ہوئی۔ جس طریقہ سے اس کا استعمال ہوتا تھا اس کی وقتاً فوقتاً شکایت ہوتی رہی۔ بعض اوقات اس سے بہت کم کام لیا گیا۔ لیکن اس کے حقیقی اقتدار میں کبھی تخفیف نہیں ہوئی۔ جدید مجلس کے تقرر کی خاص وجہ یہ تھی کہ مجلس شاہی کے فوجداری اختیارات کو استعمال کرے۔ قانون وضع شدہ سے کونسل کی کوئی ترقی عمل میں آئی نہ اس کے اختیارات میں وسعت ہوئی۔ گو اس کمیٹی میں دو صدر عادل بڑھا دئے گئے اور بعض اوقات سولھویں صدی میں عدالت انجم خود کونسل بن کر ایک خاص حیثیت سے کام کرتی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ کونسل ایک جدید تفریق رونما ہو رہی تھی یعنے اس کے فوجداری اختیارات جدید عدالت کے سپرد ہو رہے تھے۔ مگر پچھلی تفریق میں اور اس میں یہ فرق تھا کہ اول تو اس کو قانون پارلیمنٹ کی منظوری حاصل تھی اور دوسرے اس میں اس کی کبھی تکمیل نہیں ہوی۔

عدالت انجم کی خصوصیت جو صاحبان شوکت کی بدعنوانیوں کے انسداد کے لئے بہت مفید ثابت ہوئی اور عرصہ تک مقبول رہی یہ تھی کہ وہ انصاف خصوصی شاہی کی عدالت تھی۔ چنانچہ کونسل نے ضابطہ قانون عرفی کی کبھی پیروی نہیں کی اور وہ ان احتیاطی تدابیر کی پابند نہیں تھی جن کے متعلق قانون عرفی کی جانب سے یہ کوشش تھی کہ ان کی پابندی ہونی چاہئے تاکہ کسی ملزم پر ظلم نہ ہو۔ اس کے ہاں کوئی جوری نہیں تھی۔ وہ ملزم کو حلفیہ بیان دینے پر مجبور کر سکتی تھی۔ تحقیقات کے لئے شکنجے کا استعمال بھی کیا جا سکتا تھا ان اسباب کی بنا پر یہ فوجداری نصفت کی عدالت کہی جاتی تھی اور یہ صحیح بھی تھا۔ کم از کم اس وقت اس عدالت نے اس طرح سے انصاف کیا جو کسی اور طریقے سے ممکن نہ تھا۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ براہِ راست شاہی اختیار خصوصی کو استعمال کرتی تھی اور اس وجہ سے ہر اس شخص کا مقابلہ کرنے کے قابل تھی جو معمولی عدالتوں کو ٹھکرا دیتا تھا لیکن بادشاہ کو ٹھکرانا تو بہت بڑی بات تھی۔ اس اس میں یہ امکان ضرور تھا کہ ایک زوردار آلہ بن جائے۔ اور آخر میں جا کر تقریباً ایسا ہی ہوا۔ تقریباً ایک صدی تک اس نے مفید کام انجام دیا اور جس وقت حقیقی مطلق العنانیت کا زمانہ آیا تو اس وقت یہ موجود تھی اور اس کے ہوتے ہوئے بادشاہوں کو اس بات کی ضرورت نہ تھی کہ قانون عرفی کی عدالتوں کو اپنا اختیاری آلۂ کار بنا دیں۔

اگرچہ مجلس شاہی خود اس زمانہ میں اتنی خود مختار نہیں تھی جیسے بعض اوقات

پندرھویں میں رہ چکی تھی۔ تاہم اس ٹیوڈری دور میں اس کو روزمرہ کار وبار حکومت میں وہ اختیار و اقتدار حاصل تھا جو اس کو کبھی حاصل نہیں ہوا تھا۔ اس مفہوم میں ٹیوڈری دور کونسل کے کام کا بہت بڑا زمانہ تھا جب کہ اس کی حیثیت بڑے مہمات مملکت کی تدبیر کے قطع نظر امور حکومت کے انتظام میں اپنی چھوٹی شاخ یعنے زمانہ حال کی کابینہ سے کچھ کم نہیں تھی پریوی کونسل کی اصطلاح جو ایک زمانہ سے گاہے گاہے استعمال ہوتی تھی اور اکثر تحقارت سے استعمال ہوتی تھی اب باضابطہ بن رہی تھی۔ اور خاص طور پر کونسل کی وہ شکل اختیار کر رہی تھی جو اس دور کے وسط سے پہلے ہمیشہ بادشاہ کے ہمراورکاب تھی۔ اور یہ عدالتی امور انجام نہیں دیتی تھی بلکہ امور سلطنت انجام دیتی تھی کیونکہ عدالتی امور کونسل میں عدالت انجم کے سپرد ہو گئے تھے تاہم کونسل کے ان دو اشکال میں جو فرق ہے وہ ایسا نہیں ہے کہ دونوں میں ایک خط فاصل کھینچا جا سکے بلکہ خاص فرائض اور ان کے زور عمل کا فرق ہے اور یہ اس بات کی قطعی علامت تھی کہ یہ تفریق جو شروع ہو رہی تھی اس کا ہونا ضروری تھا۔ پریوی کونسل میں قدیم چھوٹی کونسل کی جملہ خصوصیات موجود تھیں تو اس کے خلاف عدالت انجم وہ فرض انجام دیتی تھی جو آہستہ آہستہ ایک خاص جماعت کے ہاتھ میں آرہا تھا۔

قدیم زمانے میں کونسل اپنا بہت کچھ کام چھوٹی جماعتوں اور ماموریتوں کے ذریعے سے کرتی تھی اس کے علاوہ عدالت انجم کو واحد عدالت نہیں سمجھنا چاہیئے جو ٹیوڈر دور میں قائم ہوی یا زندہ ہوی۔ عدالت التماسات خاص طور پر غربا کے مقدمات کے لئے تھی۔ عدالت اضافات اور عدالت مداخل اولی وعشر روما کے قطع تعلق کے بعد قائم کی گیئں تاکہ یہ عدالتیں ان اراضی اور مداخل کا فیصلہ کریں جو کلیسا کے قبضے سے نکل کر بادشاہ کے قبضے میں آگئے تھے۔ عدالت حصانت ان مقدمات سے متعلق تھی جن میں بادشاہ کو حق حصانت حاصل تھا اور یہ اکثر جاگیری ہوتے تھے۔ ویلز اور شمال کی کونسلیں اس غرض سے قائم کی گئی تھیں کہ بادشاہ کا اقتدار کام میں لاکر سرحدوں پر امن قائم رکھیں آئرستان اور کیلے میں اس کونسل کی دوسری شاخیں تھیں۔ عدالت ہائی کمیشن پر بعد کو غور کیا جائے گا۔ یہ تمام کونسل کی شاخیں تھیں یا اس کے براہ راست نگرانی میں تھیں اور اس کے علاوہ کسی واقعہ کی تحقیقات سننے صوبوں کو عارضی ماموریتیں بھیجی جاسکتی تھیں یا مقرر کیجا سکتی تھیں بادشاہ کے متعلق معلوم ہوتا ہے کہ وہ اکثر بڑے معاملات میں اپنی کونسل سے باضابطہ مشورہ کئے بغیر

کام کرتا تھا لیکن کونسل چھوٹے سے چھوٹے معاملے پر بھی غور کر سکتی تھی ۔

معتمدِ مملکت کا عہدہ ۔ جس طرح بادشاہ کے خانگی عہدہ دار اور کونسل کے مابین پرانا تعلق اب تک قائم تھا اسی طرح اس زمانے میں کونسل سے ایک اور جدید سرکاری تعلق شروع ہو گیا جس کی صورت بالکل ایسی تھی جیسے زمانۂ حال میں پائی جاتی ہے ۔ بعض قدیم عہدہ دار زمانۂ حال کے مطابق ہو گئے تھے اور بعض جدید عہدے اس غرض سے پیدا کئے گئے کہ یہ ان معاملات کو انجام دیں جو روز بروز پیدا ہو رہے تھے ۔ اپنے رتبے کے اعتبار سے لارڈ چانسلر اب تک رکن رکین کونسل تھا لیکن وہ اب پہلے کی طرح سیاسی وزیر نہیں تھا بلکہ عدالتی عہدہ دار ہو گیا تھا ۔ بعض اوقات اعلیٰ مہر بردار شاہی اس کی جگہ نشست کرتا تھا اور الزبتھ کے عہد کے ایک قانون کے ذریعے سے اس کے اقتدار اور اختیارات چانسلر کے برابر کر دیئے گئے تھے ۔ خازن اعلیٰ اس زمانہ میں قومی مالیہ کا حقیقی صدر ہو گیا تھا ۔ پریوی کونسل کے صدر کا عہدہ جدید تھا جو اکثر خالی رہتا تھا ۔ اعلیٰ مہر بردار شاہی اس آئینی حکومت کا ذمہ دار رکن تھا جس کی اس زمانے میں لارڈ چانسلر کی طرح تمام اجزائے حکومت میں برابر کی اہمیت ہو گئی تھی ۔ جو عہدہ آئندہ زمانے کے لئے اہمیت رکھتا ہے وہ بادشاہ کے معتمد کا جدید عہدہ تھا جو معتمدِ مملکت کے نام سے موسوم ہونے لگا ۔ اس کی قدیم تر اصلیت تیرھویں صدی میں بادشاہ کے منشی سے ہوتی ہے لیکن اس کی عظیم الشان اہمیت پندرھویں صدی میں جا کر پیدا ہوئی اور سولھویں صدی میں اس کی وہ حقیقی شکل نظر آئی جس سے اس نام کے تمام حالیہ عہدے پیدا ہوئے ۔ یہ معتمد اکثر بڑی قابلیت اور اثر کے لوگ ہوتے تھے جیسے طامس کرامول اور لارڈ برگلے تھے ۔ یہ بادشاہ کی ذات کے ساتھ وابستہ ہوتے تھے اور دیگر عہدہ داروں اور خارجی ممالک کے ساتھ رسل و رسائل کا ذریعہ ہوتے تھے اور پارلیمنٹ کے کسی نہ کسی ایوان میں بادشاہ کی نیابت کرتے تھے اور ان بے شمار معاملات کی دیکھ بھال کرتے تھے جو آج متعدد عہدہ داروں کے سپرد ہیں جن میں سولھویں صدی کی وزارت تقسیم ہو گئی ہے ۔ چونکہ کام کی بہت کثرت ہوتی تھی اس لئے اس وقت دو وزرا مقرر کئے جاتے تھے ۔

کونسل اور پارلیمنٹ کا تعلق ۔ ٹیوڈر دور میں کوئی معین کابینہ نہیں تھی اور بادشاہ وقت بغیر کسی خارجی اثر کے خود فیصلہ کر لیتا اور جن لوگوں سے چاہتا

مشورہ کر لیتا تھا۔ وقت یا مضمون کے لحاظ سے یا اپنے ذاتی تلون مزاج کی وجہ سے وہ اس فیصلے کو خود اکثر بدل بھی دیتا تھا لیکن حکومت کی تمام کارروائیاں موجودہ صورتِ حال اختیار کر رہی تھیں۔ پارلیمنٹ اور کونسل کے تعلق کا بھی یہی حال تھا۔ کونسل کی رگینٹ یا حکمتِ عملی پر پارلیمنٹ کوئی اثر نہیں ڈالتی تھی اور اثر ڈالنے کا اس کے پاس کوئی ذریعہ بھی نہیں تھا لیکن کونسل کے اراکین کسی نہ کسی ایوان کے اراکین ہوتے تھے اور پارلیمنٹ کی قرار دادوں پر حاکمانہ اثر ڈالتے تھے اور بعض اوقات ان قرار دادوں پر کافی توجہ کرتے تھے۔

کونسل اور پارلیمنٹ کا تعلق اس اہم قانون سازی سے واضح کیا جا سکتا ہے جو آئرستان کی تاریخ دستوری میں عمل میں آئی اور جو مباحثات حال میں غیر معمولی دلچسپی رکھتی ہے۔ ۱۴۹۵ء میں آئرستانی پارلیمنٹ نے ایک قانون پاس کیا جس کا ایک ضابطہ یہ تھا کہ آئرستان میں کوئی پارلیمنٹ اس وقت تک نشست نہ کرے جب تک بادشاہ اور اس کی کونسل پارلیمنٹ کے اجلاس اور منظور ہونے والے قوانین کی اجازت نہ دے۔ یہ قانون جو قانون پوائے ننگز Poyin gslaw کے نام سے موسوم ہے بعد کو عمل میں آیا اور اس کے ذریعے سے آئرستانی پارلیمنٹ کی آزادی میں بہت سخت مداخلت ہونے لگی۔ لیکن ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس کے وضع کرتے وقت وہی چیز پاس کی گئی تھی جو انگلستان پر بھی صادق آتی تھی۔ انگلستان کی پارلیمنٹ بھی بادشاہ اور اس کی کونسل کی منظوری کے بغیر نشست نہیں کر سکتی تھی اور نشست کرنے کے بعد کم از کم اس دور کے اختتام سے پہلے تک اس کو کسی آغاز تحریک کا حق نہیں تھا اور جو کچھ پارلیمنٹ منظور کرتی تھی وہ وہی تھے جو آج حکومتی مسودات کہلاتے ہیں۔

چونکہ کونسل کو ابتدأً قانون سازی کا حق تھا اسی اصول پر سولھویں صدی میں بہت کچھ توسیع ہو گئی اور یہ توسیع اصول میں نہیں بلکہ کثرتِ اعلانات شاہی کی صورت میں ہوئی۔ غالباً اس دور کے پہلے حصے میں بدعنوانیوں کا سدِ باب بہت مشکل تھا اور بعد کو یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ جدید جرائم اور ان کی سزاؤں کا تعین ہونا چاہیے جو اصلاح یافتہ قانون کے ساتھ وجود میں آئے تھے۔ لہٰذا ان اسباب کی بنا پر ضابطہ سازی کے جلد اور فوری طریقے کو اختیار کرنے کا شوق پیدا ہوا کہ وہ ضابطہ کونسل کی مختصر کارروائی سے نافذ کئے جائیں ۱۵۳۹ء میں پارلیمنٹ کے ایک قانون نے یہ اعلان

کیا کہ شاہی فرامین کی ایسی تعمیل اور پابندی کرنی چاہیے کہ "گویا وہ پارلیمنٹ کے بنائے ہوئے قوانین ہیں" بشرطیکہ وہ ملک کے کسی قانون موضوعہ۔ قانون عرفی اور قانونی رواج پر اثر نہ ڈالتے ہوں۔ نیز اس کے ساتھ ساتھ ایک قسم کی عدالت مجلس شاہی بھی قائم کی گئی تاکہ وہ نافرمانی کرنے والوں کی سماعت کرے۔ یہ قانون اتنا تحکیمی نہیں تھا جتنا اعلامی تھا معلوم یہ ہوتا ہے کہ اس قانون کے منظور ہونے سے فرامین کی نوعیت اور مضمون میں کوئی فرق نہیں آیا اور ۱۵۴۷ء میں یہ منسوخ ہو گیا۔ کونسل کی قانون سازی کا احیا بھی ایسا ہی ہوا جیسے شاہی اقتدار کی توسیع اور ٹیوڈر دور کے دیگر معاملات کی طرح بھی اس کو بنظر پسندیدگی دیکھا گیا، لیکن اس سے جو نتائج پیدا ہوئے دوسرے زمانے میں جا کر ان کے کچھ اور معنے ہو گئے۔

یہ دیکھنا مشکل نہیں کہ سولھویں صدی میں مجلس شاہی آلۂ حکومت کے طور پر کسی قدر ابھر گئی تھی لیکن اس کا پتہ چلانا مشکل ہے کہ اس زمانے کے حالات کے تحت پارلیمنٹ کی حیثیت میں کیا استحکام اور ترقی ہوئی۔ اس بات کا جو متفرق ثبوت ملتا ہے کہ حکومت نے پارلیمنٹ کو اپنا تابع بنانے کے لئے ان تھک کوشش کی تھی تو اس سے اس پارلیمنٹ کی خواہ وہ کتنی ہی محکوم کیوں نہ ہو دستوری اہمیت چھپ جاتی ہے۔ بظاہر تو یہ معلوم ہوگا جو مقننہ اس قدر محکوم ہو اس کا انجام بس یہی ہونا چاہیئے کہ وہ عاملہ کا آلۂ کار بن کر رہ جائے۔ لیکن یہ مشکل اس بات پر غور کرنے سے حل ہو جاتی ہے کہ بادشاہ کی کیا نیت تھی اور جن امور کو وہ حاصل کرنے کی کوشش کرتا تھا ان کی کیا خصوصیت تھی۔

پارلیمنٹ کے گاہے ماہے اجلاس۔ ٹیوڈر دور میں پارلیمنٹ کے جلسے اس کثرت سے نہیں ہوئے جس قدر چودھویں صدی میں۔ ہنری ہفتم نے چوبیس سال میں صرف سات پارلیمنٹیں منعقد کیں اور اسی عہد کے آخری نصف حصے میں صرف ایک پارلیمنٹ منعقد ہوئی۔ الیزبتھ نے پینتالیس سال میں صرف دس پارلیمنٹیں بلائی تھیں۔ لیکن یہ کہنا مشکل ہے کہ سلاطین ٹیوڈر عمداً پارلیمنٹ کا اس غرض سے اجلاس نہیں ہونے دیتے تھے کہ وہ اپنا زور نہ دکھلائے بعض اوقات پارلیمنٹ ان کے لئے تکلیف دہ ثابت ہوتی تھی اور جب ضرورت نہ ہوتی تو وہ بغیر پارلیمنٹ کے ہی کام کرنا اچھا سمجھتے تھے لیکن اکثر اوقات ان کی حکمت عملی کے لئے پارلیمنٹ ناگزیر ہوتی تھی اور جب ایسا ہوتا تھا تو اس کی وہ سخت کوشش کرتے تھے کہ پارلیمنٹ کے ارکان ان کے

حسبِ منشا منتخب ہوں۔

دارالامرا۔ پارلیمنٹ میں دارالامرا کی جو اضافی اہمیت تھی وہ چودھویں صدی میں غائب ہو چکی تھی اور وہ پھر واپس نہیں آئی۔ لیکن ابھی تک یہ ایوان اقتدار میں دارالعوام سے کم نہیں تھا اور ایوانِ زیریں کے اراکین پر سماجی اور شخصی تعلقات کے ذریعے جو اثر ڈالتا تھا وہ بھی خاطر خواہ تھا۔ موروثی اراکین کا ایوان ہونے کی وجہ سے اس کو اصولاً بادشاہ سے بے نیاز ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن اس کا ایسا نہ ہونا ایک امر بدیہی ہے۔ سنہ ۱۵۲۹ کی "اصلاح" والی پارلیمنٹ تک جو زمانہ گزرا اس کے اکثر حصے میں مذہبی اراکین یعنے اساقفہ اور راہبوں کی کثرت تھی اور ان لوگوں کو یہ عہدے ترقیاں اور دیگر عنایات بادشاہ سے حاصل ہوتی تھیں۔ ان میں سے اکثروں نے ان سجادیر سے اتفاق کیا تھا جو ہنری ہشتم نے پاپائی طاقت کو توڑنے کے لئے کی تھیں دینوی امارت گلابوں والی جنگ کی وجہ سے کمزور ہو گئی تھی لیکن اس قدر تباہ نہیں ہوئی تھی جیسے بعض وقت سمجھا جاتا ہے۔ ہنری ہفتم کی پہلی پارلیمنٹ میں ۲۹ دینوی امرا تھے اور یہ اس صدی کی اوسط تعداد سے بہت زیادہ کم نہیں تھے۔ ایک مرتبہ ہنری ششم کے عہد میں یہ تعداد تئیس تک گھٹ گئی تھی اور کبھی پچاس سے زیادہ نہیں ہوی اور سولھویں صدی میں صرف ایک مرتبہ ساٹھ تک پہنچی تھی۔ اگرچہ اس دور میں بہت سے جدید خاندانوں کو خطابات دئے گئے تھے لیکن اس کے باوجود امارت اس قدر جلد جلد غائب ہو رہی تھی جیسے گلابوں والی جنگ میں ہوئی۔ ٹیوڈر سلاطین کا کم و بیش متواتر مسلک رہا ہے کہ وہ پرانے خاندانوں کے بجائے جدید خاندانوں کو ترقی دے کر ان پر خاص طور پر بھروسہ کرتے تھے۔ اور اکثر خاندان جو تاریخ مابعد میں بہت ممتاز ہوئے مثلاً کیونڈیش۔ سیسل۔ پچٹ۔ رسل۔ سیمور۔ اور اسپنسر۔ وغیرہ ایسے ہیں جن کو اس دور میں کچھ نہیں تو کم از کم ترقی کا پہلا زینہ ضرور ملا۔ اس زمانے میں کبھی دارالامرا کے اراکین میں سے کسی نے اس طرح رہنمائی نہیں کی جیسے وہ بادشاہ کی مخالفت میں کر چکے تھے۔

دارالعوام۔ دارالعوام کے مسئلے میں سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین رکھنی ضروری ہے کہ اراکین جس طبقے کی نمایندگی کرتے تھے وہ اب تک محدود تھا۔ اور کسی وقت یہ ایوان اس طبقے کے نیچے نہیں پہنچا تھا جس کو ہم بالائی طبقہ متوسط کہہ سکتے ہیں۔ بلدے

مبارزوں اور اعیان دیہات کو اپنے نمایندے بنا کر بھیجتے تھے اسی طرح بعض مرتبہ وہ شہریوں کو بھی رکن بناتے تھے اور اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ رکنیت کی خصوصیت یا اغراض کے اعتبار سے بلدیوں اور صوبوں میں کوئی فرق تھا۔ دراصل یہ بات صداقت کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ عوام جو اپنا مسلک معین کرتے تھے تو اس کا باعث حکمران وقت کی خواہش نہیں بلکہ اراکین کے اغراض تھے۔ تاہم یہ بھی سچ ہے کہ اکثر ان دونوں میں کوئی فرق نہ ہوتا تھا اور دونوں ایک ہی سمجھے جاتے تھے۔

معاشی ترقی ۔ ٹیوڈر دور ایک عظیم الشان معاشی ترقی کا دور تھا اور دارالعوام کی رکنیت کی تہ میں جو غرض مضمر تھی وہ معاشی غرض تھی۔ زراعت میں ایک عالمگیر تغیر واقع ہو رہا تھا جس کا باعث اُون کی پیداوار کا روز افزوں منافع تھا۔ چنانچہ مزروعہ اراضی چراگاہوں میں مبدل ہو رہی تھی۔ خواہ مزدور طبقے پر اس کا کچھ بھی اثر پڑا ہو لیکن جس طبقے کی پارلیمنٹ میں نمایندگی ہوتی تھی اس پر بہت گہرا اثر پڑ رہا تھا اور اسے فائدہ پہنچ رہا تھا۔ خارجی تجارت روز بروز ترقی کر رہی تھی اور تجارتی قصبات کی توجہ اپنی طرف جذب کر رہی تھی۔ جانبازوں اور حوصلہ مندوں کی بڑی بڑی تجارتی کمپنیاں بننے لگی تھیں۔ اور تجارتی معاہدات ان قیود کو توڑ رہے تھے جو تجارت کے خلاف تھے۔ قوانین جہاز رانی سے انگلستان کی جہاز رانی اور جہاز سازی میں ترقی ہو رہی تھی۔ امداد اجارات اور محاصل سے قومی صنعت و حرفت کی حوصلہ افزائی ہو رہی تھی۔ تجارت کے جدید راستوں کے انکشاف سے نئی دلچسپیاں پیدا ہو رہی تھیں اور ابھی یہ دور ختم نہیں ہوا تھا کہ انگریز تجارت کی غرض سے اپنی نوآبادیاں بسانے کے لئے دوڑ دھوپ کر رہے تھے اور کم از کم تجارتی طبقۂ احرار سمندر کے عظیم الشان مستقبل کا صریح منصوبہ باندھ رہا تھا متوسط طبقے کا دل ان ہی چیزوں کی طرف لگا ہوا تھا۔ ہمیں اس واقعے کے دستوری تعلق کو واضح کرنا ضروری ہے۔ یہ طنز آمیز فقرہ سنائی دیتا تھا کہ سیکسن ہر نوع حکومت کو جو ان کی تجارت کی ضامن ہو خوشی سے برداشت کر لیتے ہیں۔ یہ طنز کسی زمانے میں اتنا صحیح ثابت نہیں ہوا جتنا اس زمانے میں جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں۔

طاقتور حکومت کی تائید میں ایک اور مزید وجہ پیش کی جاسکتی ہے۔ اس دور کے پہلے حصے میں گلابوں کی تباہ کن جنگ کی یاد لوگوں کے دل میں تازہ تھی تو قوم چاہتی تھی

کہ یہ پھر نہ ہو اور جھگڑا لوورا ثت اور رکمز ور حکومت کے خطرات دور ہو جائیں۔ اور ساتھ ہی ان خطرات سے چھٹکارا مل جائے جو اس صدی کے آخری نصف حصہ میں بیرونی حملے اور مذہبی ہیجان کی شورشوں کی وجہ سے پیدا ہو رہے تھے یہ بات یقینی تھی کہ وہ تمام طبقے جو قومی حکمت عملی کے نمائندے اور جو سب سے زیادہ اپنی حفاظت چاہتے تھے طاقتور حکومت کی تائید کے لئے کوشاں ہوں۔ اگر حکومت اس قدر طاقتور ہے کہ بیرون ملک تجارت کی حفاظت کر سکتی ہے اور گھر میں انتظام اور امن قائم کر سکتی ہے تو وہ جو چاہے سو کرے اور جو چاہے اپنے قبضے میں لے۔ لیکن اس میں ذرا سا کلام ہو سکتا ہے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ سلاطین ٹیوڈر ہر بات میں من مانی کر سکتے تھے۔ بعض دفعہ ان کی ایسی مخالفت ہوئی کہ ان کو دبنا پڑا اور اپنی تجاویز کو مسترد کرنے اور ترمیم کرنے کے لئے مجبور ہو گئے۔ تاہم تدبیر مملکت کی بڑی تجاویز میں وہ جو چاہتے کر لیتے تھے اور تقریباً ان تمام امور میں پارلیمنٹ علانیہ ان کی تائید کرتی تھی کیونکہ وہ تمام طبقات جو پارلیمنٹ میں جمع ہوتے تھے بادشاہ کی حکمت عملی ہی کے موید تھے۔ بعض اوقات یعنے کم از کم ہنری ہشتم ایڈورڈ ششم اور میری کے عہد میں دار العوام کو قابل اعتماد بنانے کی دانستہ کوشش کی گئی تاکہ بادشاہ اور وزرا کی حکمت عملی پوری پوری عمل میں آئے اور اس کے لئے پندرھویں صدی کے طرح شیرفوں سے کام لیا گیا۔ حلقہائے انتخاب اور اراکین پر جدا جدا اثر ڈالا گیا اور ایک ترکیب جس سے ایوان کی ساخت پر مستقل اور بالآخر اس کی خصوصیت پر دائمی اثر پڑا یہ کی گئی کہ جدید بلدیئے قائم کر دئے گئے۔ ایڈورڈ ششم کے مختصر عہد حکومت میں اڑتالیس اراکین جدید ایوان عوام میں بڑھائے گئے جن میں سے بائیس ایک ہی انتخاب کے سلسلے میں بڑھائے گئے تھے۔ میری کے عہد میں اکیس اور ملکہ الزبتھ کے عہد میں ساٹھ یا اس سے بھی زیادہ کا اضافہ ہوا۔ جدید بلدیات کا بڑا حصہ کورنوال میں تھا جو تقریباً بادشاہ کی ذاتی ملکیت میں شامل تھا۔ بعد کو ان میں سے اکثر دقیانوسی ایوان کے جیبی یا از کار رفتہ بلدیات بن گئے تھے۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس طریقہ سے یقینی یا دائمی تسلط حاصل کرنا ممکن نہیں تھا۔ دوسری صدی میں سر جان ایلیٹ اور جان ہیمپڈن نے کورنوالی حلقہائے انتخاب کی نمایندگی کی اور دوسرے ایوان میں خاندان رسل کے اراکین حریت کی رہنمائی کرنے لگے۔

پارلیمنٹ کی تقویت۔ سلاطین ٹیوڈر کے عظیم الشان تدابیر میں سے

ہنری ہشتم کے وہ تدابیر ایک جانشینی کا انتظام دوسرے انقطاع رونما خاص طور پر قابل ذکر ہیں جن سے پارلیمنٹ کی حالت پر روشنی پڑتی ہے اور اس کی تقویت نظر آتی ہے مشتبہ وراثت پندرھویں صدی کے نصف آخر کی خصوصیت تھی چنانچہ اس زمانے میں اس غرض کے لئے کئی مرتبہ پارلیمنٹ طلب کی گئی کہ کسی سلسلۂ جانشینی کا تعین کرے۔ لیکن ہنری ہشتم کا بیجہ حکومت قوم پر اس قدر حاوی تھا کہ مستقبل کے تذبذب کے متعلق اس وقت کوئی سوال نہیں پیدا ہوا اگر کوئی سوال پیدا ہوا خود ازدواجی پیچیدگیوں سے پیدا ہوا۔ اس کے عہد کے ختم ہونے سے پہلے صورت حال ایسی ہو گئی تھی کہ کم از کم منطقی استنباط کی بنا پر پہلے سے زیادہ قطعیت کے ساتھ پارلیمنٹ کے اس اقتدار کو ماننے پر مجبور ہونا پڑا کہ وہ جانشینی کا تعین کر سکتی ہے کیونکہ یہ بات ممکن نہیں تھی کہ قانون موضوعہ کے خلاف میری اور الیزبتھ دونوں کو صحیح النسب قرار دیا جائے اس اصول کی بنا پر پارلیمنٹ نے میری کو ناجائز اولاد قرار دیا اور جانشینی کا فیصلہ الیزبتھ کے لئے ہو گیا اس کے بعد الیزبتھ کو مجہول النسب قرار دیا گیا اور تخت ہنری اور جین سیمور کی اولاد کے لئے مقرر کر دیا گیا۔ اس قانون سے ہنری کو حق بھی دیا گیا کہ وثیقوں یا اپنے آخری وصیت نامے کے ذریعے اپنے بعد بلا استثناء جن اشخاص کے متعلق وہ چاہے وراثت مختص کر سکتا ہے، اور اس طرح بادشاہ کو علانیہ اختیار دے دیا گیا تھا جس کا منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ گویا بادشاہ نے اس بات کا اقرار کر لیا کہ مجھے از خود وراثت کے تعین کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ اس اختیار کے تحت ہنری ہشتم کی دوسری اولاد کے بعد میری اور الیزبتھ کی وراثت پھر عود کر آئی اور ان دونوں کے بعد اس کی چھوٹی بہن میری کی اولاد کو اس کی بڑی بہن مارگریٹ کی اولاد پر ترجیح دی گئی جو شاہ اسکاٹستان سے بیاہی گئی تھی اور اس خواہش کے لئے پھر پارلیمنٹ کی توثیق لازمی سمجھی گئی الیزبتھ کے انتقال کے بعد اس وصیت کا عمل میں نہیں آنا قانون موضوعہ کی کمزوری سے زیادہ اس اعلیٰ طاقت کی کمزوری ظاہر کرتا ہے جس کو ہم پہلے ہی سے رائے عامہ کے نام سے موسوم کرنے لگے ہیں۔

رونما سے انقطاع کا جو نتیجہ برآمد ہوا تھا وہ یہ تھا کہ پارلیمنٹ کا اقتدار مانا ہوا ہے منطقی طور پر شاید یہ نتیجہ پورا نہ نکلے لیکن یہ ایسا پر زور تھا کہ بہت جلد اس کا اثر محسوس ہو گیا کیونکہ اس نے تاریخ انگلستان کی اس تمام سلسلے کو جو اس وقت تک برابر جاری تھا

بالکل توڑ دیا اور ایسے جذبات پر اثر ڈالا جو عوام الناس کو نہایت درجہ عزیز تھے۔ یہاں اس بحث کا موقع نہیں ہے کہ اس کے لئے کیا تدابیر اختیار کی گئیں اور یہ کہاں تک حق بجانب تھا۔ ان کو بغیر سند کے مان لینا اس بات کو تسلیم کرنے کی برابر ہے کہ پارلیمنٹ کو ان چیزوں کے عمل میں لانے کا پورا اختیار حاصل تھا۔

ممکن ہے کہ کیتھرین کی طلاق کا ارادہ صرف ہنری کے ذاتی خواہش سے پیدا ہوا ہو یا یہ بھی ممکن ہے کہ وہ کچھ حقیقی تدبر پر مبنی ہو۔ لیکن معاملات نے اس قدر طول کھینچا تھا کہ پوپ کے اتفاق نہ کرنے سے یہ ظاہر ہو گیا تھا کہ ہنری اس بات پر اڑ گیا ہے کہ جو کچھ بھی ہو اپنے ارادے کو پورا کر دکھائے۔ اس کے لئے تین چیزوں کی ضرورت تھی تاکہ یہ فعل انگلستان میں قابل مواخذہ نہ ہو۔ کلیسائے انگلستان سے پوپ کے اقتدار کو ہٹا کر اس کی جگہ بادشاہ کا اقتدار قائم کر دیا جائے، انگلستان کی عدالت سے پوپ کے پاس مرافعہ کرنا خلافِ قانون قرار دیا جائے اور تمام رعایا کو یہ امور از روئے حلف ماننے کے لئے مجبور کیا جائے۔ ان تجاویز کو پارلیمنٹ نے (جو ۱۵۲۹ء کے کچھ پہلے منعقد ہوئی اور اپریل ۱۵۳۶ء تک اس کے مسلسل سات اجلاس ہوتے رہے) رفتہ رفتہ اختیار کر لیا، اگرچہ ان میں مذکورہ بالا ترتیب ملحوظ نہیں رکھی گئی تھی۔ ان تجاویز کے ساتھ یا ان کے بعد بعض دوسری تجاویز عمل میں لائی گئیں جو اکثر مالی نوعیت رکھتی تھیں اور ان سب تجاویز سے مجموعی طور پر انگلستان کے قانون، حکومت اور آئینی دستور میں وہ تغیر پیدا ہوا جو ایک انقلاب سے کم نہیں تھا۔ ان سے مسلمہ اختیارات کی وہ وسعت معلوم ہوتی تھی جہاں تک پارلیمنٹ کی پہنچ تھی اور ان کا اثر یہ تھا کہ کلیسا کے دستور اور عملی حکومت پر پارلیمنٹ کا کامل اقتدار قائم ہو گیا۔ پارلیمنٹ کی یہ فوقیت "قانون تفوق شاہی" میں ظاہر ہوئی اور عمل میں لائی گئی۔ جس کی رو سے بادشاہ بہ حیثیت صدر کلیسا کے پوپ کی جگہ کھڑا ہو گیا۔ پارلیمنٹ کا یہ تفوق کسی دوسرے قانون سے ظاہر نہیں ہوتا۔

اس قانون سازی سے اتفاقاً ایک اور بات پیدا ہو گئی۔ ہنری ہشتم نے مذہب یا عقائد بدلنے کی کبھی خواہش نہ کی تھی لیکن اس نے کلیسائے انگلستان کو اس حالت میں چھوڑا تھا کہ وہ اس طرح کبھی برقرار نہیں رہ سکتا تھا۔ اس کے جانشین کے زمانے میں پروٹسٹنٹ خیالات کی طرف اس قدر رجحان ہو گیا کہ جدید عقائد کا اعلان ہوا اور

ایک جدید کتاب اوعیہ تیار ہو گئی اور یہ عقائد قانون یکسانی کی رو سے جملہ مذہبی عبادات میں لازمی قرار دئے گئے۔ ۱۵۵۹ء میں میری کے بحال کئے ہوئے کیتھولک مذہب کو خارج کرنے کے لئے ملکہ الیزبتھ نے پھر اس قانون کی تجدید کی لیکن ایک طرف تو یہ حالت تھی کہ کچھ کم نصف انگلستان احتجاجی تھا اور دوسری جانب انگلستان کی اچھی خاصی تعداد اس حد سے بہت آگے بڑھنا چاہتی تھی جس کے لئے پارلیمنٹ تیار نہیں تھی۔ مذہبی عقائد اور عبادت میں یکسانیت قائم کرنے کے لئے تشدد اور تعزیر کی ضرورت تھی اور ان کو عمل میں لانے کے لئے ایک جدید عدالت قائم کر دی گئی۔ یہ ہائی کمیشن کی مذہبی عدالت ہے جس کو الیزبتھ کے عہد میں اس کو خاص تاریخی حیثیت اور اقتدار حاصل ہوا فرائض میں یہ عدالت کونسل کی ایک شاخ تھی گو اس میں اکثر ارکین ایسے تھے جن کا کونسل سے کوئی تعلق نہ تھا اور کونسل کی طرح اس کی کارروائی قانون عرفی کے قیود سے بری تھی اور اس کا کام تحقیق و تجسس تھا اگرچہ یہ تعذیب اور سزائے موت نہیں دے سکتی تھی کونسل کی طرح یہ اختیار خصوصی کی عدالت تھی جو بادشاہ کے اختیارات بہ حیثیت سرگروہ کلیسا کے کام میں لاتی تھی۔ اس کی دوسری حیثیت کہ وہ شخصی حکومت کا آلۂ کار اور آزادی کے لئے خطرناک ثابت ہوئی دوسری صدی کی تاریخ سے متعلق ہے۔

مالی امور میں بعض اوقات سلاطین ٹیوڈر دستور کے صحیح حدود سے تجاوز کر جاتے تھے اور اس کی کوئی زیادہ مخالفت بھی نہیں ہوتی تھی۔ نذرانے پندرھویں صدی کی ایجاد تھے اور نظریۃً اور صورت دونوں میں یہ ایسے تھے جیسے ایک اختیاری پیشکش ہو جو حکومت کو دیا جائے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کی تحریک خود حکومت کی جانب سے ہوتی تھی اور لوگ اس کو منظور کر لینا ہی مناسب سمجھتے تھے۔ یہ نذرانے رچرڈ سوم کے عہد میں پارلیمنٹ کی طرف سے ممنوع قرار دئے گئے تھے، لیکن ہنری ہفتم اور ہنری ہشتم دونوں نے اس کو جبراً وصول کیا۔ آخر الذکر نے تو جبری قرضے بھی لئے اور اس کے ساتھ ادائگی کے تحریری وعدے بھی دئے گئے تھے جن کو "مہر شاہی" کہتے ہیں کیونکہ ان پر شاہی مہر لگائی جاتی تھی۔ چنانچہ وصول زر کے ان طریقوں سے بعض اوقات یہ خوف ہونے لگا تھا کہ یہ باقاعدہ اجرائے محاصل کی صورت میں تبدیل ہو جائیں گے اور جائداد کی مالیت کے مطابق ان کا تعین ہوگا۔ ۱۵۲۵ء میں ہنری ہشتم نے بغیر پارلیمنٹ

کی قبل از وقت منظوری کے عامانیوں پر سدس اور پادریوں پر عشر عائد کیا۔ لیکن اس معاملے میں ایسی زبردست مخالفت ہوئی کہ آخر اس کو چھوڑنا پڑا۔ نظریے میں یہ بات مان لی گئی کہ اجرائے محاصل کے متعلق پارلیمنٹ کو فیصلے کرنے کا حق حاصل ہے اور جو ماورائے قانونی محاصل ہوتے تھے وہ ایک قسم کا تجاوز قانون تھا۔

مقامی حکومت۔ مقامی حکومت میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ٹیوڈر دور وہ زمانہ ہے جس میں زمانۂ وسطیٰ سے زمانۂ حال کے طریقوں کی طرف کامل تحویل ہوگئی۔ قانون عرفی کی شاہی عدالتیں برابر ترقی کرتی رہیں جن سے مقامی اور خانگی عدالتوں کو نقصان پہنچتا رہا۔ لیکن یہ اور ان کے ساتھ گشتی عدالتیں بلا شرکت غیرے قانونی عدالتیں ہوگئیں اور اپنے انتظامی فرائض دوسری مجلسوں کے سپرد کر دئے۔ عدالتہائے ضلع، ہنڈریڈ اور عدالتہائے خانگی بالکل بے اثر ہوگئیں گو انیسویں صدی تک ان کا ممکنہ استعمال ہوتا رہا۔ قانون گلوسٹر (۱۲۷۸ء) کی ایک دفعہ کی تاویل کر کے عدالت صوبے کے اختیارات ان مقدمات کے متعلق سلب کر لئے گئے جن کی مالیت ۴۰ یا اس سے زیادہ شلنگ کی ہو اور فوجداری مقدمات کے متعلق تو یہ سمجھا جانے لگا کہ یہ خانگی نہیں بلکہ بادشاہ کے خاص مقدمات ہیں۔ گشتی عادلوں کے ساتھ شریک ہونے کے لئے اب مجلس صوبہ طلب نہیں کی جاتی تھی اور صوبے کے لئے صرف بڑی جوری ہی نشست کرتی تھی۔ ملکی علاقے کے طور پر ہنڈریڈ اب تک موجود تھے۔ لیکن نظم و نسق اور عدالت کی اکائی کے طور پر اگر یہ کہیں کہیں باقی تھے تو صرف عدالت دیہہ میں رہ گئے تھے۔ اس کی اس قدر کم اہمیت تھی کہ اگرچہ اکثر امریکانی نوآبادیوں میں ان کی نقل کی گئی تھی لیکن اب صرف ڈیلاویر میں باقی رہ گئے ہیں۔ خانگی اختیارات گو اب تک ممکن تھے لیکن صرف بعض جلسی عدالتوں میں اور ماتحت اراضی اور نقل داری کی صورت میں کام میں لائے جاتے تھے لیکن اس آخرالذکر استعمال کے لئے کسی عدالتی اجلاس کی ضرورت نہیں تھی۔ عدالت کی مثل پر یہ اندراج کہ ملکیت بدل گئی ایسی رسمی چیز تھی جیسے امریکہ میں انتقال اراضی کی مثل ہوتی ہے۔

ناظمانِ امن۔ ناظمان امن کا عہدہ جو آئندہ مقامی حکومت میں بہت بڑا حصہ لینے والا تھا۔ تیرھویں صدی کے بعد سے اس کی اہمیت برابر بڑھتی گئی۔ اس کی

ابتدا بارھویں صدی کے آخر میں اس تجربے سے ہوئی تھی کہ ایک قابلِ اطمینان مقامی افسر مقرر کیا جائے اور اس کا یہ کام ہو کہ شاہی مقدمات پر نظر رکھے اور یہ دیکھے کہ آیا یہ مقدمات سماعت کے لئے باضابطہ عادلوں کے سامنے دائر کئے جاتے ہیں یا نہیں ۔ یہ پہلے تجربے سے جو کامیاب ثابت نہیں ہوا کارونر کا عہدہ نکلا اور بہت دن نہیں ہوئے کہ اس کے فرائض اتنے ہی محدود کر دئے گئے جتنے اب پائے جاتے ہیں ۔ دوسرا تجربہ محافظانِ امن کے تقرر کی بابت ہوا اور ان کے اختیارات اڈورڈ سوم کے عہد میں بہت وسیع کر دئے گئے۔ سنہ ۱۳۶۰ء میں ان کو ان اشخاص کو قید کرنے کا اختیار دیا گیا جو سنگین جرم کے الزام میں ان کے سامنے پیش ہوں اور یہ لوگ بہت جلد ناظمانِ امن کے نام سے موسوم ہو گئے۔ سنہ ۱۳۸۸ء میں یہ حکم دیا گیا کہ سال میں چار مرتبہ یہ لوگ اپنا اجلاس کریں ۔ اور یہ آئندہ زمانے کے "سہ ماہی اجلاسوں" کی ابتدا تھی ۔ رفتہ رفتہ ان کے فرائض بڑھتے گئے ۔ یہ فرائض انتظامی اور عدالتی دونوں ہو گئے یعنی بلوؤں کا فرو کرنا ۔ اجرت کا تعین کرنا ۔ اوزان و پیمانے ۔ تجارت اور صنعت و حرفت ۔ شاہراہ ۔ کار آموزوں اور بازاروں کی نگہداشت کرنا ۔ ان لوگوں کو کوتوالی کے اختیارات دئے گئے اور ان کے فرائض اس قدر گوناگوں تھے کہ ان کو لوگ "ٹیوڈر ہرکاری خادمہ" کہتے تھے ۔ چونکہ یہ جملہ مقامی حلقوں میں مرکزی حکومت کے آلۂ کار تھے اس لئے شیرف کے قدیم انتظامی فرائض انجام دیتے تھے کیونکہ شیرف اس زمانے میں عدالت کا عاملانہ کارکن ہو گیا تھا جیسے آج تک ریاستہائے متحدہ میں ہے ۔ چونکہ یہ مقامی حکومت کی اسی تنظیم کی نیابت کرتے تھے جو زمانۂ وسطیٰ میں تھی اس لئے یہ پرانے قصبات کے اکثر کاروبار کے حامل ہو گئے یعنی خانگی عدالت کے کاروبار خواہ وہ جاگیری ہوں یا سرکاری نیز معمولی عدالت ہنڈریڈ کے کاروبار کے حامل ہو گئے تھے ۔ گشتی عادلوں کے اکثر مقامی فرائض بھی ان کے قبضے میں آ گئے تھے اور یہ پیرش کے عہدہ داروں پر بھی نگرانی کرنے لگے ۔

لیکن ٹیوڈر دور شروع ہونے سے کچھ پہلے مقامی حکومت میں ایک جدید عنصر پیدا ہو گیا یا ہمیں یہ کہنا چاہیئے کہ پرانے اور از کار رفتہ ادارہ میں از سر نو جان پڑ گئی اور یہ پیرش کی مجلس ہے ۔ اصل سیکسنوں کے زمانے کی قصباتی مجلس زمانۂ جاگیری کے عدالت مینر میں ضم ہو گئی تھی تاہم اس کا کام تمام صورتوں میں مینر کے کام کے مطابق

نہیں تھا اور جب زمانۂ وسطیٰ میں معاشی حالات بدل گئے اور خاص طور پر جدید قسم کی زراعت گلہ بانی اور مویشی گاہوں کی ترقی ہوئی تو مینر کی اہمیت گھٹ گئی اور اس لئے وہ امور جن کی دیکھ بھال مقامی حکومت کو کرنا چاہئے تھا وہ اس بات کے متقضی تھے کہ قدیم مجلس دیہہ کی سی کوئی مجلس پھر قائم ہو۔ لیکن دیہات جو حقیقی سیاسی زندگی کی اکائیاں تھے پہلے ہی غائب ہو چکے تھے پھر دوسری مقامی اکائیاں یعنے پیرش جو اس وقت زندہ تھیں اور کام کرتی تھیں اور ان کا رقبہ اکثر وہی تھا جو دیہات کا تھا دیہات کی قائم مقام ہوگئیں اور ان کے مقامی فرائض اپنے قبضے میں کر لیا۔ چونکہ پیرش کا ملاً مقامی رہنما اور ہادی تھا اور ظاہر ہے کہ اس تغیر پذیر زمانے میں تمام حل مشکلات کا یہی ملجا تھا اس لئے یا غلب ہے کہ دیہات کی قائم مقامی حاصل کرنے میں اسی کا ہاتھ ہوگا۔ بہر حال پیرش کی مجلس جو اہل پیرش کا اجتماع تھا ایک مقامی حکمراں جماعت ہوگئی تھی یہ بہت کچھ قدیم مجلس کے لگ بھگ تھی اور قوم کے دینی اور دنیوی دونوں امور کا انتظام کرنے لگی تھی۔ لیکن ملکۂ الیزبتھ کے عہد میں جب مملکت اس بات سے آگاہ ہوگئی کہ غربا کی دیکھ بھال خود مملکت کا فرض ہے اور یہ فرض اس کو زمانے وسطیٰ کے کلیسا سے ملا تھا تو اس نے پیرش کو قوانین غربا کے انتظام کے لئے جو اس وقت منظور ہوئے ایک اکائی بنا دیا اور اس طریقے سے پیرش کو مملکت میں ایک مستقل درجہ حاصل ہوگیا جسے قانونی طور پر تسلیم کر لیا گیا۔ اس وقت سے لے کر آج تک پیرش کو اس کی مجلس پیرش یا (vestry) کے ساتھ امریکانی مجلس دیہہ کی طرح مقامی حکومت میں ایک بہت بڑا حصہ حاصل ہے، فرق صرف یہ ہے کہ بعض امور میں ناظمانِ امن نگرانی کرتے تھے اور اس کا امریکہ میں کوئی مماثل نہیں ہے۔

پارلیمنٹ کا درجہ۔ جن حالات سے ٹیوڈر دور کی ایک خاص نوعیت ہوگئی تھی وہ ملکۂ الیزبتھ کے انتقال کے پہلے سے بدلنے لگ گئے تھے۔ میری اسٹوئرٹ کے قتل اور اسپین کی دھمکیوں کے مقابلے میں ملکہ نے ایک کامیاب مدافعت کرلی تو ان سے اندرونی اور بیرونی دونوں خطرات سے نجات مل گئی۔ اگرچہ قوم اس سے پوری طرح واقف نہیں تھی کہ ان چیزوں سے کیا تبدیلی واقع ہوئی۔ لیکن پارلیمنٹ اس صدی کے آخر میں بالکل بے چین ہونے لگی تھی اور اس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ ذی اختیار ہونا چاہتی ہے اور یہ چاہتی ہے کہ شاہی طریقۂ عمل پر نکتہ چینی کرے۔ اب ہم کو یہ معلوم ہوتا ہے

کہ اس وقت ایک منظم مخالفت کی نشوونما ہو رہی ہے اور چند افراد کی ایک ایسی جماعت باہم کام کر رہی ہے جو تقریباً زمانہ حال کے فریقوں کی طرح ہے اور وضع قانون کا ایسا پیشنامہ تیار کیا جاتا ہے جس کا کونسل کی طرف سے کوئی حکم نہیں ہوتا تھا۔ مگر یہ ظاہر ہے کہ ملکہ الیزبتھ کے افعال میں کوئی ایسی حقیقی مداخلت نہیں ہوئی جو اصول کی حد تک پہنچ گئی ہو صرف بات یہ تھی کہ اگلے دور کے لئے تمام چیزیں تیار ہو گئی تھیں اور اگر ملکہ الیزبتھ مع اپنی تمام سیاسی فراست کے اور بیس سال زندہ رہ کر حکومت کرتی رہتی تو غالباً وہ بھی اس مخالفت کو جو تیار ہو رہی تھی دبا نہیں سکتی۔ حالات کے رفتار سے معلوم ہوتا تھا کہ تاریخ انگلستان میں یہ بات سب سے پہلے جدید خاندان کے لئے ودیعت تھی کہ ملوکیت اور دستور کے دو امثال کے درمیان ایک معقول راستہ پیدا کرے۔

سولھویں صدی کا سب سے بڑا اضافہ جو گزشتہ تاریخ پر مبنی تھا وہ پارلیمنٹ تھی اور مملکت میں اس کا درجہ تھا جس سے زمانۂ جدید کے مسائل حل ہو گئے۔ پارلیمنٹ کے درجہ کے متعلق ایک معاصر وقت کا اندازہ دیکھنے کے لئے سر طامس سمتھ کی کتاب "دولت عامہ انگلستان" کی ایک عبارت نقل کرنی مناسب ہے یہ کتاب ۱۵۸۹ء میں شائع ہوئی اور اس کی طرف پروفیسر میٹلینڈ نے خاص توجہ مبذول کرائی ہے۔ "قلمرو انگلستان کی سب سے اعلیٰ اور مطلق طاقت پارلیمنٹ میں شامل ہے۔ جو چیز اس کی منظوری سے طے ہو جائے وہ مستحکم غیر متغیر اور مقدس کہی جاتی ہے اور اسی کو قانون سمجھا جاتا ہے۔ پارلیمنٹ بڑے قوانین کو منسوخ کرتی ہے۔ جدید قوانین بناتی ہے۔ جو امور پہلے گزر گئے ہوں اور جن امور کی آئندہ پابندی ہونی چاہیئے ان کا حکم دیتی ہے۔ خانگی لوگوں کے حقوق اور مقبوضات بدل دیتی ہے۔ مجہول النسب کو صحیح النسب بنا دیتی ہے۔ مذہب کے اشکال مقرر کرتی ہے۔ اوزان اور پیمانے بدلتی ہے۔ شاہی سلسلۂ جانشینی مقرر کرتی ہے۔ مشتبہ حقوق جس کا پہلے سے کوئی قانون نہ ہو معین کرتی ہے۔ امداد محاصل اور زائد محاصل مقرر کرتی ہے قطعی معافی اور براءت دیتی ہے اور بہ حیثیت اعلیٰ ترین عدالت کے جن لوگوں پر بادشاہ مقدمہ چلائے انھیں بریت فی الی سے یا ملزم قرار دیتی ہے یا بری کرتی ہے مختصر یہ کہ اہل روما جو کچھ مرکزی مجلس یا دینی مجلس میں کرتے تھے وہ انگلستان کی پارلیمنٹ میں ہو سکتا ہے جو تمام قلمرو کی مع سر اور بدن کے

نمائندگی کرتی ہے اور اس کی طاقت رکھتی ہے۔ کیونکہ ہر انگریز کو وہاں اصالتاً یا وکالتاً خواہ وہ کسی شان و شوکت اور لیاقت کا کیوں نہ ہو حکمراں سے لے کر کہ وہ بادشاہ ہو یا ملکۂ انگلستان کے ادنیٰ درجے کے شخص تک سب اس میں شریک کئے جاتے ہیں اور پارلیمنٹ کی منظوری کا ہر شخص کی منظوری سمجھی جاتی ہے۔"

BIBLIOGRAPHICAL NOTE:—J. F. Baldwin, *The King's Council*, 1913. C. A. Beard, *The Justice of the Peace in England*, 1904. W. Busch, *England under the Tudors*, Vol. 1, *King Henry VII*, 1895. E. P. Cheyney, *England from the Armada to the Death of Elizabeth*, Vol. 1. 1914. J. N. Figgis, *TheTheory of the Divine Right of Kings*, 1914 R. B. Merriman, *The Life and Letters of Thomas Cromwell*, 1902. Lord Eustace Percy, *The Privy Council under the Tudors*, 1907. A. F. Pollard, *The Reignof Henry VII from Contemporary Sources*, Vol. II., 1914. Sir Thomas Smith, *De Republica Anglorum*, Ed. L. Alston, 1906. R. G. Usher, *Rise and fall of the High Commission*, 1913.

باب ۱۱

بادشاہ اور پارلیمنٹ کی کشمکش

جیمز ششم والیٔ اسکاچستان اس وقت بادشاہ ہوا تھا جب وہ بالکل شیر خوار تھا چنانچہ بادشاہ ہونے کے پہلے کا زمانہ اسے مطلق یاد نہیں تھا۔ اس کا رجحان طالب علمانہ زندگی کی طرف تھا۔ اور اسنے فلسفیانہ مباحث بھی پڑھے تھے جو اس وقت شاہی نیابت الٰہی کی تائید میں متداول تھے اور ان پر اعتقاد رکھنا بھی اس کی فطرت میں داخل تھا اور یہ خیالات اس نے خود اپنی تصنیف میں ظاہر بھی کئے تھے۔ اگرچہ وہ ایک غریب اور مفلس ملک کا حکمراں تھا لیکن وہ سمجھتا تھا کہ میں تخت انگلستان کا وارث ہوں چنانچہ اس کو پہلے سے یہ خوشگوار خیال آتا ہوگا کہ انگلستان کے مالدار ذرائع میرے ہاتھ میں رہیں گے اور اسکاچستانی پرسبی ٹیریوں کی سخت اور تنگ نظر عمومیت کی جگہ مجھے آزاد خیال اور اعیانی کلیسا کی صدارت ملیگی ۔۔ یہ ٹیوڈری ملوکیت کی تاریخ اور ملکۂ الیزبتھ کے طریقۂ حکومت سے واقف تھا کہ ملکہ کس طریقے سے انفرادی مخالفتوں کو مغلوب کر لیتی تھی ۔ اس کو یہ بھی معلوم تھا کہ اس کا حق شاہی اس قانون وراثت سے پس پشت ڈال دیا گیا تھا جو ہنری ہشتم نے پارلیمنٹ کے زیر اقتدار پاس کیا تھا اور اس کی رو سے ہنری ہفتم کے جانشینوں میں چھوٹی شاخ کو بڑی شاخ پر ترجیح دی گئی تھی

لیکن باوجود اس انتظامِ وراثت کے جب وہ قوم کی منظوری کے ساتھ تخت پر آگیا تو پھر اس پر یہ ثابت ہوگیا کہ نیابتِ الٰہی کا اصول پارلیمنٹی اقتدار کے اصول پر ہر طرح غالب ہے اب جیمز کا اس عزم کے ساتھ پادشاہ ہونا کہ میں مطلق العنانیت اسی طرح کام میں لاؤں گا جس طرح ٹیوڈر پادشاہ لاتے تھے کوئی اچنبے کی بات نہیں ہے لیکن اس کے نظریئے شاہانِ ٹیوڈر سے زیادہ معقول تھے کہ حکومت بنی نوعِ انسان کے لئے ہے اور اس کا حق یوں ہے کہ وہ خدا کی طرف سے منتخب ہوا ہے۔

اس طرف پادشاہ میں یہ عزم تھا تو دوسری طرف پارلیمنٹ میں بھی ایک اور عزم کئی سال سے آہستہ آہستہ ترقی کر رہا تھا غالباً یہ کہنا مبالغے سے خالی نہیں کہ اس عزم کا منشا یہ تھا کہ ٹیوڈر مطلق العنانیت بالکل ختم ہو جائے بلکہ اس کا منشاء صرف یہ تھا کہ جہاں جہاں قانون ہے پادشاہ کو اس کا پابند بنانا چاہیئے۔ یہ کہنا بھی خلافِ واقعہ ہوگا کہ اس عزم کی وجہ سے جو کشمکش شروع ہوئی تو پارلیمنٹ نے اس کا پہلے سے منصوبہ باندھ لیا تھا اور قبل از وقت پیش بندی کر لی تھی کیونکہ پارلیمنٹ کا یہ عزم جن خاص واقعات میں ظاہر ہوتا ہے وہ پادشاہ کے افعال کے تحت صورت پذیر ہوتے تھے اور جیسے جیسے سترھویں صدی کے دن گزرتے گئے پارلیمنٹ کو آہستہ آہستہ اپنی مخالفت کی اہمیت محسوس ہوتی گئی اور اسے یہ معلوم ہوتا گیا کہ اس کی تاویلِ دستوری اور مملکت میں اس کے درجے کے کیا معنے ہیں۔ تاہم جو صورتِ حال پیدا ہوئی وہ ایسی تھی کہ گویا پہلے سے سوچ لی گئی تھی۔ پادشاہ جو واقعی مطلق العنان حکومت پر اڑا ہوا تھا اور پارلیمنٹ جو پادشاہ کو تابعِ قانون کرنے پر مصر تھی ان دونوں کے درمیان ایک عجیب و غریب مسئلہ پیدا ہوگیا۔

یہ مسئلہ تاریخِ انگلستان میں اس کے پہلے کبھی نہیں پیدا ہوا تھا۔ ۱۳۹۹ء سے جب کہ محدود ملوکیت کو ترقی دی گئی اور اس کے اصول قائم کیئے گئے تو دستور کی یہ دو تاویلات کبھی باہم منظرِ عام پر نہیں آتی تھیں۔ ان میں سے ہر تاویل عرصہ دراز تک اپنا اثر جماتی رہی اور جب تک اس کا اثر رہا حکومت اسی کے مطابق چلتی تھی اور اس طرح چلتی تھی کہ دوسری طرف سے کوئی خاطر خواہ مداخلت بھی نہیں ہوتی تھی۔ اساسی اصولوں کے اعتبار سے لنکاسٹری دور دستوری پادشاہی کا زمانہ تھا اگرچہ ان اصولوں کو پوری

وسعت کے ساتھ استحکام حاصل نہیں ہوا تھا یارکی اور ٹیوڈر دور عملی مطلق العنانیت کے دور تھے اگرچہ یہ مطلق العنانیت ایسی تھی کہ خود اپنی سہولت کے لئے دستوری ملوکیت کے کچھ آلات استعمال کرتی تھی اور اس طریقے سے اس نے دستوری ملوکیت کو مستحکم اور مضبوط کر دیا تھا۔ یہی اہم پہلو ہے جس کی بنا پر جیمز اول کی تخت نشینی تاریخ انگلستان میں ایک جدید عہد کا آغاز کرتی ہے۔ یعنے اس نے پرانے شاہی اقتدار کو پارلیمنٹ کے مقابلے میں کھڑا کر دیا جبکہ پارلیمنٹ میں بہتر سے حقوق اور اختیارات خصوصی جمع ہو گئے تھے

اقتدار اعلیٰ کا مسئلہ۔ بڑا علمی مسئلہ حل طلب یہ تھا کہ آیا حکومت کے یہ دو تصورات بلا تصادم ایک دوسرے کے ساتھ کام کر سکتے ہیں۔ آیا بادشاہ کے اختیارات خصوصی اور ان چیزوں کے درمیان جہاں بادشاہ کو پارلیمنٹ کا مقتدر رہنا لازم ہے حد بندی کرنا ممکن ہے۔ آیا مملکت میں ان دونوں طاقتوں کے درمیان مفاہمت ہو سکتی ہے۔ ان دو طاقتوں کی باہمی رقابت سے جو سوال پیدا ہوتا ہے آیا وہ مملکت کے انتہائی سیاسی اقتدار کا سوال نہیں ہے اور کیا ایسے اقتدار اپنی ماہیت میں ایک سے زیادہ ہو سکتے ہیں۔ مملکت میں کہیں نہ کہیں ایسی طاقت ضرور ہوگی جس کے فیصلوں کا مرافعہ نہیں ہو سکتا۔ وہ ایسا انتہائی اقتدار ہوگا جو ہر مبحث کا آخری مرجع ہوگا اور اس کے جواب پر تمام تنازعات فوراً ختم ہو جائیں گے۔ کوئی مملکت کیوں نہ ہو یہ انتہائی اقتدار اس کا اقتدار اعلیٰ ہوگا خواہ وہاں حکمراں مقتدر ہو یا قوم اور جس ملک کے متعلق یہ سوال ہو کہ اس کا اقتدار اعلیٰ کہاں ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ طاقت جس کے فیصلوں پر کوئی دوسری طاقت انگلی نہیں رکھ سکتی کہاں ہے۔ سترھویں صدی کی کشمکش میں جو انگلستان میں بادشاہ اور پارلیمنٹ کے درمیان ہوئی تو اس میں یہی سوال متنازعہ تھا اور اس کا قطعی فیصلہ ہو گیا۔ جوں جوں خاص مسائل کا کھرچھٹتا گیا یہ بڑا مسئلہ بحث و استدلال کے زور سے چھن کر سامنے آ گیا کہ مملکت انگلستان میں سیاسی اقتدار کہاں ہے اور جملہ اختیارات کا انتہائی مرکز کونسا ہے۔ اگرچہ اس کی صریح تشکیل کبھی عمل میں نہیں آئی نہ صریح الفاظ میں کبھی اس کا جواب دیا گیا۔ مگر بالآخر واقعات نے اور اسی صورت حال نے جو اس کشمکش سے پیدا ہوئی تھی اس کا حقیقی جواب دے دیا۔

اس مسئلے کے پیدا ہونے سے اور اس کے طے ہونے کی وجہ سے انگلستان کی

تاریخ دستوری میں سترھویں صدی بھی چودھویں صدی کی طرح ایک بڑا تخلیقی زمانہ بن جاتی ہے۔ یہ تخلیق اداراتِ اور دستوری کارروائی کی صورت میں نہیں ہوئی بلکہ ایسے مفہوم اور تاویلات پیدا ہو گئے کہ پھر ان پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا تھا یہ کہنا صحیح ہے کہ جہاں تک اساسی اصولوں کا تعلق ہے سنہ ١٣٩٩ء تک انگریزی دستور وجود میں آ گیا تھا اگرچہ ہم کسی طرح نہیں کہہ سکتے کہ دستور سازی مکمل ہو چکی تھی تخلیقی کام ابھی بہت کچھ کرنا باقی تھا۔ سب سے اہم کام تو یہ باقی رہ گیا تھا کہ حکومت کے جملہ شعبوں میں یہ اصول جاری کئے جائیں۔ اس کام کی اہمیت اس طرح معلوم ہوتی ہے کہ قومی مالیات کو گرفت میں لانے اور عدلیہ کو عاملانہ دست اندازی سے آزاد کرنے اور خارجی حکمت عملی کی رہنمائی میں خاص طور پر کام کرنا باقی تھا۔ آخری شق تو ایسی ہے کہ اس میں غالباً کام ابھی ادھورا ہے۔ عملی حکومت کو ان اصولوں کے مطابق چلانے کے لئے جن آلات کی ضرورت تھی اس کے ایجاد کرنے کے لئے بہت کچھ کرنا باقی تھا۔ اور اس کی خاص پیداوار جو ہمیں حاصل ہوئی ہے وہ انگلستان کا نظامِ حکومت ہے جو ذمہ دار وزرا کی کابینہ کی شکل میں کام کرتا ہے۔ اور وسیع نظر سے دیکھا جائے تو سب سے زیادہ اساسی چیز یعنے یہ دریافت باقی رہ گئی تھی کہ یہ اصولِ حکومت کی ماہیت اور اس کے ماخذ اور مملکت میں اقتدار اعلیٰ کے مقام پر کیا روشنی ڈالتے ہیں۔ یہ آخری کام تیرھویں صدی کا کام ہے اور اگرچہ یہ صرف تاویلی ہے مگر اس کے تخلیقی ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

نظائر کی کھینچ تان۔ سترھویں صدی کا کام تخلیقی بھی تھا اور یہ نہ صرف اس عام نتیجہ کے اعتبار سے جو اس زمانے کی اصل پیداوار ہے بلکہ ضمنی طور پر اکثر تفصیلات میں بھی اس کا خاصہ تھا۔ تیرھویں صدی میں انگلستان کو اپنی گزشتہ تاریخ سے زیادہ دلچسپی تھی اور کشمکش کے دونوں علمبردار پچھلی نظیریں پیش کرتے تھے اور اس خصوص میں کوئی اور زمانہ اس کی برابری نہیں کر سکتا لیکن یہ ماننا پڑیگا کہ پارلیمنٹ کے دعاوی کی تائید میں جن نظائر کو پیش کیا جاتا تھا اور ان پر زور دیا جاتا تھا ان کے اصلی معنے نہیں دیکھے جاتے بلکہ یہ دیکھا جاتا تھا کہ منطقی طور پر ان سے کیا مفہوم مستنبط ہوتا ہے۔ بادشاہ نے بھی کئی مرتبہ نظائر کی بنیاد پر عام اختیار عمل کا دعوے کیا تھا لیکن ایسے

واقعات تھوڑے سے تھے اور ان کی ایک مثال وہ زائد محصول ہے جو بذریعۂ فرمان عائد کیا جاتا تھا اور یہ قانونی کروڑگیری کے علاوہ ہوتا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اسی طریقے سے سابق سلاطین نے جائز کروڑگیری کے علاوہ زائد وصولات عائد کی تھیں مگر وہ حصول مالگزاری کی غرض سے نہیں بلکہ خاص انتظامی اغراض کے لئے تھیں۔ بادشاہ کے گزشتہ نظائر کو پیش کر کے اس استعمال حق کو جائز قرار دینا ایک زیادتی تھی اور یہ شاہانِ اسٹوارٹ کی زیادتیوں کی ایک مثال ہے کہ انھوں نے اس صدی میں نہ صرف یہ بلکہ اور بہت سی چیزوں کو قانوناً حق بجانب قرار دیا۔

تاہم بہ حیثیت مجموعی یہ کہنا چاہیئے کہ تاریخی نظائر بادشاہ کے ساتھ تھے برخلاف اس کے پارلیمنٹ اس زمانے میں نظائر کی کھینچ تان کرتی تھی اور یہ کھینچ تان جس کی تاریخ سے کوئی تصدیق نہیں ہوتی تھی اس طرح کی جاتی تھی کہ وہ اصل معنے میں نہیں ہوتی تھی بلکہ وہ کچھ منطقی استنباط ہوتا تھا۔ مثلاً سترھویں صدی وہ زمانہ ہے جس میں شقہ "احضار ملزم" کی تکمیل ہوی اور یہ حکومت کے خودسرانہ افعال سے شہریوں کو بچانے کا ذریعہ تھا۔ لیکن پارلیمنٹ نے اس نتیجہ کے حاصل کرنے کے لئے جو کشمکش شروع کی تو وہ ۱۶۲۸ء کے عرضداشت حقوق کی صورت میں نموادار ہوی اور اس کے متعلق دعوے یہ تھا کہ اس وقت ہم جو حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ پارلیمنٹ کا پرانا حق ہے۔ اگرچہ جس لفظی شکل میں یہ دعاوی ظاہر کیئے گئے تھے ان کو تاریخ نہیں تسلیم کرتی تھی لیکن واقعہ کو جو درحقیقت واقعہ تھا نظرانداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ان نظائر کو پارلیمنٹ نے پھیلا کر جو معنے پہنائے تھے وہ درحقیقت ان سے منطقی طور پر مستنبط ہوتے تھے۔ ۱۶۲۸ء سے پہلے جو "احضار ملزم" موجود تھا اس کا منطقی طور پر وہی مفہوم تھا جس کا اب پارلیمنٹ نے دعوی کیا تھا یعنے یہ عاملہ کے خودسرانہ افعال کے خلاف افراد کی حفاظت کا ایک ذریعہ ہے گو اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اس طریقے سے کبھی استعمال نہیں کیا گیا تھا۔

غیر محقق تاریخ سے مدد لے کر اس وقت پارلیمنٹ جو کام کر رہی تھی وہ درحقیقت یہ تھا کہ گزشتہ زمانے کے قائم کیئے ہوے اصولوں کو پھیلا کر منطقی استدلال کے زور سے جدید صورتوں اور جدید تفصیلات پر منطبق کر رہی تھی اور اس کے تخلیقی کام ہونے میں شبہ نہیں۔ پارلیمنٹ اور شاہان اسٹوئرٹ کی باہمی کشمکش ایسی چیز تھی کہ جس سے

قوم یہ بات سمجھ گئی تھی کہ یہ اصول در حقیقت تمام مملکت اور دستور کے لئے کیا معنے رکھتے ہیں۔ تیرھویں صدی کا مخالف فریق جس تشدد کے ساتھ گزشتہ نظائر کو بادشاہ کے خلاف پیش کر کے ان کی انتہائی منطقی حد تک پہنچا رہا تھا اور اکثر ایسے معنے نکالے جاتے تھے کہ خود نظائر بنانے والوں کے دماغ میں یہ بات نہیں تھی تو ہمیں یہ گمان ہوتا ہے کہ سولھویں صدی کے طویل وقفے میں ہی، جب کہ مطلق العنان حکومت عود کر آئی تھی، لاعلمی میں اس بات کا ضرور ایک واضح تصور پیدا ہو گیا ہوگا جو اس کے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا کہ دستور کیا چیز ہے اور اس سے منطقی طور پر کیا معنے مستنبط ہوتے ہیں۔ اس طریقے سے سولھویں صدی نے واقع میں آئندہ ترقی کے لئے ایک مضبوط بنیاد قائم کر دی تھی جس پر سترھویں صدی کی عمارت چنی جا رہی تھی۔

اس قسم کی توسیع پر جب کہ وہ ٹھیک منطقی استدلال پر مبنی تھی تاریخ کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ تاریخی استدلال ان نتائج کے مقابلے میں کبھی مستند نہیں ہو سکتا جو قوم کی طبعی رفتار ترقی کی پیداوار ہوں۔ گزشتہ زمانے کی پیدا کی ہوئی مبادیات سے کتنا ہی تجاوز کیوں نہ ہو اگر وہ قومی زندگی کی طبعی پیداوار اور پچھلے زمانے کے بہ نسبت اصلی ترقی ہے تو یہ قوم کا حق ہے اس پر تاریخ اعتراض نہیں کر سکتی۔ یہی سب سے بڑی چیز ہے جس کے لئے پارلیمنٹ سترھویں صدی میں ہاتھ پیر مار رہی تھی۔ اگرچہ بظاہر یہ جدید مطالبات تھے لیکن یہ جیسے جمائے اصولوں کا منطقی انطباق تھا اور زمانہ ایسا آگیا تھا کہ اگر انگریزی دستور منجمد نہیں بلکہ روبہ ترقی تھا تو ان کا ہونا ضروری تھا۔

جیمز کی تخت نشینی کے وقت جو صورت حال تھی اس کے دو پہلو ایسے تھے جن سے بادشاہ اور پارلیمنٹ کی کشمکش بڑھانے میں فوری مدد ملی۔ ایک پیورٹین فریق کی کثرت اور اس کا ولولہ تھا دوسرے قومی مالیات کی حالت تھی۔ پیورٹین فریق الزبتھ کے عہد میں پیدا ہوا تھا۔ اس فرقے کا مطالبہ یہ تھا کہ قومی کلیسا کی پروٹسٹنٹ اور بالخصوص کالونیت کے مطابق خاطر خواہ اصلاح ہونی چاہیئے۔ کالونیت کے اصول میں عمومیت کی طرف از خود میلان شامل تھا۔ اگرچہ اب تک قوم میں اس فرقے کی کوئی بہت بڑی سیاسی طاقت پیدا نہیں ہوئی تھی لیکن ملکہ کے آخری زمانے میں اس کی خود رایانہ حکومت کے خلاف جو مخالف فریق پیدا ہو گیا تھا اس میں اس فرقے نے نہ صرف

اضافہ کیا بلکہ اس کی رہنمائی بھی کی۔ پہلے ہی سے تفریق شروع ہوگئی تھی اور دو جتھے بن گئے تھے جن کی سترھویں صدی میں خاص اہمیت ہوگئی تھی۔ ایک پرسبٹری جو قومی کلیسائے معتقد تھے اور نیابتی اور جمہوری حکومت چاہتے تھے اور اس بات پر زور دیتے تھے کہ حکومت ٹھیک اس کے معیار کے مطابق ہونی چاہیے؛ دوسرا جتھا عقائد میں تو بہت رواداران اور آزادانہ خیال رکھتا تھا لیکن حکومت میں انتہاپسند تھا، مذہبی اور سیاسی دونوں تنظیموں کو ٹھیک اپنے اصول کے مطابق ڈھالنا چاہتا تھا یہاں تک کہ ایک حقیقی جمہوریہ کا خواہاں تھا۔ پہلے پہل یہ جتھا "بیرونی" یا "کنارہ کش" (Separatist) کے نام سے موسوم تھا اور بعد کو خود مختار (Independent) کہلانے لگا اور زمانۂ حال کی مذہبی تاریخ میں یہ لوگ اجتماعی (Congregationalists) کہلاتے ہیں۔

جیمز کے عہد میں پرسبٹری جتھا تعداد اور رہنمائی کے اعتبار سے فریق حکومت پر چھایا ہوا تھا اور کنارہ کشوں کو یہ امتیاز تھا کہ انھوں نے ۱۶۲۰ء میں جدید مستعمرات نیوانگلینڈ کا افتتاح کیا۔ نیز جیمز کے عہد میں پرسبٹریوں نے اپنے کو قومی کلیسا سے علیحدہ نہیں کیا تھا۔ یہ لوگ کلیسا میں شامل تھے یا یوں کہو کہ ان کی کثیر تعداد کلیسا میں داخل تھی اور ان لوگوں نے جو کام کیا تو اس میں کلیسا کے خلاف کھلی بغاوت نہیں کی بلکہ کلیسا کے اندر رہ کر اپنے پیوریٹینی جذبہ کا اظہار کیا اور اپنے تصورات پیش کئے۔ اوائل میں خاص چیز غور طلب یہ ہے کہ یہ ان کا مسلک تھا۔ اس کا عقیدہ یہ تھا کہ انسان کا کام صرف اسی قدر نہیں ہے کہ سچائی کا یقین کرے بلکہ اس کی حفاظت کرے اور اس کو پھیلائے۔ چونکہ قومی کلیسا میں پوریٹینوں کے دوسری جانب کلیسائے اعلیٰ والا فریق پیدا ہوگیا تھا اور جیمز کو بچپن سے پرسبٹری مذہب سے سخت نفرت تھی اس لئے کشمکش کا خوب سامان ہوگیا تھا۔ سترھویں صدی میں مذہبی اور سیاسی مخالفت اور مذہبی اور سیاسی اصولوں کے ایسے ڈانڈے ملے ہوئے تھے کہ ان کو جدا کرنا ناممکن ہوجاتا ہے۔

جیمز کے اوائل عہد میں حکومت کو جن مالی مسائل سے دوچار ہونا پڑا وہ ہر حالت میں مشکل تھے، اور اس وقت دو وجہ سے تو یہ بہت زیادہ پیچیدہ ہوگئے تھے۔ ایک تو یہ کہ بادشاہ فضول خرچ تھا اور روپیہ کی اس کو پروا نہیں تھی۔ دوسرے قیمتی فلزات کی قدر گھٹنے کی وجہ سے سولھویں صدی کے نرخوں میں عظیم الشان فرق پیدا ہو رہا تھا چنانچہ پرانے مداخل

سے کاروبار سلطنت چلانا ناممکن ہو گیا تھا۔ عدالت انجم کی ضیافت کی لاگت جو ۱۵۰۰ء میں صرف دو پونڈ ہوتی تھی وہ ۱۶۰۰ء میں آکر بیس پونڈ ہونے لگی۔ اس کی غالباً کچھ وجہ یہ ہے کہ تکلف بڑھ گیا لیکن زیادہ تر یہ کہ قیمتیں اونچی ہو گئیں تھیں۔ الیزبتھ کا دربار بہ حیثیت مجموعی کفایت شعاری سے چلایا جاتا تھا اور اسپین کی لوٹ سے بھی بہت کچھ روپیہ ہاتھ آیا تھا اس لئے ملکہ کے عہد میں گو مصارف بڑھے لیکن اس تناسب سے محاصل بڑھانے کی ضرورت نہیں ہوئی۔ قوم کی اس طرح تربیت نہیں ہوئی تھی کہ صورت حال سمجھنے کے قابل ہو سکے اور اب بادشاہ کے فضول خرچ ہونے سے جو اپنے ذرائع آمدنی کو قریب قریب غیر محدود سمجھتا تھا قوم پر اچانک بوجھ پڑ گیا۔ جیسا ہمیشہ ایسی صورتوں میں ہوتا ہے ان مشکلات کے حقیقی اسباب نہ قوم کے سمجھ میں آئے نہ حکومت کے اور قریب قریب اس صدی کے وسط تک حکومت کے ضروری مطالبات اور بے خبر پارلیمنٹ کی ناراضی کشمکش کو اکثر بڑھاتی رہی۔

جیمز کو پیوریٹینی پادریوں نے "عرضداشت ہزاری" دی تھی کہ قومی کلیسا میں مزید تبدیلیاں ہونی چاہئیں۔ ہیمپٹن کورٹ کانفرنس میں اس نے مارچ ۱۶۰۴ء کی پارلیمنٹ کے اجلاس سے پہلے ان لوگوں کے رجحانات پر سخت ملامت کی تھی۔ اسی پارلیمنٹ میں سب سے پہلے بنیادی تنقیحات قائم ہوئیں اور سب سے پہلے بنیادی اصول ظاہر کئے گئے۔ اگرچہ یہ اصول ہنوز پختہ نہیں ہوئے تھے مگر ان سے اس تمام صدی کی کشمکش خاص طور پہ منتنازہ ہو جاتی ہے۔ اس پارلیمنٹ کے طلب کرنے میں بادشاہ نے یہ قاعدہ مقرر کر دیا ہے کہ اس قسم کے لوگ جن کا چال وچلن مشتبہ ہو وہ دارالعوام میں منتخب نہ ہونے پائیں اور یہ فیصلہ عدالت نصفت کے سپرد کیا جانا کہ آیا انفرادی صورتوں میں اس کے حکم کی متابعت ہوتی ہے یا نہیں۔ اس سے دارالعوام کا حق سلب ہوتا تھا کیونکہ اب وہ اپنے اراکین کی اہلیت اور متنازعہ فیہ انتخابات کے متعلق خود فیصلہ نہیں کر سکتا تھا۔ اسی معاملے میں بادشاہ اور پارلیمنٹ کے مابین فوراً کشمکش شروع ہو گئی اور اس کشمکش کے دوران میں بادشاہ نے جتا دیا کہ دارالعوام کے تمام اختیارات خود بادشاہ کے دیئے ہوئے ہیں۔ اور ادھر ایوان نے اپنا بچاؤ اس طرح کیا کہ ایک آئینی وثیقے کے ذریعے جس کو "اعتذار" کہتے ہیں جو غالباً بادشاہ کے سامنے پیش نہیں کیا گیا یہ اعلان کیا کہ

ہمارے اختیارات اور آزادیاں خود ہمارے حقوق اور جائز میراث ہیں اور ان کی حالت ایسی ہے جیسے ہماری زمینوں اور اثاثہ کی یعنے ان کا قبضہ ایسا ہے جیسے خانگی جائداد پر ہوتا ہے اور پادشاہ اس کو نہیں چھین سکتا۔ یہ ایک صریح مسئلہ تھا جو صریح طرز سے اٹھایا گیا لیکن اس وقت یہ اس سے زیادہ آگے نہیں بڑھا۔ بالآخر پادشاہ کو اپنی کوشش چھوڑ دینی پڑی گو یہ سبق ابھی پوری طور پر ذہن نشین نہیں ہوا تھا کہ ملک کے اندر ایک ایسا مجموعۂ قانون ہے جو پادشاہ کی مرضی سے بالاتر ہے۔

پادشاہ کا کروڑگیری عائد کرنا۔ دو سال کے بعد مالی مشکلات کی حالت میں جو کارروائی کی گئی وہ آئندہ آنے والے واقعات کے لئے ایک مثال ہوگئی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سلطنت کے ضروری مصارف کے لئے پادشاہ کو روپیہ کی ضرورت تھی لیکن اس نے پارلیمنٹ سے درخواست کرنے کے بجائے اپنے اختیارِ خصوصی سے کام لے کر درآمد برآمد پر فی ہنڈریڈ ویٹ پانچ شلنگ کے حساب سے ایک زائد محصول درآمد لگا دیا۔ یہ ان زائد وصولات کا واقعہ ہے جن کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ ایک تاجر نے جس کا نام جان بیٹ یا بیٹس تھا اس برآمد محصول کے ادا کرنے سے انکار کر دیا اور عدالت محکمہ میں اپنا مقدمہ دائر کیا۔ عادلوں نے بالاتفاق پادشاہ کے موافق فیصلہ کیا کہ پادشاہ نے جو کچھ کیا ہے اس کو اس کا حق حاصل ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پچھلے زمانے کے پادشاہوں کے متعلق یہ تسلیم کر لیا گیا تھا کہ اعلان کے ذریعے سے وہ محاصل درآمد و برآمد گھٹا بڑھا سکتے ہیں لیکن یہ حق تجارت کے انتظام کے لئے استعمال کیا جاتا تھا کہ تجارت کی تامین ہو یا کسی غیر حکومت سے بدلا نکالا جائے اور تجارت مناسب طور پر چلے۔ جیمز کا یہ استعمالِ اختیار اس غرض کے لئے نہیں بلکہ توفیرِ مداخل کے لئے تھا اس لئے وہ ایسا اہم دستوری اختیار ہاتھ میں لے رہا تھا جس کی توثیق قدیم نظائر سے نہیں ہوتی تھی۔ عدالت تو ان نتائج کو نہیں دیکھتی تھی جو ان نظائر سے مستقبل بعید میں برآمد ہونے والے تھے۔ وہ بالعموم ظاہری الفاظ کی پابندی تھی اس لئے اس کا یہ فیصلہ قدرتی بات تھی۔

اس مقدمۂ زیرِ بحث کے متعلق عادلوں کو جو کچھ غور کرنا تھا اس سے وہ بہت آگے بڑھ گئے اور اختیارِ خصوصی کے متعلق چند عام اصول قائم کر دیئے جن سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس وقت دستوری حکومت سے زیادہ مطلق العنان حکومت کا

اچھا خاصا نظری مسالہ تیار ہوچکا تھا۔ خاص بیرن (یعنی صدرِ عدالت) نے کہا تھا "بادشاہ کے دوہرے اختیارات ہیں۔ ایک معمولی اور دوسرے مطلق۔ اور ان کے لئے کئی (یعنی مختلف) قوانین اور اغراض ہیں مطلق اختیار وہ اختیار نہیں ہے جو کسی فرد کے استعمال کے لئے یا کسی خاص شخص کے فائدہ کے لئے استعمال کیا جائے بلکہ یہ وہ اختیار ہے جو قوم کے عام فائدے کے لئے استعمال کیا جائے .... کیونکہ قوم جسم ہے اور بادشاہ سر ہے اور جس طریقے سے جسم کی کاٹھی مرورِ زمانے کے ساتھ بدلتی رہتی ہے اسی طریقے سے یہ مطلق قانون بھی بادشاہ کی بصیرت کے مطابق عام فائدے کے لئے بدلتا رہتا ہے۔ اور جب یہ کہا جاتا ہے کہ اگر بادشاہ محصول عائد کرنا چاہے تو وہ جس قدر مقدار میں چاہے عائد کرسکتا ہے تو حقیقت میں اس کو بادشاہ کی بصیرت پر محمول کرنا چاہیئے جو رضائے الٰہی کے مطابق اپنی بصیرت سے کام لے کر ہماری رہنمائی کرتا ہے اور رعایا کو اس کی مخالفت نہیں کرنی چاہیئے۔"

اگرچہ اس واقعہ سے کوئی بہت بڑا نتیجہ برآمد نہیں ہوتا تھا بلکہ اس سے صرف ایک ابتدا ہوتی تھی لیکن یہ اس صدی کے تمام کشمکش کا مکمل نمونہ تھا۔ بادشاہ ایک نظیر کو جس کے الفاظ اس کے طرزِ عمل پر صادق آتے تھے۔ پھیلا کر اس اختیار پر منطبق کرتا ہے جو اپنی حد سے بہت متجاوز تھا اور عدالت فیصلہ کرتی ہے کہ از روئے نظیر جدید استعمال جائز ہے۔ اس بناء پر کہ عدالت نے اس کے موافق فیصلہ کیا تھا۔ جیمز نے اس کے بعد ہی ایک جدید "کتاب محاصل" شائع کی جس میں اشیائے درآمد کی کثیر تعداد پر بھاری بھرکم زائد محاصل عائد کئے گئے جو ہمیشہ کے لئے تھے اور پارلیمنٹ نے اس کو مان لیا۔ اس پر بہت رد و قدح ہوئی اور اس رد و قدح سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس سے جو اصول مستنبط ہوتے ہیں ان کو اراکین خوب صاف طور پر سمجھنے لگے ہیں۔

پارلیمنٹ نے اس اجلاس میں جو جیمز کی پہلی پارلیمنٹ کا چوتھا اجلاس تھا عدالت ماموریۂ عظمےٰ کے کام کی بدعنوانیوں اور فرامین کے غلط استعمال کی شکایت بھی کی۔ اس مسئلے کو کہ فرامین کے متعلق بادشاہ کو کیا اختیار ہے کونسل نے چار عادلوں کے سپرد کیا جس میں دونوں میرِ مجلس شامل تھے۔ ان عادلوں نے یہ رائے دی کہ اگر کسی امر کے متعلق قانون نہ ہو تو بادشاہ اپنے اعلان سے کوئی جدید جرم نہیں پیدا کرسکتا نہ کسی جرم کو عدالت انجم کے ذریعے

مستوجب سزا قرار دے سکتا ہے۔ اس صریح رائے سے یہ ہوا کہ شاہی اختیار کے راستے میں ایک رکاوٹ پیدا ہوگئی یعنے اس طرح اس کی مزید توسیع ناممکن ہوگئی لیکن اس کا بالکلیہ خاتمہ بھی نہ ہو سکا۔

۱۶۱۱ء فروری میں جیمز نے اپنی پہلی پارلیمنٹ برخاست کردی اور دوسری پارلیمنٹ طلب کی تو اپریل ۱۶۱۴ء میں دوبارہ پارلیمنٹ طلب کرنے میں اس کو بہت پس و پیش ہوا لیکن بعض دوستوں نے مالی مشکلات کا لحاظ کر کے پارلیمنٹ طلب کرنے پر بہت زور دیا تھا اور اس کو یقین دلایا تھا کہ دارالعوام کو بادشاہ کے حسب منشا چلانے کے لئے بہت سے طریقے پیدا کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن یہ کوشش کچھ الٹی ثابت ہوئی اور ایوان نے زائد وصولات کے خلاف اپنا پر زور جذبہ ظاہر کیا کہ بادشاہ کو بغیر پارلیمنٹ کی منظوری کے محاصل عائد کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ جب اراکین پارلیمنٹ نے انکار کر دیا کہ ہماری شکایات پر غور کرنے سے پہلے ہم کوئی منظوری نہیں دے سکتے تو بادشاہ اس قدر برہم ہوا کہ قبل اس کے کہ پارلیمنٹ محصول کی منظوری دے یا قانون بنائے جون کے مہینے میں بہت جلد پارلیمنٹ برخاست کردی اور الیزبتھ کی تقلید میں دارالعوام کے چار اراکین کو ان کے بد اعمالی کی سزا دینے کے لئے ٹاور بھیجدیا۔

اضافۂ مداخل کے ذرائع۔ تیسری پارلیمنٹ کا اجلاس جنوری ۱۶۲۱ء میں ہوا اور ۱۶۱۱ء سے لے کر ۱۶۲۱ء تک دس سال کے دوران میں سوائے ۱۶۱۴ء کی پارلیمنٹ کے جس نے کوئی کام نہیں کیا کوئی پارلیمنٹ نہیں جمع ہوئی اضافۂ مداخل کے لئے جو غیر قانونی ذرائع اختیار کئے گئے تھے ان میں بادشاہ اپنے کو حق بجانب سمجھتا تھا۔ مہر شاہی یعنے جبری قرضوں کا پھر استعمال کیا گیا اور پرانے قرضے اور جرمانے سختی کے ساتھ وصول کئے گئے۔ خطابات فروخت کئے گئے اور فروخت کے لئے بیرونٹ کا ایک جدید خطاب ایجاد کیا گیا۔ ۱۶۱۴ء کی پارلیمنٹ کے ناکام ہونے کے بعد ایک عام پیش کش لی گئی جس کی بہت مخالفت ہوئی۔ آلیور سینٹ جان نے اس تجویز کی بذریعۂ تحریر مخالفت کی تو اس پر جرمانہ کیا گیا اور وہ قید کیا گیا۔

عادلوں سے مشورہ۔ ۱۶۱۵ء میں بادشاہ کے ایک فعل سے دستور کا ایک بہت اہم جزو یعنے عدلیہ کی آزادی کا مسئلہ منظر عام پر آگیا جس کا بعد کو طے

ہونا اسی صدی کی مستقل ترقیات میں شامل ہے۔ یہ پیچم کا مقدمہ تھا جو ایک پیورٹینی واعظ تھا۔ اس پر ایک موہوم شہادت کی بنا پر غداری کا الزام عائد کیا گیا اس لئے کہ اس نے اپنے خطبے میں بادشاہ کے خلاف برے الفاظ استعمال کئے حالانکہ یہ خطبہ پڑھا گیا نہ شائع کیا گیا۔ بادشاہ نے ہدایت کی کہ شاہی بنچ کے عادلوں سے علٰحدہ علٰحدہ مشورہ کیا جائے اور اس سے درحقیقت یہ امید تھی کہ یہ لوگ اثر میں آکر شہادت کے متعلق بادشاہ کے نقطۂ خیال کی پابندی کریں گے۔ دوسرے عادلوں نے بھی مشورہ دیا لیکن میر مجلس کک نے پہلے تو اس پر اعتراض کیا کہ عادلوں سے علٰحدہ علٰحدہ مشورہ درست نہیں اور پھر اپنی تحریری رائے دی کہ شہادت کافی نہیں ہے۔ اس وقت کک نے جو مشورہ پر اعتراض کیا تو کسی دستوری مواد پر نہیں کیا بلکہ دستوری مواد بعد کو جل کر پیش کیا، اور اس مقدمہ سے کم از کم یہ ہوا کہ اس عمل میں جو بدعنوانیاں ہوتی تھیں ان کی طرف توجہ منعطف ہو گئی۔

دوسرے سال یہی سب باتیں ایک اور مقدمہ میں جس کو مقدمۂ تفویض معاش مذہبی سمجھا جاتا ہے بہت واضح ہو کر سامنے آگئیں۔ ایوانِ اسپکر میں قانون عرفی کی عدالتوں کے تمام عادلوں کے سامنے ایک مقدمہ کی سماعت ہوئی اس میں بادشاہ نے اسے ملتوی کرنا چاہا تاکہ اس کے متعلق عادلوں سے مشورہ کرے۔ جب انھوں نے بالاتفاق کہدیا کہ ہم تعویق نہیں کر سکتے اور یہ قانون کے منافی ہے تو سب لوگ بادشاہ اور کونسل کے روبرو طلب کئے گئے اور خود جیمز نے ان کو خوب ڈانٹ بتائی سبھوں نے سر جھکا لیا لیکن کک نے اس وقت بھی یہی کہا کہ تعویق قانون کے منافی ہے۔ سب سے یہ کہا گیا کہ تم یہ بتاؤ آیا تم کسی مقدمہ کو جس کے متعلق بادشاہ یہ سمجھے کہ اس میں براہ راست اس کے اغراض وابستہ ہیں تو بادشاہ سے مشورہ کرنے کے لئے ملتوی نہیں کروگے۔ سبھوں نے اثبات میں جواب دیا لیکن کک تو یہی کہتا رہا کہ میں وہی کروں گا جو ایک عادل کو کرنا چاہئے۔ چنانچہ اس کے بعد ہی وہ میر مجلسی سے علٰحدہ کر دیا گیا۔

اس میں اور زائد وصولات کے مقدمہ میں بادشاہ کی تائید پر تاریخی نظائر تھے۔ اکثر بادشاہوں نے عادلوں سے مشورہ کیا تھا۔ دارالامرا نے تو کئی دفعہ مشورہ کیا تھا اور قانونی عہدہ داروں مثلاً خود کک نے بحیثیت بادشاہ کے نائبوں کے

بھی مشورہ کیا تھا۔ یہ عملدرآمد اس صدی کے بعد زمانۂ حال تک جاری رہا اور اب بھی اس کی گاہے ماہے مثالیں ملتی ہیں اور کئی ایک امریکانی ریاستیں اس قسم کے مشورے کو جائز قرار دیتی ہیں۔ لیکن چند اقتباسات، بالخصوص سترھویں صدی کی تاریخ میں جس میں یہ سوال پے در پے سامنے آتا تھا، بہت اہم ہیں۔ پہلی چیز جو اس سوال کے جملہ پہلوؤں کی تہ میں موجود ہے وہ یہ ہے کہ عادل محض قانونی مشیر نہیں ہوتے بلکہ وہ ایسے مشیر ہوتے ہیں کہ مشورے کے ساتھ وہ قانون بناتے بھی ہیں، یعنے وہ صرف یہی نہیں کہتے کہ فلاں قانون کے کیا معنے ہیں بلکہ معنے پہنانے کے ساتھ ان کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ اپنی تاویل کو حقیقی اثباتی قانون کے معنے پہنا دیں۔ اس واقعے سے شاہان اسٹوئرٹ کی بدعنوانی واضح ہوتی ہے کیونکہ ان شرائط کی بنا پر مشورے کی دو صورتیں ہو جائیں گی۔ ایک تو عادلوں کا وہ مشورہ ہے جس کا مقصد واقعی شبہ کو رفع کرنا یا بالکل ایمانداری کے ساتھ وہ قیود معلوم کرنا ہے جن کے مطابق ان کے مشورے سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، دوسرے وہ مشورہ جس کا مقصد عاملہ کی رائے کو عادلوں سے اس مقدمہ میں جو ان کے سامنے فیصلے کے لئے آئے منوانا ہے اور ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ اگر عاملہ کو یہ اختیار ہو کہ وہ آزاد عادلوں کو برخاستگی کی سزا دے سکے تو پھر خطرہ کی کوئی حد نہیں رہیگی۔ اور جب اس دور کے آخر میں سوائے خاص صورت کے عادل ناقابل برطرفی قرار دئے گئے تو یہ خطرہ رفع ہو گیا اور اس مملکت میں جہاں جملہ عہدہ دار بہ شمول حکام عدالت ایک مقررہ میعاد کے لئے منتخب کئے جاتے ہیں تو اس خطرہ کا کوئی وجود ہی باقی نہیں رہا۔ لیکن یہ بات بھی نہیں بھولنی چاہیئے کہ جمہوری حکومت بھی بعض اوقات اپنی رائے کو عادلوں پر ٹھونسنا چاہتی ہے۔

یہ بات نظرانداز نہیں کرنی چاہیئے کہ قانون عرفی کی عدالتیں اور ان عدالتوں میں کام کرنے والے قانون داں مقررہ اشکال اور نظائر کو جو اٹل سمجھتے تھے اور ان کی اندھی پیروی کرتے تھے تو اس سے یہاں اور بعد کی آزادئ دستور کی کشمکش میں بہت مدد ملی۔ ہم یہ دیکھ آئے ہیں کہ تیرھویں صدی میں مقررہ اشکال کا راج شروع ہو گیا تھا۔ انصاف کے معاملے میں مقررہ قواعد کا ہمیشہ دخل رہا تھا اور اس سے

جو نقائص پیدا ہوتے تھے ان کے ازالہ کے لئے اصول داد رسی کا ایک دوسرا نظام پیدا ہو گیا تھا۔ لیکن نظائر کے رواج نے قانون عرفی کے سمجھنے والوں کو اس قابل بنا دیا تھا کہ وہ قانونی اور غیر قانونی چیز میں صاف تمیز کر سکیں اور وہ اس بات کے معتقد ہو گئے تھے کہ غیر قانونی امر کو کبھی موقعہ نہ دینا چاہئے۔ چنانچہ یہ اصول بہت آسانی کے ساتھ قانون دستور کے ہر شعبے میں قائم ہو گیا۔ پہلے دو شاہان اسٹوئرٹ کی مخالف فریق کے ساتھ جو کشمکش تھی وہ اصل میں نظائر ہی کی کشمکش تھی جو دونوں طرف فراغدلی کے ساتھ پیش کی جاتی تھیں، لیکن ان کے متعلق دونوں طرف جو مدللانہ بحث و مباحثے ہوتے تھے اور عدالتی رائے قائم ہوتی تھی ان میں خاص فرق یہ تھا کہ بادشاہ کی طرف سے جو نظائر پیش کی جاتی تھیں ان کے تو محدود لفظی معنے لئے جاتے تھے تاکہ ان اختیارات کا استعمال جائز ہو جائے جو در اصل خیال میں نہیں آتے تھے۔ برخلاف اس کے مخالف فریق کی طرف سے جو نظائر پیش کی جاتی تھیں تو ان کے لفظی معنوں پر زور دینے کے بجائے ان اصول پر زور دیا جاتا تھا جو منطقی استدلال سے مستنبط ہوتے تھے۔ یوں تو دونوں فریقوں نے نظائر کو ایک نئی چیز بنا دیا لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ بادشاہ اصل نظیر کے رسمی معنوں کے قریب جاتا تھا اور مخالف فریق قطعیت کے ساتھ حقیقی منطقی انطباق پیش کرتا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جہاں تک تاریخ کا تعلق ہے بادشاہ کی تائید میں نظائر کا ایک معتدبہ مجموعہ تھا اور فریق مخالف کی تائید پر جو مجموعہ تھا وہ بہت ہی مختصر تھا۔ اس آخر الذکر کے متعلق اس بارہ میں کوئی بحث نہیں کی گئی بلکہ اس میں صرف انھیں نظائر سے بحث کی گئی ہے جو شاہی اختیارات کے مخصوص استعمال سے متعلق ہیں مثلاً۔ زائد محصولات یا عادلوں کے ساتھ ناجائز برتاؤ۔ مقدمۂ معاشِ مذہبی۔ کے متعلق عادلوں نے جو انکار کر دیا تو ان کی ملامت کے سلسلے میں بادشاہ نے انھیں ڈانٹا اور ساتھ ہی یہ اعلان کیا کہ مجھے دو قسم کے اختیار خصوصی حاصل ہیں۔ ایک "معمولی" جن کے متعلق قانونی عدالتوں میں بہت کچھ بحث ہو سکتی ہے اور دوسرے اختیار اور اقتدار اعلیٰ جس کے متعلق معمولی اختیار کی طرح نہ اعتراض ہو سکتا ہے نہ بحث۔ اس اعلان کے ذریعے بادشاہ نے یہ معلوم کرانا چاہا کہ اس مسئلے کی شاہی تاویل یہ ہے کہ بادشاہ وقت واحد میں قانون

کے تابع بھی ہے اور قانون سے برتر بھی۔ اس کے پہلے خود بادشاہ اور اس کے مؤید چھ مرتبہ اس بات کا اعلان کر چکے تھے کہ بادشاہ اپنے اختیارِ خصوصی کو کیا سمجھتا ہے اور اس اختیار کو قانون سے کیا تعلق ہے۔ سب سے پہلے تو خود بادشاہ کی کتاب "بادشاہیانِ مطلقہ کا حقیقی قانون" (True law of Free monorchics) ہے جو ۱۶۰۳ء میں شائع ہوئی پھر بیٹ کے مقدمہ میں ۱۶۰۶ء میں عدالتی رائے ظاہر کی گئی تیسرے کوویل کی کتاب "تاویل کنندہ" (Cowell's Interpreter) ۱۶۰۷ء جو قانون کی لغت ہے جس میں مطلق العنانیت کے اصول کو اس قدر غیر معمولی وضاحت کے ساتھ دکھلایا گیا ہے کہ پارلیمنٹ کے اعتراض کے مقابلے میں خود بادشاہ بھی اس کتاب کی بالکلیہ حمایت نہیں کر سکتا تھا چنانچہ یہ کتاب ترمیم کی غرض سے بازار سے واپس لے لی گئی۔ اور آخر میں بادشاہ کی تقریر، جو ۱۶۱۰ء میں پارلیمنٹ کے سامنے دی تھی۔

یہ جو کچھ دعوے کئے گئے ان سے ظاہر ہے کہ بادشاہ کا ایک معتد بہ فائدہ متصور تھا۔ قدیم زمانے کے مفکرین یہ کہنے پر مجبور تھے کہ اقتدارِ اعلیٰ ایک شخص میں ہوتا ہے۔ تاریخی طور پر اقتدارِ عموم یا اقتدارِ مقننہ کو بالفعل ظاہر کرنے کا کوئی تجربہ نہیں ہوا تھا اور عموم کے اقتدارِ اعلیٰ کے متعلق ابھی تک ایسا نظریہ مدون نہیں ہوا تھا جو عملی جامہ پہنانے کے قابل ہو۔ بعض اوقات یہ چیز فلسفیانہ تخیل اور تفکر میں ظاہر کی جاتی تھی۔ لیکن اس کے عملی اشکال کبھی معرضِ بحث میں نہیں آتے بعض اوقات یہ قانونی مقالوں میں ظاہر کیا جاتا تھا لیکن اس کی شان محض تصوری ہوتی تھی اور یہ ایسا اصول تھا کہ اگر اس پر کوئی حکومت قائم کی جاتی تو وہ حکومت جمہوریت سے یا اگر واقعی مثال مطلوب ہو تو روما کی شہنشاہت سے مختلف ہوتی تھی۔ قانونِ روما یہ کہتا تھا کہ شہنشاہ کو اعلیٰ مقننانہ اختیار حاصل ہے کیونکہ جمہور نے یہ اختیار اس کے سپرد کیا ہے۔ لیکن یہ صورت اس مقتدر جمہور کی سی نہیں تھی جس کے لئے سترھویں صدی کوشاں تھی جن اصولوں پر پارلیمنٹ قائم تھی ان کی ماہیت اور مفہوم کو وضاحت کے ساتھ سمجھنا پارلیمنٹ کے لئے آسان نہ تھا بلکہ یہ کام تدریجی تجربوں کے ذریعے رفتہ رفتہ ہی ممکن ہے۔

جیمز اول کے آخری عہد میں بادشاہ اور پارلیمنٹ کے درمیان نہایت سرعت

کے ساتھ کھلے مجادلے کی صورت پیدا ہو رہی تھی۔ اور مخالف فریق سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ ان اساسی اصول کو جو مابہ النزاع ہوتے تھے صاف سمجھنے لگا ہے۔ جرمنی کی کیتھولک اور پروٹسٹنٹ ریاستوں کے مابین جو جنگ سی سالہ پھوٹ پڑی اور بالخصوص پروٹسٹنٹ مذہب کے علمبردار فریڈرک والی بلاطیہ جو جیمز کا داماد تھا مصیبت میں گھر گیا تو اس سے قوم اپنے ہم مذہبوں کی امداد کے لئے بے قرار ہو گئی اور بادشاہ کی اس حکمت عملی کی سختی سے مخالفت کی کہ وہ اسپین کے اتحاد سے یورپ میں امن قائم کرے۔ جب ۱۶۲۰ء کی گرمیوں میں ہسپانوی فوجوں نے بلاطیہ پر حملہ کر دیا حالانکہ جیمز ابھی صلح کی گفت و شنید کر رہا تھا تو اس سے بہت برافروختہ ہوا اور اس نے جنوری کے اواخر میں ایک پارلیمنٹ طلب کی کہ اگر جنگ آپڑے تو اس کے لئے روپیہ فراہم کرے۔ جب پارلیمنٹ مجتمع ہوئی تو بادشاہ نے فوج کے لئے روپیہ کی ضرورت دکھلائی اور ۵ لاکھ پونڈ طلب کئے۔ پارلیمنٹ نے منظوری رقم کے معمول سے گریز کر کے صرف اجلاس کے اختتام کے قریب بہ یک وقت امداد یا تقریباً ایک لاکھ ساٹھ ہزار پونڈ منظور کئے اور اس کے بعد چند بدعنوانیوں پر غور کیا جن کی زور سے شکایت ہو رہی تھی۔ اس میں پہلے پہل بادشاہ کی مخالفت کا کوئی مفہوم نہیں تھا نہ پارلیمنٹ کو بادشاہ کے علی الرغم کام کرنا مقصود تھا بلکہ وہ سمجھتی تھی کہ ہم ہر کام بادشاہ کی رضا سے ہی کرتے ہیں۔

سب سے پہلے اجاروں کی بدعنوانی کو ہاتھ میں لیا گیا جس پر خود ملکۂ الیزبیتھ کے عہد میں حملے ہو چکے تھے۔ اس زمانے کے اجارہ کا یہ طرز تھا کہ شاہی پروانے کے ذریعے کسی چیز کی تجارت کا جو اکثر عام استعمال کی چیز ہوتی تھی تنہا حق دیا جاتا تھا اور جو شخص اس کی منظوری حاصل کرتا تھا وہ خریداروں سے زیادہ قیمت لے کر خوب منافع حاصل کرتا تھا اور اپنی آمدنی کا ایک حصہ شاہی خزانے میں داخل کرتا تھا۔ جیمز نے ایک حد تک اجاروں کا سلسلہ وسیع کر دیا۔ تاکہ اس کو بغیر پارلیمنٹ کی مدد کے روپیہ ملے۔ اس زمانے میں ان اجاروں کی شکایت اس قدر ناقابل انکار ہو گئی تھی کہ جب پارلیمنٹ اس پر بحث کرنے لگی تو جیمز نے اس کو بند کرنے کی کوشش نہیں کی۔ ۱۶۲۱ء کی پارلیمنٹ نے اجاروں کے خلاف کوئی

قانون پاس نہیں کیا لیکن جو تحقیقات کی گئی تو اس سے ایک بہت اہم دستوری نتیجہ برآمد ہو گیا یعنے عملِ مواخذہ کا احیا ہو گیا اور یہ اس طریقے سے کہ اسے ہر مسلمہ غلط کاری کی پاداشں قرار دیا گیا۔ لیکن اس نوع سے کہ اگر پادشاہ بھی اس طرزِ عمل کی مخالفت کرنا چاہے تو اس کے پاس کوئی دلیل نہ تھی اس طریقے سے علانیہ پادشاہ پر زد کرنے کی ضرورت نہ تھی بلکہ زمانے وسطیٰ کا ایجاد کیا ہوا ہتیار پھر پارلیمنٹ کے ہاتھ میں آگیا جو خود رایانہ حکومت کے مقابلے کے لئے بہت اچھا تھا۔

مواخذہ کا احیا

مواخذہ کا احیا۔ پندرھویں صدی کے وسط سے مواخذے کسی نہ کسی وجہ سے بند ہو گئے تھے اور تقریباً دو سال تک پارلیمنٹ نے کبھی پادشاہ کی پوری طور سے مخالفت کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ان حالات میں جب کبھی کسی عہدہ دار کو سزا دینا منظور ہوا اس کے لئے "مخصوص قانون تعزیری" بہت مختصر اور آسان طریقہ سمجھا جاتا تھا اور مواخذہ متروک ہو گیا تھا۔ (ریاستہائے متحدہ کے دستور کی رو سے "مخصوص قانون تعزیری" ممنوع ہے اور مواخذہ صرف عہدہ داروں تک محدود ہے اور اس میں براہ راست فیصلہ ہوتا ہے۔ اس کو محض ایک سیاسی سماعت بنایا گیا ہے اور سزائیں بھی ایسی رکھی گئیں تھیں جیسے سیاسی سزائیں ہوتی ہیں۔ لیکن ان میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اصلی مواخذہ پر صادق آئے۔) اصل دارلامرا یعنے قدیم مجلسِ عظمیٰ ہر شخص اور ہر جرم کی سماعت کر سکتی تھی بشرطیکہ جیسے پادشاہ یہاں پیش کرنا مناسب سمجھتا۔ ۱۶۲۱ء میں دارالامرا والے اس بات کو بھول چکے تھے کہ جہاں تک معمولی امور کا تعلق ہے قدیم مجلسِ عظمیٰ سے اس کا کیا رشتہ تھا اور جہاں تک اختیارات کا تعلق ہے قدیم مجالس سے اس کا کیا رابطہ تھا۔ ظاہر ہے کہ دارالامرا کے اختیارات انھیں مجالس سے حاصل ہوے تھے لیکن بہت سی چیزیں جو آج غائب ہو گئی ہیں یہی سترھویں صدی میں ان کا باہمی تعلق واضح کرتی تھیں۔ دارالامرا کی حیثیت اب تک ایک عدالت فوجداری کی سی تھی اور یہ نہ صرف اپنے اراکین کے لئے بلکہ ہر اس شخص کے لئے جس کا مقدمہ یہاں دائر کیا جاتا عدالت کا کام دیتا تھا۔ اور یہ بات مواخذہ کی تجدید کے سلسلے میں بہت اہم ہے۔

جدید مواخذہ جو پہلی دفعہ ہوا تو باضابطہ نہیں ہوا۔ عوام نے اجارہ دار

ونیپے سن کے رویہ کا سراغ لگایا اور امرا کے سامنے اس کی بدعنوانیوں کی شہادت پیش کی۔ لیکن دارالعوام کی طرف سے اس مقدمہ کا باضابطہ چالان نہیں ہوا۔ امرا نے شہادت کی چھان بین کی اور مومپیسن کو مجرم پایا اور اس کے لئے سخت سزا کا فیصلہ کیا۔ اس کے ساتھی مچل کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا گیا اور ایک عادل سر جان بینٹ اور اسقف ڈاکٹر فیلڈ دونوں کو بھی ان کے ساتھ ساتھ سزا دی گئی۔ لیکن اسی میعات میں لارڈ چانسلر بیکن کا جو مواخذہ ہوا تو اس میں ایک اور قدم آگے بڑھایا گیا مگر اس میں شکل وصورت کی کوئی تجدید نہیں ہوئی گو یہ ضرور ہے کہ دربار کے ایک بڑے عہدہ دار کو جو بادشاہ کا بہت ہی وفادار آلۂ کار تھا سزا دی گئی مگر اس مقدمہ میں بھی بادشاہ پر کوئی براہ راست زد نہیں پڑتی تھی اور بادشاہ کے پاس بھی صفائی میں پیش کرنے کے لئے کوئی مواد نہیں تھا۔ جس سے وہ بیکن کو بچانے کی کوشش کرتا۔ اس پر الزام یہ تھا کہ اس نے ان مقدمات میں جو اس کی عدالت میں رجوع ہوئے تھے رشوت لی تھی اور ثبوت اس قدر بین تھا کہ سوائے اقرار جرم کے اس کے پاس کوئی استغاثہ نہیں تھا خواہ وہ سیاسی مواخذہ ہو یا نہ ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ اس میں کوئی ایسا دعوے بھی نہیں کیا گیا تھا کہ یہ وزیر بادشاہ کے افعال کا ذمہ دار ہے۔ لیکن اس سے پوری طور پر پارلیمنٹ کا حق قائم ہو گیا کہ وہ بادشاہ کے کسی وزیر پر بدمعاملگی کا الزام لگا سکتی ہے اور اس کو سخت سزا دے سکتی ہے۔ یہ حق امیر خزانہ مڈل سکس کے مواخذہ کی وجہ سے جو ۱۶۲۴ء میں اور موثق ہو گیا۔ اس پر بھی اسی قسم کا الزام تھا۔

اسی اجلاس میں ایک اور اہم دستوری امر ایسا طے ہو گیا گو اس کی نوعیت منفی تھی لیکن وہ بالکل انہیں اصولوں کے مطابق پڑتا تھا جو آفرینش پارلیمنٹ کے ساتھ خود بخود پیدا ہو گئے تھے۔ یعنے دارالعوام کو دارالامرا کے عدالتی اختیارات میں جو قدیم مجلس عظمی سے حاصل ہوئے تھے کوئی دخل نہیں ہو گا۔ دارالعوام نے فلائڈ نامی ایک کیتھولک قانون داں کو مجرم قرار دے کر اس کی سزا کا فیصلہ کر دیا حالانکہ اس شخص نے دارالعوام کے خلاف کوئی جرم نہیں کیا تھا بلکہ امیر بلاطینہ کے خلاف ناشائستہ الفاظ استعمال کئے تھے۔ یہ بات دارالعوام کے اختیارات سے دور

جیسا پڑتی تھی۔ جب بادشاہ نے جواب طلب کیا تو دارالعوام اپنے فعل کی تائید میں نہ تو کوئی نظائر پیش کر سکا نہ امرا کی توجیہ کے مقابلے میں کہ ان کے خاص حقوق پامال ہوتے ہیں اپنے کو حق بجانب ثابت کر سکا۔ دارالعوام نے اپنے قصور کا اعتراف تو نہیں کیا مگر مقدمہ دارالامرا کے تفویض کر دیا اور یہاں وکیل سرکار نے اس مقدمہ کو دائر کیا۔ اس سے پہلے دارالعوام کی کمیٹی نے خود مواخذہ کی تجدید میں یہ رپورٹ پیش کر دی تھی کہ سماعت اور فیصلے کے لئے اس مقدمہ کو دارالامرا کے سامنے رجوع ہونا چاہئے۔ ان نتائج کا جن کی تاریخی صحت میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا اس وقت مستنبط ہونا بہت اہم تھا کیونکہ بعد کو چل کر اس صدی میں اس دعوے پر کہ پارلیمنٹ یعنے پارلیمنٹ کی عدالت عالیہ ملک کی سب سے اعلیٰ عدالت ہے بہت زور دیا گیا اور یہ ایسے الفاظ ہیں کہ ان سے آسانی سے غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے۔ یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ دارالعوام نے اپنے متعلق کبھی اس دعوے کی کوشش نہیں کی تھی کہ اس کو عدالت کے انتہائی فرائض انجام دینے کا حق یعنے ایسے آخری فیصلے کا حق حاصل ہے جس پر ہر مقدمہ ختم ہو جائے نہ اس ایوان نے اپنے کو کوئی حقیقی عدالت بنایا تھا اس کی حیثیت ایک وکیل سرکار سے زیادہ نہیں تھی۔ جب اس مسئلے پر بحث ہوئی تو دارالعوام نے اس بات کو تسلیم کر لیا کہ ہمارے اختیارات صرف اس حد تک ہیں کہ ہم خود اپنے حقوق اور اختیارات کے متعلقہ مقدمات کا فیصلہ کر سکتے ہیں اور سزا دے سکتے ہیں۔

عوام کی عرضداشت۔ جب پارلیمنٹ نے جیمز کے روپے کی درخواست پر کوئی توجہ نہیں کی بلکہ بدعنوانیوں کی چھان بین میں مصروف ہو گئی تو بادشاہ نے اس کو سنہ میں برخاست کر دیا اور نومبر میں اس کا اجلاس قرار دیا۔ اس دوران میں جیمز کی تمام تدبیریں جو اسپین کے اتحاد کی مدد سے یورپ میں امن قائم کرنے اور بلاطیہ کی حفاظت کے لئے کی گئی تھیں سب بیکار ثابت ہوئیں اس نے پارلیمنٹ سے انگریزی فوج کے لئے جو جرمنی میں کام کر رہی تھی نو لاکھ پونڈ کا مطالبہ کیا۔ اگرچہ وہاں صحیح معنوں میں جنگ جاری نہیں تھی دارالعوام نے بیدریس پیش کر کے ایک امداد یعنے اسی ہزار پونڈ سے بھی کم رقم منظور کی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بادشاہ کے پاس

شکایت کی کافی وجہ تھی مگر پارلیمنٹ اپنے ایسے ہتیار کو حوالہ نہیں کرنا چاہتی تھی جس سے شکایات کی تلافی پر زور دیا جا سکے۔ دارالعوام نے ایک عرضداشت تیار کی اور اس میں ان امور کو ایسے پیش کیا کہ امور تنقیح طلب واضح ہو جائیں۔ پاپائی مذہب کی اشاعت کے خطرے سے آگاہ کیا گیا اور یہ امید ظاہر کی کہ شاہزادہ ویلز کی شادی ہسپانوی شاہزادی کے بجائے جو بادشاہ اپنے اتحاد کی تکمیل کے لئے چاہتا تھا کسی پروٹسٹنٹ شاہزادی سے ہونی چاہئے۔

یہ کہنا ضروری ہے کہ اس عرضداشت میں دارالعوام اپنی اس حد سے جواب تک اس کا دائرہ عمل سمجھا جاتا تھا۔ کچھ باہر نکل گیا تھا۔ یہ بالکل سچ ہے کہ تقریباً اس زمانے تک خارجی معاملات کے متعلق یہ سمجھا جاتا تھا کہ اس کا تعلق بلا شرکت غیرے عاملہ سے ہے۔ جیمز نے اپنے اختیار خصوصی کے بچاؤ کی فوری کوشش کی عرضداشت کے پیش ہونے سے قبل ہی اس نے صدر دارالعوام کے نام یہ احکام جاری کئے کہ ایوان کو یہ معلوم کر دیا جائے کہ "ایوان کا کوئی رکن ہماری حکومت یا مملکت کے گہرے معاملات میں جس میں ہسپانوی شادی بھی داخل ہے دخل دینے کا مجاز نہیں ہے اور اس بات کا اعلان کر دیا جائے کہ پارلیمنٹ میں جو شخص بدروش اختیار کرے گا اور گستاخی کرے گا میں اس کو سزا دوں گا اور اس کا مجھے اختیار ہے"۔ دارالعوام نے ایک دوسری عرضداشت کے ذریعہ اپنا جواب پیش کیا جس میں انھوں نے بادشاہ سے یہ عرض کی کہ "آزادی بحث حدود اختیار اور قرار داد و ملامت میں پارلیمنٹ کو جو قدیم زمانے سے اختیار حاصل ہے" اس کو حضور تسلیم کریں۔ اور انھوں نے جتایا کہ یہ ان کے "قدیم اور مصدقہ حقوق ہیں اور بزرگوں کی دی ہوئی میراث ہیں" اس کو بادشاہ نے نہیں مانا اور اپنے جواب میں یہ کہا کہ "تمہارے جو حقوق ہیں وہ ہمارے اور ہمارے آبا و اجداد کی مہربانی اور اجازت سے حاصل کئے ہوئے ہیں اور اکثر ایسے ہیں جو نظائر سے پیدا ہوئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ توریث نہیں بلکہ چشم پوشی کا نتیجہ ہیں"۔

تاریخی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو ان میں سے اکثر امور کے متعلق بادشاہ حق بجانب تھا لیکن عوام اس وقت یہ سمجھ گئے تھے کہ اس مسئلے میں بادشاہ کے جوڑے کو

بلا مخالفت چھوڑ دینا کیا معنی رکھتا ہے۔ ان لوگوں نے ۱۸ دسمبر کو "احتجاج" مرتب کر کے اپنا جواب دیا۔ یہ کوئی عرضداشت نہیں تھی بلکہ ایک بے ضابطہ اعلان تھا کہ "پارلیمنٹ کی آزادیاں حقوق رائے دہی، اختیارات خصوصی اور حدود اختیار رعایائے انگلستان کے قدیم اور مصدقہ حقوق اور میراث ہیں۔" جو معاملات بادشاہ سلطنت اور کلیسا سے متعلق ہیں ان پر بحث کرنے کے وہ مجاز ہیں اور اپنے بحث و مباحثے میں ان کو تقریر کی کامل آزادی حاصل ہے دوسرے روز بادشاہ نے پارلیمنٹ کا اجلاس ملتوی کر دیا اور چند روز کے بعد دارالعوام کی کتاب روئداد منگوائی اور کونسل کے روبرو اس کا وہ ورق چاک کر دیا جس پر احتجاج درج کیا گیا تھا۔ ایوان کے تین رکن محبس ہو گئے اور جان ایلیٹ کو یہ حکم ہوا کہ وہ اپنے مکان میں نظر بند ہو جائے اور ۶ جنوری کو پارلیمنٹ برخاست کر دی گئی۔

یہ احتجاج خاص طور پر توجہ کے قابل ہے اور یہ اس کی محض عبارت کی وجہ سے نہیں، کیونکہ اس کی عبارت تو ۱۶۰۴ء کے "اعتذار" سے کچھ اونچی نہیں تھی بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں بلا التباس شکل و صورت بادشاہ سے دو بدو مقابلہ ہوتا ہے اور گزشتہ حالات کے بہ نسبت اس وقت بادشاہ کے ساتھ کشمکش کا زیادہ واضح تصور ذہن میں آجاتا ہے کہ اس کے کیا معنے ہو سکتے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ سمجھنا چاہیئے کہ یہاں بادشاہ اور پارلیمنٹ کی باہمی کشمکش کا جو اس صدی میں شروع ہوی پہلا یعنے ابتدائی درجہ ختم ہو جاتا ہے جو جیمز کے عہد پر حاوی ہے اگرچہ اس وقت کوئی چیز ایسی ظہور پذیر نہیں ہوی جو جدید درجے کا آغاز کرے اس دوسرے درجے کا ظہور چارلس اول کی تخت نشینی کے کچھ دنوں بعد تک نہیں ہوا۔

جیمز کی آخری پارلیمنٹ۔ جیمز کی چوتھی اور آخری پارلیمنٹ فروری ۱۶۲۴ء میں منعقد ہوی۔ اس مختصر اجلاس میں بادشاہ اور پارلیمنٹ کے مابین پوری مطابقت تو نہیں ہوی لیکن اب تک جو صورت حال رہتی ہے اس سے کچھ بہتر تھی۔ ہسپانوی شادی کے متعلق جیمز کی تدبیر ناکام ہو چکی تھی اور اب وہ بہ نسبت پہلے کے یا تو لڑائی کے لئے آمادہ تھا یا پہلے سے زیادہ

لڑائی کا خوف کر رہا تھا۔ اس نے چھ۶ امداد اور ۱۲ ۱/۱۵ مالیت کے محاصل طلب کئے لیکن پارلیمنٹ نے تین امدادیں اور ۳ ۱/۱۵ منظور کیا۔ یہ امداد اراضی اور جائداد کا بلا واسطہ محصول تھا جو ایک مقررہ شکل میں عائد کیا گیا تھا یعنی اراضی پر فی پونڈ چار شلنگ اور اشیا پر فی پونڈ دو شلنگ آٹھ پنس۔ اور اس کا شمار اس مقررہ پیمائش کے مطابق ہوتا تھا جو ملکہ میری کے عہد میں عمل میں آئی تھی۔ ایک امداد میں کوئی ستر ہزار پونڈ حاصل ہوئے۔ وقت واحد میں پانچ امدادوں کے منظور کرنے کے بظاہر یہ معنے تھے کہ تمام پیمائش شدہ زمین کی قیمت ضبط ہو رہی ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ کوئی بہت بھاری محصول نہیں تھا کیونکہ پیمائش بہت ہلکی ہوئی تھی اور وصولات ایک سال یا اس سے زیادہ کے دوران میں کی جاتی تھیں۔ ۱/۱۵ ایک محصولِ آمدنی تھا صرف خاص پر صرف ۱/۱۰ لیا جاتا تھا جس میں اکثر قصبات بھی شامل تھے لیکن مقامی حلقے سے جو رقم وصول کی جاتی تھی وہ وہی تھی جو چودھویں صدی کے وسط سے پہلے معین ہو چکی تھی اور پھر اس میں کوئی اضافہ نہیں ہوا تھا۔ محصول ۱/۱۵ سے جو بہ یک وقت وصول کیا جاتا تھا کوئی بیس ہزار پونڈ وصول ہو جاتے تھے۔ اس پارلیمنٹ نے ارل مڈل سکس کا مواخذہ بھی کیا اور یہ قانون پاس کیا کہ جدید ایجادوں کے حق ایجاد کے سوا دوسرے اجارے "اس ملک کے قانون کے بالکل منافی ہیں"، اور یہ ملک کے قدیم اور اساسی قانون کے منافی ہونے کی وجہ سے ناجائز ہیں۔ ماہ مئی کے آخر میں جیمز نے پارلیمنٹ کو برخاست کر دیا اور آئندہ مارچ کی ۲۷ تاریخ کو اس کا انتقال ہو گیا۔

BIBLIOGRAPHICAL NOTE.—J. N. Figgis, *The Divine Right of Kings*, 1914. S. R. Gardiner, *The History of England. 1603-1640,* 10 vols., 1883–4. C. H. McIlwain, *The Political Writings of James I.* 1918. L. O. Pike, *The Constitutional History of the House of Lords*, 1894. W. H. Price, *English Patents of Monopoly*. 1906. G. W. Prothero, Introduction to *Select Statutes and Constitutional Documents*. 1913 R. G. Usher, *The Rise and Fall of the High Commission*, 1913.

باب ۱۲

پادشاہ بلا پارلیمنٹ

چارلس اول کا عہد کم از کم سنہ ۱۶۴۰ تک اس کے باپ کے عہد کا قدرتی تتمہ ہے۔ لیکن جیمز کے مقابلے میں چارلس زیادہ ضدی اور کوتاہ نظر تھا اور پارلیمنٹ بحث طلب امور کو خوب سمجھے ہوئے تھی، چنانچہ ان اسباب کی بنا پر اس عہد میں بادشاہ اور پارلیمنٹ کے اختلافات اس قدر بڑھ گئے کہ گزشتہ عہد میں کبھی اتنے نہیں ہوئے تھے۔ چارلس کی تعلیم و تربیت اس طریقے سے ہوئی تھی کہ وہ پادشاہ کے مطلق اختیارات کے اصول کو دل سے مانتا تھا کہ وہ حقوق منجانب اللہ ہیں۔ اور چونکہ یہ اصول دربار اور کلیسا میں اپنی پوری شدت سے تسلیم کئے جاتے تھے۔ اور عدالتی فیصلوں سے ان کی تائید ہوتی تھی اس لئے چارلس کو سوائے واقعات کی منطق کے اپنی غلطیوں کا معترف کرنا ممکن نہیں تھا۔ اس کے باپ کی شخصیت سے زیادہ چارلس کی شخصیت اس کے عہد کی تاریخ ڈھالنے میں مستقل اثر رکھتی ہے۔ ہنری سوم کے عہد کی طرح اس وقت پھر ایسی شخصیت پیدا ہوگئی جو دستور کی ترقی کے لئے بہت مفید ثابت ہوئی اور پھر وہی ہوا کہ بادشاہ کی دماغی حالت کمزور تھی لیکن اپنی حیثیت کو بہت ارفع و اعلیٰ سمجھتا تھا۔ چارلس نہ صرف ضدی تھا بلکہ مزاج کا متلوّن بھی تھا۔ استدلال سے

اس کو قائل کرنا ممکن نہیں تھا۔ لیکن جذبات کے تلاطم سے اس کے رویہ پر ضرور اثر پڑتا تھا۔ اور جب حالات مخالف ہو جاتے تھے تو اپنی رفتار بدل دیتا تھا۔ جو اوصاف سلاطین شاہان ٹیوڈر میں بہت نمایاں تھے مثلاً حکومت کا سلیقہ اور عوام الناس کے جذبات کا فوری احساس، وہ اس میں بالکل مفقود تھے۔

تخت نشین ہوتے ہی چارلس کو جنگ اسپین کا شوق چرایا۔ تین مہینے بھی نہیں گزرے تھے کہ اس نے اپنی پہلی پارلیمنٹ طلب کی اور اس کو توقع یہ تھی کہ اس کام کے لئے بڑی رقم منظور ہو جائے گی لیکن دارالعوام نے صرف دو امدادیں منظور کیں۔ ایوان کو پادشاہ کے منصوبوں سے اتنی دلچسپی نہیں تھی جتنی دو امور سے یعنی ایک پروٹسٹنٹ مذہب کو ان کیتھولک خطرات سے بچانا جن کا پھر ڈر لگا ہوا تھا؛ دوسرے یہ عزم کہ "ملک و مملکت کی بدعنوانیاں اور شکایات معلوم کرنا اور ان کی اصلاح کرنا چاہئے"۔ اور یہ عزم ایک باضابطہ تحریک کی صورت میں لایا گیا۔ اس سے زیادہ کارروائی نہیں ہوئی تھی کہ چارلس نے بالکل بیتاب ہو کر دوسری اگست کو پارلیمنٹ برخاست کر دی منانہ اور رطلانہ کی بھی منظوری نہیں ہوئی۔ لیکن پارلیمنٹ کے بغیر پادشاہ کی گزر بھی نہیں ہو سکتی تھی۔ چنانچہ آئندہ فروری کی چھٹی تاریخ دوسری پارلیمنٹ کا اجلاس ہوا۔ اس پارلیمنٹ نے ایک لخت ایسا رویہ اختیار کیا جو پہلی پارلیمنٹ سے بھی شدید تھا اور پادشاہ کے منظورِ نظر وزیر ڈیوک آف بکنگھم کے مواخذہ کی کارروائی شروع کر دی، کیونکہ پارلیمنٹ سمجھتی تھی کہ یہی ڈیوک سخت ترین خرابیوں کا ذمہ دار ہے۔ لیکن چارلس اس کی کب اجازت دے سکتا تھا۔ اس نے عوام کو اپنے سامنے طلب کیا اور کہا کہ تمہارا کام یہ ہے کہ پہلے تم روپیہ منظور کرو اور میں اس بات کی اجازت نہیں دوں گا کہ میرے مقرب ملازمین پر جو عالی مرتبہ ہیں الزام لگائے جائیں۔ کیونکہ ان لوگوں نے جو کچھ کیا ہے وہ میرے حکم سے کیا ہے۔ اس پر ایوان ٹس سے مس نہیں ہوا اور اپنے منصوبوں میں فرق آنے نہیں دیا۔ بلکہ ایوان نے زور سے اپنا حق جتایا کہ جو شخص ذمہ دارانہ حیثیت رکھتا ہے اور بدعنوانیوں کا مرتکب ہوتا ہے اس کے خلاف کارروائی ہو سکتی ہے۔ ایوان نے پادشاہ سے کثیر رقم کا وعدہ تو کیا لیکن

شکایات کی تلافی ہونے تک منظوری ملتوی کرنے کا ارادہ کرلیا، دارالعوام کے منتظمین نے ۸ مئی کو دارالامرا میں بکنگھم کا مواخذہ پیش کیا۔ ان میں سے دو آدمی ایک سر جان ایلیٹ اور دوسرے سر ڈڈلے ڈگیس اس وجہ سے فوراً ٹاور میں ڈال دئے گئے کہ ان کی تقریریں قابل اعتراض تھیں اور عوام فوراً اس بات پر اڑ گئے کہ جب تک ہمارے اراکین رہا نہیں کئے جائینگے اس وقت تک ہم کوئی کام نہیں کریں گے۔ بادشاہ کو مجبوراً یہ بات ماننی پڑی۔ لیکن جب عوام نے یہ تحریک کی کہ جب تک باضابطہ منظوری نہ ہو اس وقت تک منابہ اور طلانہ وصول نہیں کئے جا سکتے۔ اور اور تا وقتیکہ بکنگھم برطرف نہ کیا جائے کوئی رقمی منظوری نہیں دی جائیں گی، تو اس نے ۱۵ جون کو پارلیمنٹ برخاست کردی۔

جدید بیداری کا اظہار۔ چارلس کی حکومت شروع ہونے کے بعد سے ان پندرہ مہینوں میں جو واقعات ہوئے ان سے یہ بات بالکل عیاں ہوجاتی ہے کہ پارلیمنٹ نے نہایت جسارت سے کام لے کر اپنے کو کہاں سے کہاں پہنچادیا تھا۔ اس نے ملکت میں دیدہ و دانستہ اختیارات کا وہ درجہ حاصل کرلیا تھا کہ اگرچہ عرصے سے اس کا سامان ہو رہا تھا لیکن یہ اب تک حاصل نہیں ہوا تھا۔ ٹیوڈر پارلیمنٹ کا کوئی ذکر نہیں، لنکاسٹری دور کی پارلیمنٹوں نے بھی جو نسبتاً کچھ طاقتور تھیں ایسا جذبہ ظاہر کیا تھا نہ جیمز کی پارلیمنٹوں نے۔ چارلس کی پارلیمنٹیں سمجھتی تھیں اور یقین کرتی تھیں کہ ہم بادشاہ کے ہم پلہ ہیں اور مستقبل کا تعین کرنے میں ہم بادشاہ کے برابر ہیں۔ یہ پارلیمنٹیں بادشاہ کے ساتھ برابر کی کشمکش کے لئے بالکل تیار تھیں اور سمجھتی تھیں کہ ان کے ہاتھ میں اچھے جان توڑ ہتھیار موجود ہیں۔ مثلاً پارلیمنٹ کے اختیارات خصوصی، مواخذہ اور بادشاہ کی مالی ضروریات اور ان ہتھیاروں سے وہ حملہ اور مدافعت دونوں صورتوں میں پورا کام لینے کے لئے آمادہ تھیں۔ اس تمام صدی میں جو کچھ ہوا وہ یہ نہیں کہ ادارات کی کوئی صورت بدل گئی بلکہ یہ واضح ہوگیا کہ ان کا کیا مقصد ہے اور یہ کیونکر کام میں لائے جاسکتے ہیں۔

قدیم ادارات کے مفہوم کی جدید واقفیت ان تقریروں سے خوب واضح ہوتی ہے۔ جو بکنگھم کے مواخذہ کے سلسلے میں دارالعوام کے مقرر کردہ منتظمین نے دارالامرا

کے سامنے کی تھیں۔ سر ڈڈلے ڈگبس نے جو الفاظ استعمال کئے تھے وہ پہلے ہی درج کئے گئے ہیں۔ "انگلستان کے قوانین نے یہ ہمیں سکھلایا ہے کہ پادشاہ قبیح اور ناجائز امور کا حکم نہیں دے سکتے۔ اور جو کچھ قبیح واقعات ظہور پذیر ہوں گے ان کے عاملوں کو ان کا جواب دینا پڑے گا۔" یہی چیز ہے جو "پادشاہ سے کوئی غلطی صادر نہیں ہو سکتی" کے فقرہ کا دستوری مفہوم ہے۔ ملزم کے خلاف آخری تقریر میں ایلیٹ نے اور زیادہ فصاحت سے کام لیا تھا۔ اس نے کہا "امرائے عظام! میں کہتا ہوں کہ اگر اعلیٰحضرت نے خود رضامندی کا اظہار کیا تھا یا اس کا حکم دیا تھا جس کا مجھے یقین نہیں تو اس سے ڈیوک صاحب مطمئن نہیں ہو سکتے تھے۔ نہ اس سے ان کے الزام میں تخفیف ہو سکتی ہے کیونکہ یہ ان کے عہدہ کے فرائض میں داخل ہے کہ وہ الحاح والتجا کے ذریعے حضور کی مخالفت کریں اور آئندہ خطرات اور برے نتائج دکھلا کر جہاں پناہ کا حکم منسوخ کرائیں۔" ان گنے چنے الفاظ میں وزارتی ذمہ داری کے موجودہ اصول کو اس سے زیادہ فصاحت کے ساتھ نہیں بیان کیا جا سکتا۔ حالانکہ ان کا صحیح مفہوم اس وقت سمجھ میں نہیں آیا تھا، تاہم اصول یہ تھا کہ جب کوئی وزیر شاہی احکام خلاف قانون سمجھتا ہے تو اس کا فرض ہے کہ ان احکام کی مخالفت کرے۔ اور جب پادشاہ خلاف قانون اپنی خواہش پوری کرنا چاہے تو اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرے۔ چونکہ وزیر نے ایسا نہیں کیا ہے۔ اس لئے وہ اس کا ذمہ دار ہے اور اس سے جواب لینا چاہیئے۔

پادشاہ کی تائید پر بھی مخالف اصول کی ایک شکل موجود تھی جو اپنی ظاہری حالت میں نئی معلوم ہوتی تھی، گو یہ اصول اسس نظریئے سے منطقی طور پر مستنبط ہوتا تھا جو مملکت میں پادشاہ کے رتبے کے متعلق موجود تھا اس اصول کا صریح دعویٰ یہ تھا کہ وزرا کے افعال کا خود پادشاہ ذمہ دار ہے۔ بکنگھم کے متعلق چارلس نے دارالعوام کو جو پیغام بھیجا تو اس میں اس کے الفاظ یہ تھے کہ "اگرچہ چند امور کا خود بکنگھم نے جس کا اس پر الزام لگایا گیا ہے جواب دیا ہے لیکن سچ تو یہ ہے کہ بکنگھم نے جو کام کئے اس کا میں نے خود حکم دیا تھا۔ میں ایوان کو اس بات کی اجازت نہیں دے سکتا کہ میرے ملازمین پر حرف لائیں، چہ جائے کہ وہ ملازم جو میرے

بہت متقرب ہیں۔" یہ مسئلہ جو بادشاہ اور پارلیمنٹ کے درمیان پیدا ہوا وہ اگرچہ اب تک سمجھ میں نہیں آیا تھا لیکن دستور کے اس اساسی مسئلے کو ظاہر کرنے کا جو سترھویں صدی طے کرنے والی تھی، یہ بھی ایک طریقہ تھا۔ چارلس کے اوائل عہد میں جو مسئلہ چھڑا اس کا فیصلہ آخر عہد میں نہایت دردناک طور پر ہوا۔ کیونکہ جب بادشاہ اپنی ذمہ داری پر اڑ گیا تو پھر مفاہمت ناممکن ہوگئی۔

یہ بات بادشاہ کے لئے بہت آسان تھی کہ جب کبھی وہ ناخوش ہوتا پارلیمنٹ برخاست کر دیتا تھا۔ لیکن منظورہ محاصل کے بغیر حکومت کے مصارف پورے کرنا آسان نہ تھا۔ جنگ تو جنگ، امن کے زمانے میں بھی یہ دقت سے خالی نہیں تھا۔ جنگ اسپین کے علاوہ چارلس فرانس کے ساتھ لڑنے کے لئے بھی مجبور تھا اور یہ جنگ دوسرے سال ۱۶۲۶ء میں پھوٹ پڑی۔ اس کو نہ صرف اپنے باپ کے ہی بلکہ نئے ہتھکنڈے بھی اختیار کرنے پڑے۔ مثلاً محصول طلانہ تو بغیر منظوری کے جاری رکھے گئے، نذرانے اور جبری قرضے بھی طلب کئے گئے اور سرکاری مہردار کاغذ جاری کئے گئے۔ بھاری بھر کم قرضے وصول کئے گئے اور استثنا تک فروخت کئے گئے۔ ساحلی صوبوں کو حکم دیا گیا کہ بیڑے کے لئے جہاز فراہم کریں۔ قرونِ وسطیٰ میں یہ طریقہ جاری تھا اور اس سے بحری طاقت کی فراہمی اور تیاری ہوتی تھی۔ اب یہ کوشش کی گئی کہ یہ ذمہ داری اندرونی صوبوں پر بھی عائد کی جائے۔ ان تمام طریقوں کو کام میں لا کر بھی کافی رقم جمع نہیں ہوئی اور طرفہ یہ کہ ان سے سخت مخالفت پیدا ہوگئی۔ جبری قرضوں کو باضابطہ محصول بنانے کا خیال تھا تاکہ اسی تشخیص کے مطابق لئے جائیں جو گزشتہ امداد کے لئے عمل میں آئی تھی اور ارادہ یہ تھا کہ یہ پانچ امدادوں کے برابر ہو لیکن وصول کچھ نہیں ہوا۔ عدالت شاہی کے عادلوں کو اس کے جواز پر دستخط کرنے کے لئے بلایا گیا تو انھوں نے انکار کر دیا اور میرِ مجلس کے برطرف ہونے کے باوجود بھی دوسرے عادل اپنے انکار پر اڑے رہے، چنانچہ جبری اُگاہی ناممکن ہوگئی۔ جن شرفا نے ادا کرنے سے انکار کر دیا تھا وہ قید میں ڈال دئے گئے اور عام لوگوں پر سختی کی گئی کہ برّاعظم جانے کے لئے فوج میں بھرتی ہوں۔ غیر تربیت یافتہ فوج پر قابو رکھنے اور رقم کی تحصیل کے لئے قانون جنگ جاری کرنے کی ضرورت پیش آئی اور مقامی آبادیوں پر فوجی دستے مسلط کرنا پڑے۔ یہ قرین قیاس

ہے کہ یہ تدابیر اس غرض سے اختیار نہیں کی گئی تھیں کہ جو لوگ شاہی محاصل ادا کرنے سے ناک ہوں چڑھا ئیں ان کو سزا دی جائے۔ لیکن ان تدابیر سے یہ صاف معلوم ہوتا تھا کہ شخصی حکومت سے کیا نتائج برآمد ہوتے ہیں چنانچہ ان سے ایک سنسنی پھیل گئی۔

پانچ مبارز

پانچ مبارزوں کے یا ڈارنیل کے مقدمہ میں ایک اور دستوری سوال پیدا ہوا اور یہ بعض شرفا کے قید سے اس وقت پیدا ہوا جب انھوں نے جبری قرضہ کے سلسلہ میں اپنی معینہ رقم ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ پانچواں مبارز جن میں ڈارنیل بھی شامل تھا، گرفتار ہوئے اور عدالتِ شاہی کی عدالت میں شقۂ احضار ملزم کا دعویٰ کیا گیا۔ داروغہ جیل نے اس شقہ کا جواب اس طرح دیا کہ یہ لوگ بادشاہ کے خاص حکم سے گرفتار ہوئے ہیں۔ ملزموں کے وکیل نے کہا کہ یہ جواب کافی نہیں ہے، اگرچہ ہم بادشاہ اور کونسل کے اختیار گرفتاری کو مانتے ہیں لیکن شقے کے جواب میں علت گرفتاری کی صراحت ہونی چاہیئے۔ اپنی تائید میں انھوں نے منشورِ اعظم اور دیگر قوانین کا حوالہ دیا اور شاہی مجلس نے یہ حجت پیش کی کہ سلطنت کے اسباب ایسے ہوتے ہیں کہ اکثر ان کی بین توجیہ نامناسب ہوتی ہے، اور اپنی تائید پر انھوں نے نظائر اور عدالتی فیصلوں کا حوالہ دیا۔ پھر مجلس نے عدالتی فیصلہ صادر کیا، جس کے معنی عام طور پر یہ سمجھے گئے کہ یہ قیدیوں کو ضمانت پر چھوڑنے سے انکار اور بادشاہ کے فعل کی تائید تھی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ تاریخی اعتبار سے عادلوں کا یہ فیصلہ بالکل صحیح تھا۔ یہ بالعموم تسلیم کیا جاتا تھا کہ صراحتِ علت کے بغیر خاص گرفتاری اور قید بادشاہ کے اختیارات میں شامل ہیں۔ اس عمل درآمد میں منشورِ اعظم نے کوئی تغیر نہیں کیا تھا اور اس سے پہلے کبھی اس حق پر باضابطہ اعتراض بھی نہیں ہوا تھا۔ ممکن ہے کہ دوسری طرف چند نظائر پیش کئے جا سکتے ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ شاہی اختیار، خصوصی اور قانونِ عرفی کے مابین بہت الجھن نظر آتی تھی۔ تاریخ دانوں کی نظر میں یہ ایک جدید دعویٰ تھا کہ ایک خاص چیز میں شاہی اختیاراتِ خصوصی کو محدود کرنے کی کوشش کی جائے۔ لیکن سچ پوچھو تو یہ چیز بالکل عملی ترقی کے مطابق تھی اور منطقی طور پر اس سے مستنبط ہوتی تھی۔ نظائر کے الفاظ بادشاہ کے رتبے کی تائید کرتے تھے لیکن ان کے مفہوم سے کچھ اور ہی بات مترشح ہوتی تھی۔ اس وقت سلطنت کی کوئی

ایسی ضرورت نہ تھی جس کے مٹے بادشاہ کو یہ سب کچھ کرنا پڑا تھا، بلکہ وہ اپنے غیر قانونی اور غیر دستوری افعال پر ضد کر رہا تھا۔ اگر قوم اس بات میں حق بجانب تھی کہ وہ محصول مالگزاری کے جملہ غیر قانونی ذرائع بادشاہ کے ہاتھ سے لے لے تو اس زور دار ہتھیار کا چھیننا ہی درست تھا کیونکہ مالگزاری کے اس ہتھیار سے ان کی مشیت کی مزاحمت ہوسکتی تھی۔ ممکن ہے کہ تاریخ بادشاہ کے ان مخالفین کا ساتھ نہ دے لیکن کم از کم ان کی منطق تو درست تھی۔

۱۶۲۸ء کی پارلیمنٹ ان تمام قوانین کے باوجود چارلس کو معلوم ہوگیا کہ وہ بیرونی جنگ کا بوجھ نہیں سہار سکتا چنانچہ وہ پھر دوسری پارلیمنٹ کے تجربہ کرنے پر مجبور ہوگیا۔ اور یہ پارلیمنٹ ۱۶۲۸ء مارچ کے مہینے میں بلائی گئی۔ قوم کا مزاج اس قدر گرم ہوگیا تھا کہ انتخابات سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ دارالعوام کے ارکان چارلس کا ساتھ دیں گے پہلے کی طرح ایوان نے محصول منظور کرنے سے قبل یک لخت بدعنوانیوں کی اصلاح کا مطالبہ کیا اور بادشاہ کے ڈرانے دھمکانے کی کوئی پروا نہیں کی۔ یہ ایک غیر معمولی تبدیلی کا ثبوت ہے کہ پارلیمنٹ نے اس دقت وزراء کے خلاف نہیں بلکہ خود بادشاہ کے خلاف کارروائی کی اور کہا کہ بادشاہ نے دستور کی غلط تاویل کی ہے اور اس سے یہ ڈر ہے کہ کل کو مطلق العنان حکومت قائم ہوجائے گی۔ اس وقت بادشاہ اور قوم کے اختلافات ایک خاص صورت میں ڈھل گئے۔ قوم چار صریح امور کے متعلق بہت گھبرائی ہوئی تھی۔ غیر قانونی محاصل، خود اختیاری حبس۔ سپاہیوں کا لوگوں کے گھروں پر جبراً رکھا جانا اور قانون جنگ کے ذریعے سزا دینا۔ اور انھیں چار امور کے متعلق عوام نے صراحت کے ساتھ فیصلہ کرنا چاہا۔

یہ مسئلہ کہ اس وقت ان امور کو کس طرح طے کیا جائے کہ اس سے ضروری مقصد پورا ہو جائے بہت مشتبہ تھا اور اس کے لئے بہت کچھ بحث و مباحثہ کی ضرورت تھی موجودہ قانون کی معمولی توثیق سے جس کے لئے بادشاہ تیار تھا دارالعوام مطمئن نہیں تھا کیونکہ اس کو اپنے خیالات کے مطابق قانون کی تاویل کرنے کا کافی موقع حاصل تھا۔ وہ ایسی صراحت چاہتے تھے کہ خود ان کی تاویل عدالتوں پر واجب التعمیل ہو جائے پہلے تو انھوں نے مسودہ کی صورت میں کارروائی کرنی چاہی تاکہ بادشاہ کے منظور کرنے

کے بعد ان کا نقطۂ خیال دوسرے قوانین کی طرح واجب التعمیل ہو جائے۔ لیکن بادشاہ کے متعلق صاف طور پر معلوم ہو گیا کہ وہ ایسے مسودہ کے لئے کبھی راضی نہیں ہو گا۔ مزید بحث کے بعد یہ طے پایا کہ بادشاہ کی خدمت میں دونوں ایوانوں کی جانب سے "عرضداشت حقوق" پیش کی جائے۔

"عرضداشت حقوق" تیرھویں صدی سے "عرضداشت" انگلستان کے عدالتی نظام کی ایک مستقل خصوصیت بن گئی تھی۔ عرضداشت ایک یا کئی اشخاص کی جانب سے بالعموم بادشاہ کی خدمت میں پیش کی جاتی تھی یا بادشاہ باجلاس کونسل کے سامنے پیش کی جاتی تھی۔ یہی وہ طریقہ تھا جس کے مطابق عدالت نصفت میں کارروائی شروع کی جاتی تھی۔ دوسرے اغراض میں بھی یہ طریقہ استعمال ہوتا تھا جس طرح "تسفۂ حقوق" مدعی کے دعوے کے لئے انصاف کا ذریعہ تھا۔ اسی طرح سے "عرضداشت حقوق" عرضی گزاروں کے انصاف کا ذریعہ تھا اور یہ خیال عام تھا کہ جو ضروری امر کی طرف بادشاہ کی توجہ مبذول کرانا چاہئے اور اس کا فوری انصاف ہونا چاہئے۔ جب کوئی خانگی شخص عرضداشت پیش کرتا تو اس کا بالعموم یہ جواب ہوتا تھا "انصاف کیا جائے" یا "فریق درخواست گزار کی حق رسائی کی جائے۔ اس طریقۂ کارروائی میں پارلیمنٹ کا فائدہ یہ تھا کہ عرضداشت اور اس کی کارروائی عدالت کے ایک منفصلہ فیصلہ کی طرح باضابطہ مثل کی صورت میں آجائے گی اور آئندہ اس کا دوسرے عدالتوں پر بالکل وہی واجب التعمیل اثر ہو گا۔

عرضداشت میں عوام نے جو الفاظ استعمال کئے وہ ان الفاظ کی بہ نسبت جو پہلے تجویز کئے گئے تھے کسی قدر نرم تھے جو الفاظ استعمال کئے گئے وہ یہ تھے۔ "ہم حضورِ والا کی خدمت میں نہایت عاجزانہ عرض پرداز ہیں کہ آئندہ کوئی شخص عام رضامندی اور پارلیمنٹ کے قانون کے بغیر کسی عطیہ، قرض، پیشکش محصول یا اس قسم کی کوئی اور وصولات کے لئے مجبور نہ کیا جائے۔" اس سے انکار کرنے پر کسی شخص کے ساتھ مزاحمت نہ کی جائے، باضابطہ قانونی کارروائی کے بغیر کوئی آزاد شخص قید نہ کیا جائے،" "اور بغیر اظہار علت اور الزام کے، جس کی قانون کے مطابق جوابدہی

ہو سکے" بادشاہ کے حکم کی بنا پر حوالات میں نہ رکھا جائے۔ اگرچہ صراحت کے ساتھ اس کا دعوٰے نہیں کیا گیا، لیکن ایک فقرے کا مطلب یہ تھا کہ یہ آخری امر موجودہ قانون کی بنا پر پہلے سے موجود ہے۔ نیز اس کا بھی مطالبہ تھا کہ سپاہیوں کا مسلط کرنا اور قانون جنگ کے ذریعے سزا دینا مسدود کر دیا جائے۔ اسی عرضداشت کا بادشاہ نے دوسری جون ۱۶۲۸ء کو یہ جواب دیا "بادولت یہ چاہتے ہیں کہ ملک کے قانون اور رواج کے مطابق انصاف ہو۔ قوانین کی پوری تعمیل ہو تاکہ کسی رعایا کو کسی ظلم و زبردستی کی جو ان کے قطعی حقوق، اور آزادی کے خلاف واقع ہوں شکایت کا موقع نہ ملے اور ان کی حفاظت اپنے اختیار خصوصی کی طرح اپنا فرض سمجھتے ہیں۔" عوام کو یہ جواب کچھ مذبذب سا معلوم ہوا۔ اور یہ اس بات کی کوشش تھی کہ عوام کی جگہ خود بادشاہ قانون کی اپنی تاویل کر سکتا ہے اور دراصل بات یہی تھی۔ جہاں تک امرا کی درخواست تھی وہ ایک دوسرے جواب کے طالب تھے اور آخر کو بادشاہ نے ان الفاظ میں جیسا مطلوب ہے ویسا حق پہنچے رضامندی ظاہر کر دی۔ یہ الفاظ پارلیمنٹ نے تجویز کئے تھے جو خانگی مسودات کے متعلق اظہار رضامندی کے لئے استعمال ہوتے تھے۔

اس لحاظ سے عرضداشت حقوق گو ضبط تحریر میں آئی تھی لیکن یہ کوئی قانون موضوعہ نہیں تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر اس کے تاریخی سیاق و سباق کا لحاظ کیا جائے اور ظاہری بے ضابطگیاں نظر انداز کی جائیں تو فنی کیفیت اور تعمیلی اثر کے اعتبار سے اس کو عدالتی فیصلوں میں شامل کیا سکتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ آئندہ زمانے میں اس کو بالکلیہ قانون نہیں سمجھا گیا اور اس صدی کے اختتام سے پہلے اس کے اہم ضابطوں کو دوبارہ وضع کرنا پڑا۔ دستوری وثیقہ کی حد تک رکھا جائے تو اس کی اہمیت غیر معمولی ہے اور اس حالت میں یہ کسی حقیقی ترقی کا حامل ہونے کے بجائے اس بات کی پیش بندی تھی کہ آئندہ بہت سی چیزیں وقوع میں آنے والی ہیں۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ تاریخ دستور انگلستان کے عظیم الشان وثایق کے سلسلے کی ایک کڑی ہے جن کی ابتدا منشور اعظم سے ہوتی ہے۔ بمفہوم مقصد اور طریقہ کے لحاظ سے عرضداشت حقوق بالکل منشور اعظم کے نقش قدم کی پیرو ہے۔ اس کا دعوٰے یہ ہے کہ جن امور کے متعلق یہ عرضداشت

بادشاہ کی منظوری چاہتی ہے وہ پہلے ہی سے ملک کے قانون میں موجود ہیں۔ اور اس کی بنیاد اس مفروضے پر قائم کی گئی تھی کہ بادشاہ ان اصولوں کی پابندی میں پس و پیش کرتا ہے لہذا اس کو باضابطہ پابند بنانا چاہیے تاکہ ۱۲۱۵ء کی طرح اس کے جانشین ہمیشہ اس کے پابند رہیں۔ لیکن یہ ثابت کرنا مشکل ہے کہ تاریخ دستوری میں عرضداشت حقوق کی وہی اہمیت ہے "جو ایک طرف منشور اعظم کی اور دوسری طرف یادداشت حقوق کی ہے۔ اس میں اس زمانے کی طرز کے بہت سے الفاظ استعمال ہوئے ہیں اور تمام منشورہا و ثائق کے مقابلے میں اس میں بہت کم ترتیب اور انضباط پایا جاتا ہے۔ اس کی تاریخی اہمیت خاص طور پر اس بات میں مضمر ہے کہ اس نے اس صدی کی کشمکش میں ایک طرف یہ مثال قائم کر دی کہ دستور کی تاویل میں پارلیمنٹ بادشاہ پر خاطر خواہ دباؤ ڈال سکتی ہے اور دوسرے طرف بڑے موثر پیرایے میں قانون کی برتری ثابت کر دی۔ ایک طرح سے عرضداشت حقوق اس ترقی کی علامت ہے جو پہلے ہو چکی تھی۔

جب سے بادشاہ اور پارلیمنٹ کی باہمی کشمکش شروع ہوئی ہے یہ اس بات کی پہلی کوشش ہے کہ اختیار خصوصی اور قانون کے درمیان ایک خط فاصل کھینچا جائے اور جہاں تک وضاحت ہو سکتی ہے ایسے حدود قرار دئے جائیں کہ جہاں قانون سے بالاتر اختیار ختم ہو جائے اور قانون کا راج شروع ہو۔ اس کی تکمیل عام پیرایہ میں نہیں بلکہ خاص اور صریح امور میں مقصود تھی۔ اس طریقے سے بادشاہ کے اختیارات خصوصی کی جو تخفیف عمل میں آتی ہے اور ان اختیارات پر جو جدید قیود قائم ہوتے ہیں وہ گزشتہ دستوری ترقی کے جذبہ کے عین مطابق تھا۔

عرضداشت کی اس کشمکش میں جو اساسی امر زیر بحث تھا اس کے متعلق ایک خلاف توقع واقعے سے جو عرضداشت کی تیاری میں پیش آیا تھا پہلے سے زیادہ واضح تصور قائم ہو گیا۔ جو عرضداشت بادشاہ کے سامنے پیش کی گئی اس میں امرا نے اس ترمیم کی خواہش کی تھی کہ "کامل اقتدار اعلیٰ جو رعایا کی حفاظت سلامتی اور خوش حالی کے لئے حضور والا کے ساتھ وابستہ ہے مناسب غور کے بعد ویسا کا ویسا ہی چھوڑ دیا جائے۔" اس طریقے سے اختیارات مقتدرہ یا اقتدار اعلیٰ کے اصول پر مباحثہ کسی قدر جدید تھا۔ غالباً پارلیمنٹ کچھ مبہم طور پر یہ سمجھتی تھی کہ یہ الفاظ گویا اس

بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اقتدار اعلیٰ یا اس سے جو نتائج مستنبط ہوتے ہیں بادشاہ کی ذات میں موجود ہیں دارالعوام اس سے بہت خوف زدہ ہوگیا۔ اقتدار اعلیٰ کے متعلق بہت کچھ حیرت اور شبہہ ظاہر کر کے ایوان نے یہ ترمیم رد کر دی اور امرا نے استرداد منظور کر لیا تاہم یہ لوگ اس بحث میں اس معرکۃ الآرا مسئلہ کی سرحد تک پہنچ گئے تھے۔ جو بادشاہ اور پارلیمنٹ کے درمیان زیر بحث تھا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس عرضداشت کو تحویل اقتدار اعلیٰ کا جو بادشاہ سے پارلیمنٹ میں ہوئی پہلا زینہ سمجھنا چاہئے جن افعال کی اس عرضداشت میں شکایت کی گئی تھی وہ تمام اختیار خصوصی کے افعال تھے یعنی مافوق قانون یا اقتدار اعلیٰ کے افعال تھے۔ یہ اختیارات خصوصی بادشاہ اس زمانہ تک برابر استعمال کرتا رہا تھا اور اس کی کوئی خاطر خواہ مزاحمت نہیں ہوئی تھی۔ اس وقت پارلیمنٹ اس امر پر زور دے رہی تھی کہ ان افعال کو اختیار خصوصی کے دائرے سے نکال کر قانون کے دائرے میں منتقل کر دینا چاہئے یعنے اس دائرے سے خارج کر کے جس میں بادشاہ مافوق قانون ہے۔ قانون کے دائرے میں داخل کر دینا چاہئے جو بادشاہ سے بھی برتر ہے۔

عرضداشت حقوق کی ایک اور خصوصیت ہے جس کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے اور یہ اس کی عملی خصوصیت ہے۔ اس عرضداشت کا تعلق صرف انھیں معاملات کی حد تک تھا جو بالکل سامنے تھے۔ اس میں کسی تصوری اثبات حق کی کوشش نہیں کی گئی، اس سے کوئی اساسی اصول نہیں قائم کئے گئے اور کوئی چیز نظری فلسفہ سے نہیں لی گئی؛ بلکہ چند خاص مسایل کو لے کر انھیں خاص طور پر طے کیا گیا اس کا دائرۂ عمل اس قدر تنگ تھا کہ صرف چار عملی امور تک ہی محدود تھا۔ جو اس زمانے کے تجربے سے پیدا ہوئے تھے۔ اور اس لحاظ سے اپنے رنگ میں عرضداشت اینگلو سیکسن دستوری وثائق کے سلسلے میں آجاتی ہے۔ جن کی بلا استثنا سب کی یہی خصوصیت ہے کہ یہ سب اپنی ماہیت میں غیر تصوری اور عملی ہیں۔ اگر کوئی صریح استثنا ہے تو وہ امریکہ کے "اعلان آزادی"، کا مقدمہ ہے جس میں جان لاک کا وہ سیاسی فلسفہ ظاہر کیا گیا تھا جو سترھویں صدی کے اختتام کے قریب مقبول عام ہوگیا تھا۔ اور جو اصل میں زمانے کا قدیمہ تصور تھا جو قرون وسطیٰ میں اس سے چھنکر آیا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس مقدمہ میں

وہ خیالات ظاہر نہیں کئے گئے جو امریکہ کے انقلاب کے باعث ہوئے تھے بلکہ یہ خیالات "اعلان" کے متن میں ظاہر کئے گئے جو ایک بالکل کھلا، واضح، منضبط اور عملی وثیقہ ہے اور جس کی جگہ ٹھیک اسی سلسلے میں قائم ہو جاتی ہے جو سلسلہ کہ منشور اعظم سے شروع ہوتا ہے اور اس میں کوئی ایسی چیز نہیں جو عملی نقطۂ نظر سے اعتذار کی محتاج ہو۔ عرضداشت حقوق بھی اسی طرح بالکل عملی ہے۔ اگرچہ اس کی تشکیل کچھ بہت زیادہ قطعیت کے ساتھ نہیں ہوئی۔

انقلاب کی طرف پہلا قدم اگر چارلس کی تیسری پارلیمنٹ کو ہم انتقال اقتدار اعلیٰ کا پہلا قدم سمجھیں جو بادشاہ سے پارلیمنٹ کی طرف ہو رہا تھا تو یہی انقلاب کی طرف بھی پہلا قدم ہوگا۔ عرضداشت کو منظور کرنے کے تشکر میں دارالعوام نے بادشاہ کے لئے پانچ امدادیں منظور کر دیں۔ لیکن ساتھ ہی منانہ اور رطلانہ کی غیر آئینی تحصیل کے خلاف احتجاج کیا۔ اس کو روکنے کے لئے بادشاہ نے اجلاس برخاست کر دیا۔ جب چھ مہینے کے بعد نیا اجلاس ہوا تو پھر یہی سوال اٹھایا گیا اور بادشاہ نے کچھ دنوں کے لئے اجلاس ملتوی کر کے اس کو روکنے کی کوشش کی۔ دوسری مرتبہ جب بادشاہ نے مداخلت کی تو عوام نے التواء سے انکار کر دیا اور جس وقت اسپیکر نے یہ کہا کہ مجھے بادشاہ کا حکم ہوا ہے کہ میں کرسی سے ہٹ جاؤں تو دو اراکین نے اس کو زبردستی بٹھائے رکھا، دروازہ بند کر دیا گیا تاکہ جو اراکین باہر جانا چاہیں وہ نہ جانے پائیں؛ اب اسپیکر کے بدلے ایک دوسرے رکن نے سر جان ایلیٹ کی تیار کی ہوئی تین تحریکیں رائے کے لئے پیش کیں اور اعلان کیا گیا کہ یہ تحریکیں منظور ہو گئیں۔ یہ چیزیں ایسی تھیں جو قانون اور عملدرآمد دونوں کی رو سے مصدقہ نہیں تھیں، بلکہ جوش اور اشتعال کی حالت میں عمل میں آئی تھیں۔ قرار دادیں بذات خود جائز تھیں۔ ایک قرار داد یہ تھی کہ مذہب میں ایسی تبدیلی نہیں ہونی چاہئے جس سے پاپائیت یا آرمینیت کو فائدہ پہنچے؛ دوسری قرار داد یہ تھی کہ بغیر منظوری کے منانہ اور رطلانہ وصول نہ کئے جائیں؛ اور تیسری قرار داد میں یہ اعلان تھا کہ جو لوگ خلاف قانون محاصل ادا کریں گے وہ ملک کے دشمن سمجھے جائیں گے۔ لیکن انقلاب کے معنی یہ ہیں کہ جب کوئی بات آئینی اور آسان طریقے سے طے نہ ہو تو تشدد سے کام لیا جائے۔ اب رہی

وہ آئرستان کا نائب شاہ مقرر کیا گیا۔ یہاں اس کو اپنے خیالات آزادانہ پھیلانے کے لیئے کافی مواقع حاصل تھے کہ شاہی حکومت کیسی ہونی چاہیئے اسی کے الفاظ میں حکومت "کامل" ہونی چاہیئے تھی یعنے ایسی بنیاد پر قائم ہو کہ جس سے انفرادی منفعتیں درگزر کی جائیں تاکہ تمام قوم کے فائدے کے لیئے ایسی شاہی قوت قائم ہو جائے جو مملکت کی پوری طور سے قائم مقام ہو۔ اور اس کو یقین تھا کہ اس مقصد کی تکمیل ایک زبردست فوجی طاقت کے بغیر ممکن نہیں ہے چنانچہ فوج کی تیاری کا کام آئرستان میں اس نے اپنے ذمہ لے لیا تھا چونکہ اس کی قابلیت اس زمانے کے اکثر لوگوں سے زیادہ تھی اور اپنی حکومت میں اس کو کافی مواقع حاصل تھے۔ اس لئے لوگوں کو بادشاہ کے دوسرے ہواخواہوں سے زیادہ اسی شخص سے خوف پیدا ہو گیا تھا۔

ولیم لاڈ جس کو چارلس نے اسقف اعظم کنٹربری بنا دیا بڑی حد تک عوام کی مذہبی مخالفت کا ذمہ دار ہے جو اس وقت مشتعل ہو گئی۔ لاڈ اپنی تقاضائے طبیعت سے ہائی چرچ فریق کا رہنما اور کالوینیت کا مخالف تھا۔ اس کے دل میں ایک طرف مذہب کی خدمت دوسرے طرف بادشاہ کی خدمت کا احساس جاگزیں تھا اور اس احساس نے اس کو اس بات پر آمادہ کیا کہ "جامعیت" کا خاتمہ کر دے، اور پوریٹنوں کو قومی کلیسا سے خارج کر دے۔ اس کوشش میں بادشاہ اس کا خاطرخواہ مؤید او رہمدرد تھا اور کئی سال تک یہ کوشش برابر بارور ہوتی رہی۔ اس سے پوریٹن بہت گھبرائے اور وہ نہ صرف اس وجہ سے کہ ان کا خاص پروٹسٹنٹ مسلک خطرے میں تھا بلکہ وہ دیکھ رہے تھے کہ ہائی چرچ والوں کا منصوبہ دراصل کیتھولک مذہب کو عود کرنے کی تیاری تھی، اور جب انھوں نے یہ بھی دیکھا کہ براعظم میں کیتھولک طاقتوں کو فوجی کامیابیاں، حاصل ہو رہی ہیں اور کیتھولک او رملکہ ہنریٹا میریا کا اثر بڑھ رہا ہے تو ان لوگوں کو اپنے مستقبل کے متعلق سخت مایوسی ہونے لگی۔ مذہبی اور سیاسی آزادیاں دونوں فنا ہوتی نظر آتی تھیں۔ مملکت اور کلیسا دونوں کے متعلق جو ناامیدی چھا گئی اور نظروں کے سامنے بہت ہی مایوس کن منظر آ گیا تو اس کا پہلا نتیجہ یہ ہوا کہ ہزاروں خاندان نیوانگلینڈ کی طرف ہجرت کر گئے، اور ان کے ہجرت کرنے سے امریکہ کی شمالی نوآبادیوں کو فرانسیسیوں اور ولندیزیوں کی دست برد سے بچا لیا۔

یہ جغرافی آبادکاری جو پوریٹنوں کو حاصل ہوئی اس سے زیادہ اہم ان کے وہ دستوری خیالات تھے جن کو یہ لوگ اپنے ساتھ امریکہ لائے ان خیالات سے انگلستان میں عنقریب ایک ایسا مستقبل برآمد ہونے والا تھا جس کا ان پوریٹن مہاجرین کو پہلے سے کوئی اندازہ نہیں تھا۔ یہ ایسا مستقبل تھا جس میں یہ لوگ انقلاب کی دہکتی آگ میں کود کر پیش قدمی کے لیئے مجبور ہو گئے۔ لیکن یہ پیش قدمی

کوئی ایسی بنیاد نہیں تھی جس سے وہ محصول عائد کرنے کی حق کی تائید کر سکتے۔ عدالت ایوان خزانہ یعنی عادلان قانون عرفی کے متفقہ اجلاس کے روبرو اس مقدمہ کی سماعت ہوئی۔ ان عادلوں میں سے سات شاہی حق کے موافق اور پانچ مخالف تھے چنانچہ کثرت رائے سے بادشاہ کے موافق فیصلہ ہوا۔ ایک رائے یہ تھی کہ "چاہے پارلیمنٹ کا کوئی قانون کیوں نہ ہو بادشاہ "مفاد عامہ" کی خاطر" اپنی سلطنت کی حفاظت اور سلامتی کے لئے رعایا سے روپیہ لے سکتا ہے۔ اختیار خصوصی کی مخالفت کرنے والا کوئی قانون بادشاہ کے ہاتھ نہیں باندھ سکتا اور ضرورت کے وقت بادشاہ ہر قانون سے گریز کر سکتا ہے"۔ عدالت مقدمات عامہ کے الفاظ یہ تھے کہ "پارلیمنٹ کا کوئی قانون بادشاہ کی ملوکیت سلب نہیں کر سکتا، اس لئے پارلیمنٹ کے وہ قوانین جو سلطنت کی حفاظت کی بابت بادشاہ کے اختیارات کے منافی ہیں باطل ہیں"۔ جب ان مآخذوں سے یہ استدلالات پیدا ہوئے تو اس زمانہ کے مفکرین کو لازمی طور پر ان اساسی اصولوں پر نظر غائر ڈالنی پڑی جو اس سے مستنبط ہوتے تھے لیکن اس وقت تو اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکا۔ اگلے تین برسوں میں سے ہر سال اس قسم کا ایک جدید محصول وصول کیا گیا۔

چارلس کا یہ منصوبہ کہ بغیر پارلیمنٹ کے کام چلے کامیاب ہو رہا تھا۔ تحصیل محاصل کے مختلف ذرائع جو چارلس استعمال کرتا تھا ایک ساتھ رکھ کر دیکھے جائیں تو اس کو تقریباً اتنی آمدنی وصول ہو جاتی تھی جس سے زمانہ امن میں مملکت کی تمام ضروریات پوری ہو جاتی تھیں۔ اگر وہ فوج کے مصارف کو درگزر کرتا جو بحری طاقت کے علاوہ تھے تو ایسی صورت میں یہ ظاہر تھا کہ وہ بالآخر دستور کے قید و بند کو کامیابی سے توڑ سکتا تھا۔ اس لئے اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ وہ کیوں ایک فوج جمع کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہمیں یہ بھی دیکھنا پڑے گا کہ زمانے کے مذہبی مسائل کیونکر اس سیاسی کشمکش میں شامل ہو گئے۔

وینٹ ورتھ اور لاڈ۔ چارلس کو ایسے دو آدمی مل گئے جو اس کی شخصی حکومت کی اغراض کی تکمیل میں غیر معمولی مدد دیتے تھے سر ٹامس وینٹ ورتھ اس عہد کی اولین پارلیمنٹوں میں فریق مخالف کا رہنما رہ چکا تھا لیکن جوں جوں زمانہ گزرتا گیا یہ ظاہر ہو گیا کہ بادشاہ اور پارلیمنٹ کے مابین قانونی حق کے متعلق اس کا خیال دوسرے مخالف فریقوں کے خیالات سے جداگانہ ہے۔ وہ اس بات کا معتقد تھا کہ بادشاہ کو قانوناً اس سے کہیں زیادہ حقوق حاصل ہیں جو پارلیمنٹ دینا چاہتی ہے اور بالخصوص وہ پارلیمنٹ کے اس حق کا مخالف تھا کہ اس کو اقتدار اعلیٰ حاصل ہے گو وہ اصولاً "عرضداشت حقوق" کو تسلیم کرتا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ بادشاہ کے طرفداروں میں شامل ہو گیا حالانکہ وہ مرتد سمجھا جاتا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ فعل اس کا بالکل خلوص نیت پر مبنی تھا لیکن وہ سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ آخر میں چل کر وہ ارل اسٹریفرڈ بنایا گیا لیکن ۱۶۳۲ء میں